جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا

رسالہ

شرح کنز مکتوم

فی عقد ام کلثوم

مؤلفہ
مرتبہ

متکلم و مناظر لاثانی منشی سید سجاد حسین صاحب

مصنف

جام جہاں نما - مشعل ہدایت - آفتاب خلافت

وغیرہ وغیرہ

مطبع مقبول پریس چتلی قبر دہلی میں طبع ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یافتاح

بعدِ حمدِ خدا و نعتِ سید الانبیاء صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم و منقبتِ شیرِ خدا روحی لہ الفدا خطا کار سجاد حسین ابن سید محمد حسین مرحوم و مغفور متوطن بھڑہ سادات واقع سادات باہرہ ضلع مظفر نگر بخدمت حضراتِ مومنین عرض پرداز ہے کہ شیعہ کو حضرات اہلسنت اکثر چھیڑا کرتے ہیں کہ اگر خلفاؤ حضرتِ امیرؑ میں اتحاد نہوتا تو وہ کبھی اپنی صاحبزادی حضرتِ امِ کلثوم کا عقد حضرت عمر سے نہ کرتے۔ اِس قضیۂ واہیؔ بے بنیاد کی بحث میں اکثر رسائل مبسوط حضرات شیعہ نے لکھکر اہلسنت کو ساکت و لاجواب کیا ہے۔ ہندوستان میں سب سے پہلے بجواب تحفۂ شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی جناب مرزا محمد صاحب کامل دہلوی اعلے اللہ مقامہ نے کتابِ مستطاب نزہۂ اثنا عشریہ میں مسکتِ خصم جواب دیا ہے۔ مگر در نیولا جناب مولانا و مقتدانا حامیِ دینِ سید المرسلین السید مولوی علی اظہر صاحب ادام اللہ فیوضہ رئیسِ کھجوہ ضلع سارن ملک بنگال نے ایک رسالہ مسمے بہ کنز مکتوم اس متانت و رزانت سے لکھا ہے کہ جس کے مثل کا ممکن ہونا محال ہے۔ رسالۂ موصوف نے جماعتِ حضراتِ مومنین و بالخصوص نظرِ

علمائے دین و مجتہدین میں بحدے وقار پایا کہ جناب میر آغا صاحب مجتہد نے اپنی بعض تصانیف میں اُسکو مستند سمجھ کر استناد فرمایا۔ مصنف ممدوح نے بقاعدہ جرح و قدح اُن روایاتِ اہلسنت کی بے اعتباری دکھلائی ہے جو کہ بذکر عقد وارد ہوئی ہیں اس باب خاص میں محتشم الیہ نے ایک بڑا ضخیم رسالہ تحریر فرمایا ہے جسکا نام (باب ہفتم ذو الفقار) ہے اس میں اس افترائے عقد کی پوری کیفیت کھولی گئی ہے۔ چونکہ بوجہ حجم و ضخامت رسالۂ مذکور کا طبع ہونا خیلے مشکل تھا لہذا مومنین با تمکین نے ممدوح الشان کو مجبور کیا کہ جب تک رسالہ چھپے آپ بر سبیل ایجاز و اختصار کچھ واقعات متعلق بہ عقد شایع فرمائیں تاکہ خلایق کی طبایع سے یہ غلط خیالی کہ معاذ اللہ عقد ہوا دور ہو جائے فرمائش احباب سے تنگ آکر مصنف موصوف نے اُس بڑی کتاب سے کچھ مضامین انتخاب فرما کر چھپوا دیے۔ اہل تصانیف جانتے ہیں کہ جب ایک مفصل و مشرح تحریر سے خلاصہ کیا جائیگا تو اُس میں اجمال ضرور ہوگا۔ اور کلام مجمل کو عام طبایع پورے طور پر جاگزین خاطر کرنے سے معذور ہوتی ہیں۔ لہٰذا مکتوم میں بر سبیل اختصار اکثر مواقع پر کنایہ و اشارہ سے کام لیا گیا ہے جنکو وہی حضرات خوب سمجھ سکتے ہیں جو کہ کتب مناظرہ پر پورا عبور رکھتے ہیں۔ اور جن لوگوں کی مباحث مذہبی میں نظر قاصر ہے وہ کامل طور پر اُسکے کنایہ و اشارات کے سمجھنے سے معطل ہو کر اپنی طبایع میں ایک نوع کی پیچیدگی و اُلجھن پاتے ہیں۔ چونکہ اس واقعہ بے سر و پا سے عام لوگوں کا آگاہ ہونا ضروری ہے لہذا اس کم مایہ و ہیچمداں نے بغرض تفہیم عامۃ الناس یہ رسالہ لکھ کر التزام کیا کہ ہر معاملہ کو ایسے واضح طور پر بیان کر دیا جائے جو کہ ناواقف ناظرین کی سمجھ میں بخوبی آجائے۔ ترتیب یہ رکھی گئی ہے کہ ایک فرضی حاکم قرار دیکر اہلسنت سے جو کہ اس عقد کے مدعی ہیں عرضی دعوے لیا گیا ہے۔ اور اُس میں نہایت امانت سے وہ تمامتر باتیں درج کی گئی ہیں جو کہ بہ ثبوت عقد اُنہوں نے اپنی کتاب میں بیان فرمائی ہیں۔ میں حتماً کہہ سکتا ہوں کہ اگر حضرات اہلسنت اس دعوے کو خود تحریر فرماتے تو یقیناً اس سے زیادہ کچھ نہ لکھ سکتے جسکو اُنکی جانب سے نیابۃً حقیر نے حوالہ قلم کیا ہے شیعہ چونکہ قاطبۃً اسکے منکر ہیں اُنہوں نے بہ حیثیت مدعا علیہ جواب دعوے یعنی

بیان تحریری داخل کیا ہے۔ حاکم نے تحریر فریقین پر گہری نظر کرکے چند ایسی تنقیحات اخذ کی ہیں۔ جو کہ اہل عقل کے نزدیک ضروری تھیں اور جن سے انکشاف حال بطرز واجب ہو سکتا ہے جانبین سے ایک ایک وکیل مقرر کیا گیا ہے تاکہ ہر تنقیح پر رد و اثبات کر سکے۔ مدعیان کے وکیل کا نام غلام معاویہ ہے۔ اور مدعا علیہم کے مختار پنجتن ہیں۔ نمبروار تنقیحات پیش ہوئی ہیں اول وکیل مدعی نے اُس پر گفتگو کی۔ ازاں بعد وکیل شیعہ نے۔ حاکم نے وکلائے فریقین کی تقریر سنکر فیصلہ لکھدیا جسقدر تنقیحیں ہیں اُتنے ہی فیصلے ہیں۔ بعد ختم مقدمہ ایک پورا فیصلہ رہ گیا ہے ناظرین رسالہ پر واجب ہے کہ دوران ملاحظہ میں چند امور پر ضرور نظر کریں۔ اول یہ کہ سُنیوں کی جانب سے عرضی دعوے بلاخیانت لکھا گیا ہے۔ دوم نتائج اخذ کرنے (برآمدگی تنقیح) میں کسی خود غرضی کو تو دخل نہیں دیا گیا۔ سوم وکیل مدعیان کی جانب سے جس جس موقع پر جو گفتگو ہوئی ہے وہی ہونی چاہیے تھی یا کہ الفاظ پوشیدہ کیئے گئے ہیں۔ چہارم حاکم نے جو ہر تنقیح پر رائے لکھی ہے اُس میں بوئے طرفداری آتی ہے یا کہ آزادانہ و منصفانہ تجویز کی ہے۔ چونکہ رسالہ ہذا کی ترتیب میں غالب امداد کنز مکتوم سے لی گئی ہے۔ لہذا میں نے مصنف اول کی تحریر پر غاصبانہ قبضہ کرنا نہیں چاہا۔ بایں جہت اس رسالہ کا نام شرح کنز مکتوم رکھا گیا۔ خدا کی ذات سے امید ہے کہ مؤمنین کی نظر میں یہ حقیر تحریر بہ نگاہ عزت دیکھی جائے اور حضرات اہلسنت حقیقت معاملہ پر مطلع ہوکر امام زادی پر بیجا افترا کرنے سے باز رہیں حضرت عمر کی عزت و وقعت اِسی عقد کے صحیح مانے جانے پر موقوف نہیں ہے۔ اہلسنت کے یہاں اُنکے تودہ تودہ فضائل موجود ہیں۔ اُنہی کو پڑھ کر خلیفہ کی افضلیت کا اعتقاد کر سکتے ہیں۔ جن خلفاء کا خاندان نبوت میں عقد نہیں ہوا تو کیا اُنکی اِس سے کچھ بیوقعتی ہوئی ہے۔ خلیفۂ اول کو دیکھیے۔ نبیؐ کو ایک بیٹی دیکر وہ ممتاز درجہ حاصل کیا ہے کہ دوسرے کو ممکن نہیں۔ حضرت عمر بھی اِس شرف میں کچھ گرے ہوئے نہیں ہیں۔ چونکہ میں ایک جاہل محض ہوں لہذا ناظرین سے امید ہے کہ جس جگہ اغلاط لفظی دیکھیں محمول جہالت حقیر فرماکر سرزنش نہ فرمائیں۔ نعم المولےٰ ونعم الوکیل۔ نعم المولےٰ ونعم النصیرہ

تنبیہ

جناب مولوی علی اظہر صاحب قبلہ مدظلہ العالی نے صرف اُن روایات کی بے اعتباری بدلائل عقلی دکھلائی ہے جو کہ بذکرِ عقد کتب اہلسنت میں وارد ہوئی ہیں۔ اُن روایات واخبار کے ردّ و ابطال میں اجمالاً توجہ فرمائی ہے جو کہ کتب شیعہ میں اس واقعہ کے متعلق درج ہیں توضیح و تفصیل نہ کرنیکی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حسب قواعدِ مروجہ جب کسی معاملہ میں دعویدار کا ثبوت مجروح ہوجاتا ہے تو آئندہ تحقیقات بند کردی جاتی ہے۔ چونکہ موصوف الصدر نے حضراتِ اہلسنّت کے مواد استدلال کو باطل و مضمحل کرکے بیوقار محض کردیا تھا نظر برآں اندراجاتِ کتب شیعہ پر گفتگو کرنا عبث و فضول خیال فرماکر قلم کو روک لیا۔ لیکن نحیف نے اُن روایتوں کا بھی بعنایت الٰہی تسلی بخش جواب دیا ہے تاکہ حقیقتِ معاملہ کامل طور پر معلوم ہوجائے۔

عرضی دعوائے حضراتِ اہلسنّت بذریعہ غلام معاویہ وکیل

سنیانِ تمام جہان مدعیان بنام جمیع شیعیانِ مرتضوی مدعاعلیہم

دعوائے اثباتِ ایمانِ خلیفۂ دوم بر بناءِ محبت و مودت اہلبیتؑ وعقدِ اُمّ کلثوم دختر علیؑ کرم اللہ وجہہ

غریب پرور سلامت۔ جنابعالی گزارشِ فدویان یہ ہے کہ حسب عقیدہ تابندگان حضرت عمرفاروق وخاندانِ رسالت میں بحدے اتحاد وارتباط تھا کہ جسکا پایاں نہیں۔ چنانچہ بمقتضائے محبت و یکجہتی حضرتِ امیرؑ نے نہایت خوشدلی وطیب خاطر و محبت سے حضرت عمر کو لائق دامادی سمجھ کر اپنی صاحبزادی اُمّ کلثوم کا عقد اُنکی کم سنی یعنی عمر پنج سالگی میں حضرت عمر کے ساتھ بہ تعین چالیس ہزار روپیہ مہر کے کردیا۔ جن سے ایک بیٹی اور ایک بیٹا مسمّے بہ زید پیدا ہوا۔ جو کہ بعہدِ امیر معاویہ اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ وفات پاگیا۔ دونو کے جنازہ پر جناب امام حسین علیہ السلام نے بہ جلسۂ واحد نماز پڑھائی۔ حضرت عمر نے یہ عقد دختر صغیرہ سے بلاخیال اختلاطِ نفسانی محض بغرض حصولِ عزت آخرت کیا تھا۔ ورنہ پیرانہ سالی میں اُنکو کوئی ضرورت نکاح نہ تھی۔ مدعاعلیہم چونکہ حضرات ثلثہ وبالخصوص جناب عمر سے عداوت شدید رکھتے

لہذا اُس شرف خاص کو جو کہ خلیفہ کو خاندان نجابت میں قرابت کرنے سے حاصل ہوا ہے پس پشت ڈالکر خلیفۂ دوم کو منافق و مخالف اہلبیت بتلاتے ہیں۔ اور وقوع عقد سے قطعی منکر ہیں۔ بہ دانست ما فدویان و رفتار و رواج زمانہ مخالفین و معاندین میں عقد و مواصلت نہیں ہو سکتا۔ اگر خلیفۂ ثانی و اہلبیت میں ذرا بھی ناموافقت ہوتی تو حضرت امیرؑ ہرگز ہرگز اپنی صغیر سن بیٹی کا عقد حضرت عمر سے اُنکے بڑھاپے میں کرتے اور ایسے رشتے محض محبت و اخلاق سے ہوا کرتے ہیں۔ اور یہ بے جوڑ معاملہ کہ ایک کم عمر اور دوسرا اُس سن انتہا کی موافقت و یک دلی و بے تکلفی پر دلالت کرتا ہے۔ خود علمائے شیعہ نے بھی اس نکاح کو تسلیم کیا ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں فریقین کی کتابیں بآسانی مل سکتی ہیں اور ہر قسم کا ثبوت بہم پہنچ سکتا ہے لہذا ہم چاہتے ہیں کہ تحقیقات کامل ہو کر عدالتی طور پر اسکا تصفیہ ہو جائے تاکہ آئندہ کسی کو موقع انکار نہ رہے۔ بہ گزارش درخواست امیدوار ہوں کہ بعد ثبوت دادرسی حسب ذیل فرمائی جائے۔

فہرست دادرسی

(الف) بر بنائے محبت و الفت خاندان نبوت و عقد اُم کلثوم حضرت عمر کے ثبوت ایمان میں دفتر عدالت سے مُہری و دستخطی سند عطا فرمائی جائے۔

(ب) بہ اجرائے اشتہار گشتی یعنی ڈگری عقد تمام شیعہ کو متنبہ کیا جائے کہ اقرار عقد کر کے خلیفۂ دوم پر مطاعن و الزام بیجا وارد کرنے سے اپنی زبان اور قلم کو روکیں۔

(ج) رفض چھوڑ کر سُنیت کے پُرامن و امان مکان میں اپنا اسباب اُٹھا لائیں۔

تنبیہ

واضح ہو کہ حضرات اہلسنت کا اس عقد کے پیش کرنے سے یہی مطلب ہوتا ہے جو کہ عرضی دعوے اور دادرسی میں بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ محسن الملک صاحب نے آیات بینات جلد اول کے صفحہ (۱۴۵) پر یہی لکھا ہے کہ اگر خاندان اہلبیت و عمر میں اختلاف ہوتا تو حضرت امیرؑ کبھی عقد نہ کرتے۔ مولوی خلیل احمد صاحب نے بھی ہدایات الرشید میں یہی تحریر فرمایا ہے۔ نیز جمیع علمائے سنیہ کا اسی پر اتفاق ہے۔ گویا عقد باعث اتحاد و موافقت

قرار دیا گیا ہے۔

حکم عدالت

آج شیخ غلام معاویہ وکیل مدعیان نے یہ درخواست مع وکالت نامہ پیش کی لہٰذا

حکم ہوا

بعد تصدیق ضابطہ وکالت نامہ شاملِ درخواست کیا جائے اور بہ ارسالِ نقل عرضی دعوے شیعہ لوگوں کو جواب کے لیے طلب کیا جائے۔

عذرداری شیعہ بذریعہ سید نثار پنجتن وکیل

بجواب مدعیان عرض کیا جاتا ہے کہ درخواست دہندگان نے اپنے آپ کو عرضی دعوے میں سنی لکھا ہے حالانکہ اسلام میں کوئی مذہب اہلِ سنت والجماعت زمانۂ رسولؐ میں نہ تھا۔ مدعیان نے خلافِ واقعہ یہ لقب اپنے واسطے تجویز کیا ہے جسکا اتباع بہ نظر تہذیب شیعہ بھی کرتے ہیں۔ ورنہ عقلاً و نقلاً سنی ہونا ناممکن بلکہ محال ہے۔ جسقدر اشخاص اپنا مذہب اہلسنت والجماعت بتلاتے ہیں بالکل غلط بیان کرتے ہیں۔ یہ لوگ بنظرِ مردم فریبی و دھوکا دہی صرف کہنے کو سنی ہیں۔ مگر درحقیقت خارجی ہیں۔ امیدوار ہیں کہ پہلے یہ بات طے کرلی جائے کہ ہمارے مقابلہ پہ مدعی کون ہے۔ آیا سنی یا خارجی۔ جبکہ مذہب مدعیان مستقل طور پر قرار پا جائیگا۔ اُسوقت اصل نزاع کا جواب پیش کیا جائیگا۔

سوال عدالت از غلام معاویہ وکیل سفیان

شیعہ مدعا علیھم آپکے موکلوں کو خارجی کہتے ہیں سنی نہیں تسلیم کرتے۔ آپ عدالت کے سامنے وہ علامات بیان کریں جو کہ سنی ہونیکے لیے ضروری ہیں۔ نیز یہ بھی بتاؤ کہ آپکا مذہب اسلام میں بہ تسمیۂ اہلسنت قدیم ہے یا جدید۔ اگر آپ پر صفاتِ سنیت منطبق نہوئیں تو لفظِ اہلسنت قلمزن کرکے بجائے سنی خارجی لکھنا ہوگا۔

گزارش غلام معاویہ وکیل مدعیان

خوارج حضرتِ امیرؑ پر طرح طرح کے اعتراض وارد کرکے اُنکو ناقابلِ خلافت جانتے ہیں اُنکی ذات و اولاد سے عداوت شدید رکھتے ہیں۔ اور ہم سنی چار یاری مشہورِ عالم ہیں۔

ہر چہار خلفاء کو تساوی التعظیم جانتے ہیں۔ اور سب کا احترام برابر کرتے ہیں۔ تمام اولادِ رسولؐ وعلیؑ کو اپنا ہادی و رہنما جانتے ہیں۔ ہمارا مذہب جیسا کہ مدعا علیہم بیان کرتے ہیں فرضی وغیر واقعی نہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ پہلے ہم سب لوگ شیعہ کہلاتے تھے۔ کوئی گروہ موسوم بہ اہلسنت والجماعت نہ تھا۔ چنانچہ ہمارے مذہب کے بڑے عالم کامل جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے تحفہ کے باب اول میں لکھا ہے (باید دانست کہ شیعۂ اولیٰ کہ فرقۂ سنیہ وتفضیلیہ اند در زمان سابق بہ شیعہ ملقب بودند۔ چوں غلاۃ و روافض و زیدیہ و اسمٰعیلیہ بہ ایں لقب خود را ملقب کردند و مصدرِ قبائح و شرورِ اعتقادی و عملی گردیدند ثانیاً عن التباس الحق بالباطل (فرقۂ سنیہ وتفضیلیہ) ایں لقب را بر خود نہ پسندیدند و خود را بہ اہلسنت والجماعت ملقب کردند) یہی بات مولوی رشید الدین شاگردِ رشید شاہ صاحب مؤلف کتابِ شوکتِ عمریہ بجوابِ سیفِ ناصری مولفۂ مفتی محمد قلی صاحب لکھتے ہیں (ماییم شیعۂ اولے واحادیث کہ در فضلِ شیعہ وارداند موردِ آں ہستیم نہ روافض و ہرگاہ کہ روافض ایں نام (شیعہ) بکذب و زور بر خود نسبت دادند و در ایشاں مشہور شد ما اطلاق آں را بر خود مکروہ داشتیم و ملقب بہ سنت جماعت شدیم) پس ہم لوگ شیعہ سے سنی ہوئے ہیں۔ بہ ایں عنوان ہم شیعہ بھی ہیں اور سنی بھی۔ قدامت وجدت دونو صفات ہم کو حاصل ہیں۔ گو کہ بقولِ شاہ صاحب ورشید الدین خاں صاحب زیدیہ واسمٰعیلیہ کے وقت میں ہمارے بزرگوں نے تبدیلِ مذہب کرکے صفتِ سنیت اپنے واسطے قائم کی تھی مگر یہ خطابِ جلیل ہمکو ۴۱ھ میں مل چکا تھا۔ چنانچہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ جس سال امیر معاویہ وامام حسن علیہ السلام کے باہم مصالحہ ہوا اُس سن کا نام سالِ جماعت رکھا گیا۔ لیکن ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر کے ۹۸ صفحہ پر لکھا ہے کہ پہلے ہم معتزلہ تھے۔ اُسکو چھوڑ کر ابوالحسن اشعری کا مذہب اختیار کیا اُسوقت سنت والجماعت نام رکھا گیا۔ اس موقع پر بہ ثبوتِ کلام خود حضرتِ غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی کا ارشاد اُنکی مصنفہ کتاب غنیۃ الطالبین سے پیش کرتے ہیں غنیۃ الطالبین کا ملا عبدالحکیم صاحب نے فارسی میں ترجمہ کیا ہے اُسکا ایک جملہ

متعلق بہ سنت جماعت عرض کیا جاتا ہے (فوجیت امامتہ بعقد الحسن لہ) پس ثابت شد امامت معویہ بعقد کردن حسن با معویہ (فسمی عام الجماعۃ) پس نامیدہ شد سال آں عقد جماعت بہ ایں اعتبار) یہ لفظ سنت جماعت معاویہ کے وقت میں موضوع ہوا لہذا ہم معاویہ شاہی سُنی ہیں۔ لمؤلف اہلسنت کی قدامت وجدت میں جو ثبوت داخل کیا گیا ہے انشاء اللہ اُسکی صحت میں کسی سُنی کو انکار نہو گا۔

جرح وکیل شیعہ بر بیان غلام معاویہ وکیل سنیان

مدعیان اپنے عرضی دعوے میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے بغرض حصول عزت آخرت وسعادت دارین خاندان رسالت میں یہ رشتہ کیا تھا۔ مدعی صاحبان کا یہ بیان بلا دخل تاویل وقال و قیل ثابت کر رہا ہے کہ خلفاء واہلبیت میں کوئی درجہ مساوات نہ تھا۔ اگر برابری ہوتی تو حصول عزت کیا معنی رکھتا ہے۔ ہر نکاح کرنیوالے کو عقد سے اُسی وقت وقعت حاصل ہوسکتی ہے جبکہ کسی اونچے گھرانہ میں پیوند ہو۔ برابر کا رشتہ کبھی قابل فخر وناز نہیں ہوسکتا۔ وکیل صاحب بہ ثبوت سنیت لکھتے ہیں کہ ہم سُنی چار یاری مشہور عالم ہیں۔ چاروں خلفاء کو متساوی التعظیم سمجھتے ہیں۔ عدالت غور فرمائے کہ جس گھرانے میں رشتہ کرنا عمر صاحب ذریعہ معاد آخرت سمجھتے تھے وہ حسب بیان وکیل صاحب برابر کب متصور ہوسکتا ہے۔ رسالہ تقریر دلپذیر میں سید سجاد حسین بارھوی نے بہ دلائل عقلی وآیات قرآن واحادیث نبوی ثابت کر دیا ہے کہ ثلثہ واہلبیت نبوی میں مساوات ناممکن ومحال ہے۔ پس ایسی حیثیت کے دو شخصوں کو جن میں باعتبار مدارج مثل زمین وآسمان فرق ہو جو شخص برابر جانیگا وہ انتہا کا ناانصاف وبے ادب ہے۔ حضرت عمر بذریعہ رشتہ دامادی شرف اندوز آخرت ہونا چاہیں اور وکیل صاحب داماد واہل سسرال کو ایک درجہ کا بتلائیں۔ علاوہ بریں لفظ اہلسنت ایسے شخص کے تخت خلافت پر بیٹھنے کی یادگار ہے جو کہ خاندان نبوت کا قطعی دشمن تھا۔ سید سجاد حسین نے رسالہ اصل الحقیقت ہدیۃ الحقیقت میں چند کتب اہلسنت سے ثابت کیا ہو کہ امیر معاویہ نے حضرت امیرؑ کو گالیاں دیں اور دلائیں۔ امام حسن کو زہر کا پیالہ پلوایا۔ اُنکے مرنے پر خوشی کی تکبیریں کہیں

مدعی صاحبان امیر موصوف کو امام الصدق و خلیفۂ حق کہتے ہیں۔ چنانچہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے (والحق ثبوت الخلافۃ لمعویۃ من حینئذ و انہ بعد ذٰلک خلیفۃ حق و امام الصدق (یعنی خلافت معویہ بعد ترک حسن ثابت ہو گئی اور وہ اُس وقت سے خلیفۂ حق و امام الصدق تسلیم کیے گئے۔ شیخ عبد القادر جیلانی غنیۃ الطالبین میں لکھتے ہیں اما خلافۃ معاویۃ بن ابی سفیان فثابتۃ بعد موت علی۔ ملا عبد الحکیم صاحب نے اس عبارت کا یہ ترجمہ کیا ہے (اما خلافت معویہ پس ثابت و راست است بعد بیعتِ علیؑ) عدالت ملاحظہ فرمائے کہ جو مذہب ایسے شخص کی خلافت کے استحکام پر نامزد ہوا ہو کہ جسنے حضرت امیرؑ کو حسب اندراج صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۸ گالیاں دیں اور دلائی ہوں جسکی زہر خورانی کا ثبوت دیگر کتب اہلسنت میں موجود ہو۔ اُس فرقے کے خارجی ہونے میں کیا تامل رہا۔ عظمائے اہلسنت جبکہ ایسے دشمن خاندان نبوت کی خلافت کے معتقد ہیں تو ہر جاہل اُنکے خارجی ہونے میں تامل نہیں کر سکتا چہ جائیکہ عاقل۔ وکیل صاحب کا بیان ہے کہ خوارج حضرت امیرؑ کو قابلِ خلافت نہیں جانتے بلکہ اُنپر طعن کرتے ہیں۔ یہی ہمارا بھی مقولہ ہے۔ کہ جو شخص اہلبیتِ نبوی کو کم رتبہ لوگوں کی برابر جانے تاکہ اُنکے کردار و افعال پر معترض ہو۔ یا آنکہ اُنکی خلافت کو درجۂ رشادت سے گرائے یا کہ اہلبیتِ رسولؐ کو منبع مفاسدِ گوناگوں لکھے وہ خارجیوں کا جدِّ اعلیٰ ہے عدالت کے سامنے رسالۂ دُرِّ بے بہا و رسالۂ تقریرِ دلپذیر مؤلفہ سجاد حسین پیش کرتا ہوں۔ اگر اُنکے معائنہ سے عدالت پر ثابت ہو جائے کہ اہلسنت دعوے مساوات میں برسر راستی ہیں۔ اور حضرتِ امیرؑ سے وہی ارتباط رکھتے ہیں جو کہ خوارج کا ہے تو خارجی ہیں ورنہ نہیں۔ اِن سب معاملات سے قطع نظر کرکے گزارش کرتا ہوں کہ منجانب مدعیان ایک رسالہ شایع ہوا ہے جسکی سرخی یہ ہے (سوال از جمیع علمائے شیعہ) رسالۂ مذکور اول مولوی محمد قاسم صاحب الہ آبادی نے لکھا ازاں بعد سید ولایت حسین ضلع گیا نے اُسکا تکملہ لکھا۔ اِن عارضی سنیوں نے شیعہ سے حضرت امیرؑ کے ایماندار ہونیکا بمقابلہ خوارج ثبوت طلب کیا ہے۔ اگر ان لوگوں کو خارج سے کوئی تعلق نہیں تو اُنکے مختارہ

بنکر حضرت امیرؑ کے ایمان میں کیوں بحث کی ہے۔ امید کہ بعدِ ملاحظۂ رسائل مذکورہ مذہب مدعیان کی نوعیت قائم فرمادی جائے۔

روبکارِ عدالت

آج ہمنے غنیۃ الطالبین و صواعقِ محرقہ و صحیح مسلم جلد ۲ کے صفحہ ۲۷۸ و رسالۂ سوال از جمیع علمائے شیعہ و دُرِ بے بہا و تقریرِ دلپذیر و اصل الحقیقت بردِ الحقیقت کو از اول تا آخر معائنہ کیا معلوم ہوا کہ امیر معاویہ صاحب نے حضرت امام حسن علیہ السلام کو زہر دلایا اُنکے مرنے پر خوشی کی تکبیریں کہیں۔ حضرت امیرؑ کو گالیاں دیں اور دلائیں۔ باانہمہ اکابر اہلسنّت نے جن میں حضرت پیران پیر بھی داخل ہیں اُسکو خلیفہ برحق جانا بلکہ اُسپر ترقی یہ کی ہے کہ امام الصدق بھی اعتقاد کیا ہے۔ نیز تقریر دلپذیر و دُرِ بے بہا کے ملاحظہ سے چند باتیں ثابت ہوئیں۔ اول یہ کہ بہ مفادِ چند آیات قرآنی و احادیث نبوی خاندان نبوت ایسا ذی عزّت ہے کہ طائفۂ اسلام سے کوئی گروہ اُنکا خاکِ قدم بھی نہیں ہوسکتا۔ چہ جائیکہ دعوئے برابری۔ چنانچہ ملا جامی لکھتے ہیں بیت اہلبیت مصطفی باسائر خلقِ خدا + گرکنی ضرب المثل بحرِ محیط و شبنم اند + جو شخص ایسے دو آدمیوں کو برابر سمجھیگا جن میں فی الواقع کوئی مناسبت نہو وہ نہ اہلِ عقل میں شمار ہوسکتا ہے اور نہ عامل بہ مذہبِ صحیح سمجھا جاسکتا ہے۔ رسالۂ تقریر دلپذیر کے دیکھنے سے واضح ہوا کہ سیّد سجاد حسین بارھوی نے بہ دلائلِ عقلی و نقلی ثابت کردیا ہے کہ دنیا میں کوئی سُنّی نہیں۔ بلکہ سُنّی ہونا ناممکن و محال ہے۔ ثبوت یہ دیا گیا ہے کہ اکثر علمائے فرقۂ مدعیان نے حضرتِ امیرؑ اور اُنکی اولاد کو الفاظِ نالائق سے یاد کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ و شاہ عبد العزیز و محمد قاسم نانوتوی بانیِ مدرسۂ دیوبند مؤلفِ ہدیۃ الشیعہ و مولوی جہانگیر خان شکوہ آبادی مؤلفِ اظہار الہدے و مولوی خلیل احمد مؤلفِ ہدایات الرشید وغیرہم نے حضرتِ امیرؑ و سیّدہؑ و حسنینؑ و دیگر ائمہ علیہم السلام کو معاذ اللہ جھوٹا اور بے ایمان۔ مفسد فی الاسلام و باعثِ ضعفِ دین و ناقابلِ خلافت اور اُنکے زمانہ کو خالی از برکاتِ ربانی و رحمتِ یزدانی بیان کیا ہے۔ جو الفاظ کہ لائق ذلیلِ مدعیان کے

خوارج کے نشانات و علامات میں بیان کیے ہیں اُنسے کئی درجہ بڑھے ہوئے لفظوں میں مدعیان کے علماء نے اہلبیت کی توہین و تنقیص و مذمت کی ہے۔ اندرینصورت کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ مدعیان ازجملہ خوارج ہیں۔ نیز اِس گروہ کو اِسلام میں کوئی قدامت نہیں بقولِ شاہ عبدالعزیز صاحب اور اُن کے شاگردوں کے زیدیہ و اسمٰعیلیہ کے زمانہ میں لفظِ اہلسنّت موضوع ہوا ہے۔ جسکو بروئے حساب آنحضرتؐ سے ڈیڑھ سو برس کا فاصلہ ہوتا ہے۔ قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی و دیگر علماء و فضلاء اور اہلِ تاریخ لکھتے ہیں کہ اِس مذہب کا وجود اُسوقت ہوا جبکہ امیر معاویہ جلوہ فرمائے تختِ خلافت ہوئے بہرحال شیعہ کی قدامت اور گروہ مدعیان کی جدّت ثابت ہے۔ یہ بات قابلِ نوٹ ہے کہ سرچشمۂ لفظ سنّیت امیر معاویہ کا روزِ جلوس ہے۔ جو مذہب کہ صریح دشمنِ خاندانِ نبوّت کی تاجپوشی کے دن فہرستِ مذاہب میں درج ہوا وہ بضرور منبع خروج ہے۔ رسالۂ تقریرِ دلپذیر مؤلفۂ سید سجاد حسین بارھوی نے اسی بحث میں ترتیب دیا ہے۔ جسقدر آدمی اپنے آپ کو سنّی تبلاتے ہیں وہ حقیقۃً خارجی ہیں۔ مؤلف مذکور نے پشتِ رسالہ پر ایک نوٹس دیا ہے جسکا یہ منشا ہے کہ اگر کسی شخص نے ردِّ مضامین مندرجۂ تقریرِ دلپذیر دنیا میں وجودِ سنّیت ثابت کر دیا تو اُسکو دس ہزار روپیہ انعام رؤسائے شیعہ سے دلایا جائیگا۔ رسالۂ مذکور لاہور میں طبع ہوکر دست فرسودِ خلائق ہو چکا ہے۔ اگر گروہ مدعیان فی الواقع سنّی ہوتا تو ضرور اُسکا جواب دیا جاتا۔ باوصفِ وعدۂ انعامِ کثیر فرقۂ مدعیان کا اُسکے مقابلہ میں قلم نہ اُٹھانا عدالت کو باور کرا رہا ہے کہ وہ ثبوتِ تسنّن سے عاجز ہیں۔ اندرینصورت کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ مدعیان خارجی نہیں ہیں۔ عدالت نے بنظرِ انکشافِ حال بطورِ خود دفترِ اسلام سے بخاری شریف کو جو کہ عقیدۂ مدعیان میں بعد قرآن نہایت سندی کتاب ہے برآمد کراکے دیکھا تو معلوم ہوا کہ مؤلفِ بخاری سے صادقِ آلِ محمدؐ سے ایک روایت نقل نہیں کی۔ چند کتابیں جو کہ معروف بہ صحاحِ ستّہ ہیں معائنہ کی گئیں تو واضح ہوا کہ ۵۶ کس خارجی و ۲۲ کس مرجی راوی حدیث شمار کیے گئے ہیں۔ کتابِ تشفی خوارج و سنّی میں بطور فہرست اُنکے اسماء دکھلائے گئے ہیں۔ ازانجملہ مروان و شمر و عمر سعد و سنان ابن انس وغیرہ بھی ہیں۔ پس کوئی

شبہ کرنیکی عدالت کو گنجائش نہیں کہ مدعیان طائفہ خوارج و نواصب سے نہیں ہیں۔ لہٰذا حکم ہوا کہ عرضی دعوےٰ مدعیان کو واپس دیا جائے۔ کہ ترمیم کرکے اس طرح لکھدیں (خارجیانِ تمام جہان معروف بہ سنیان) دستخط حاکم

بیان تحریری یعنی جواب دعوےٰ شیعیان بابت اصلی استغاثہ بمقابلہ عرفی سنیان واصلی خارجیان۔

جنابِ عالی

جواباً عرض کیا جاتا ہے کہ دعوےٰ مدعیان محض کذب وافترا و بے بنیاد ہے۔ ہرگز ہرگز اُمِ کلثوم کا عقد حضرتِ عمر سے نہیں ہوا۔ کیونکہ خاندانِ نبوّت و خلفائے ثلثہ وخصوص جنابِ عمر میں بہت بڑا اختلاف تھا۔ بلکہ حضرتِ عمر سے خاص نوع کے صدماتِ موذی وجانکاہ جنابِ سیدہ علیہا السّلام کو پہنچے تھے۔ جس سے دنیا بھی ایسے رشتہ کا واقع ہونا قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ دنیا کی ہر ایک قوم میں خاندان و کفو کا لحاظ کیا جاتا ہے اسی وجہ سے حضرتِ امیر کی جتنی بیٹیاں تھیں وہ اپنے ہی خاندان میں بیاہی گئیں۔ حضرتِ عمر نہ اُنکے قبیلہ سے تھے۔ نہ کوئی خاندانی شرف رکھتے تھے۔ بلکہ رذالتِ نسب کے ساتھ عرب میں معروف تھے۔ رسولِ مقبول کو بھی اُنکی طہارتِ نسبی سے انکار تھا۔ بہ قولِ مدعیان حضرتِ عمر نے یہ عقد بڑھاپے میں کیا تھا جبکہ اُنکی عمر ساٹھ برس کی تھی۔ اُسوقت حضرتِ اُمِ کلثوم عاقلہ و بالغہ تھیں۔ نہ کہ پنج سالہ۔ راویانِ مذہب مدعیان نے اس عقد کا واقع ہونا بہ جبر عمر و نارضامندی علیؑ ظاہر کیا ہے۔ طیب خاطر و خواہش طبیعت کا مطلق پتہ نہیں۔ نیز یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ خلیفہ صاحب میں بر وقت خطبہ مادہ رجو. نہ تھا۔ زمرۂ مایوسین میں تھے۔ محض بغرضِ حصولِ عزتِ آخرت بلا تحریکِ طبیعت عقد کیا تھا چونکہ مدعیان کو بجوشِ خروج مادّہ حضرتِ امیرؑ سے عداوت اور حضرتِ عمر سے محبت ہے لہٰذا خاندانِ نبوّت کی اہانت و بیوقاری مدنظر کرکے یہ افترا کیا گیا ہے اور اس نکاح کے متعلق سخت آبرو شکن الفاظ درِ کتب ہوئے ہیں۔ مدعیان مدام اُن ذرائع کے پیدا کرنے میں کوشاں رہتے ہیں جن سے خاندانِ نبوّت کی اہانت لازم آجائے۔ اہلبیت

دعوے واہی و بے سر و پا کی یہ ہے کہ خلیفہ صاحب کی تین چار بیبیوں کا نام اُمِّ کلثوم تھا۔ اُن میں سے ایک زوجہ کے شکم سے زید پیدا ہوا جسنے اپنی والدہ کے ساتھ وفات پائی۔ عبداللہ ابن عمر نے اُسکے جنازے کی نماز پڑھائی تھی۔ حضرتِ امام حسینؑ کا نمازِ میت پڑھانا جو بیان کیا گیا ہے یہ بالکل غلط ہے۔ اُمِّ کلثوم بنتِ ابوبکر سے جو کہ نابالغ تھیں عمر صاحب نے نکاح کرنا چاہا تھا۔ مگر بکوشش حضرتِ عائشہ و حضرتِ امیرؑ نہوا۔ راویانِ مدعیان نے بوجہ اتحادِ نامِ دخترِ ابوبکر و دیگر ازواجِ عمر واقعاتِ عقد و چالیس ہزار دِرہِم مہر و ولادتِ زید کو اُمِّ کلثوم دخترِ علیؑ کے ساتھ باین غرض چسپان کر دیا کہ خاندانِ نبوّت و حضرتِ عمر کی ناچاقی پر پردہ پڑ جائے۔ اور یہ عقد ثبوتِ اتحاد میں ایک کافی دلیل سمجھی جائے۔ تعدادِ مہر جو ظاہر کی گئی ہے۔ وہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اتنا کثیر مہر سنّتِ نبوی و رواجِ خاندانِ رسالت کے خلاف تھا۔ نیز حضرتِ عمر کو بجائے خود کوشش تھی کہ مہر عورتوں کا سنگین نہو۔ اور اگر کوئی عورت اپنا مہر گراں مقرر کرائے تو زائد از سنّتِ نبوی بیت المال میں داخل کرا دیا جائے۔ علاوہ بریں نظر بہ حالاتِ ظاہری حضرتِ عمر کو اسقدر قوتِ مالی بھی حاصل نہ تھی کہ اتنی بڑی رقم اپنے کیسہ سے ادا کرتے۔ کوئی شریف آدمی انکے ساتھ رشتہ مندی کو گوارا نہ کرتا تھا۔ کیونکہ حضرت دوم عورات سے بطرز معکوس پیش آتے تھے۔ اسی واسطے عوراتِ مدینہ خائف ہوکر اُنکے ساتھ نکاح کرنا مکروہ جانتی تھیں۔ اُمِّ کلثوم مثل دیگر بناتِ علیؑ اپنے ہی خاندان میں بیاہی گئیں۔ اور بعد شہادتِ امام حسین علیہ السلام اُنھوں نے قضا کی۔ بعہد امیر معاویہ اُنکا وفات پانا غلط بیان کیا گیا ہے۔ انہی وجوہ سے ہمارے علمائے قدیم کو جو کہ قریب العہد ائمہ تھے اِس واقعہ بے سر و پا سے انکار رہا ہے۔ بعض علمائے متاخرین کی تسلیم جو بیان کی گئی ہے وہ الزاماً علی الخصم واقعہ عقد کو فرض کر کے کی گئی تھی۔ نہ یہ کہ اُسکو مان لیا گیا ہے امیدوار ہیں کہ بعد تحقیقاتِ کامل مقدمہ نمبر سے خارج کیا جائے۔ زیادہ حد ادب

حکم عدالت

بعد پیشی جواب دعوے عدالت کے نزدیک اِس مقدمہ میں اموراتِ ذیل قابلِ تنقیح

معلوم ہوئے۔ اُنکو برآمد کرکے وکلائے فریقین کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اپنا اپنا ثبوت پیش کریں۔

فردِ اموراتِ تصفیہ طلب

(۱) خلفائے ثلثہ و خاندانِ نبوّت میں محبّت تھی یا مخالفت۔ اور بصورتِ مخالفت سیّدہ کو حضرتِ عمر سے کوئی موذی و جاں شکن صدمہ پہنچا تھا یا نہیں؟

(۲) اُمِّ کلثوم نابالغہ دخترِ حضرتِ ابوبکر سے جنابِ عمر نے عقد کرنا چاہا تھا یا نہیں؟

(۳) اہلِ عرب یا دیگر اقوام میں کفارت پر نظر ہوتی ہے یا کیا؟

(۴) حضرتِ عمر کا نسب کیسا تھا۔ اور جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ کا اُن کے نسب کی نسبت کیا خیال تھا؟

(۵) زنِ مومنہ سے اُس کے منافق یا کافر شوہر کو کوئی ایمانی مدد مل سکتی ہے یا مردِ ایماندار زوجۂ منافقہ یا کافرہ کو کوئی اخروی فائدہ پہنچا سکتا ہے؟

(۶) اگر عمر صاحب نے بعدم خواہش نسوان و فقدانِ مادۂ رجولیت عقد کیا تھا تو ایسی صورت میں اُنسے اولاد کا ہونا ممکن ہے؟

(۷) اگر حضرتِ عمر نے دخترِ پنج سالہ سے صرف بغرضِ حصول مفادِ آخرت نکاح کیا تھا نہ کہ بمرادِ دیگر تو اِس صورت میں اُن پر زوالِ حق النّاس کا جرم عائد ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(۸) اِس عقد کے متعلق وہ کیا روایات کتبِ مدعیان میں وارد ہوئی ہیں جنسے توہینِ اہلبیت لازم آتی ہے۔ اور سوائے تذکرۂ عقد دیگر مواقع پر بھی اہانتِ خاندانِ رسالت کی گئی۔

(۹) عمر صاحب نے یہ عقد کس عمر میں کیا۔ اور بعدِ عقد کتنے دنوں زندہ رہے۔ اور اُمِّ کلثوم دخترِ علیؑ کی بوقتِ نکاح کیا عمر تھی۔ اور بمقتضائے سنیت فریقین دو اولاد کا ہونا ممکن ہے یا محال؟

(۱۰) خلیفۂ دوم کی کتنی بی بیاں مسمّاۃ بہ اُمِّ کلثوم تھیں۔ اور زید کس بی بی سے پیدا ہوا۔

دخترِ علیؑ یا کسی اور اُمِ کلثوم سے ؟

(۱۱) حسب روایاتِ مرویۂ طریقِ مدعیان امِ کلثوم کا عقد حضرتِ امیرؑ نے بہ جبر و کراہت کیا یا کہ بطیبِ خاطر و خوشدلی و جوشِ محبت سے ؟

(۱۲) اگر فی الواقع خاندانِ نبوت و عمر صاحب میں اختلاف تھا اور عقد بلا رضامندی حضرتِ امیرؑ ہوا تو ایسا نکاح جناب عمر کو کوئی دینی فائدہ دے سکتا ہے اور وہ مستحق اسکے ہیں کہ بر بنائے عقد عدالت سے سارٹیفکٹ ایمانداری لے سکیں ؟

(۱۳) خاندانِ رسولؐ میں دینِ مہر کا کیا دستور تھا ؟

(۱۴) عمر صاحب کی کوشش مہر کی زیادتی پر تھی یا کہ کمی پر ؟

(۱۵) بہ اعتبارِ قوتِ مالی عمر صاحب چالیس ہزار دینِ مہر کے ادا کر دینے پر قادر تھے یا نہیں ؟

(۱۶) اُمِ کلثوم کی شادی اگر خلیفۂ دوم سے نہ ہوئی تھی تو پھر کس سے ہوئی ؟

(۱۷) اُمِ کلثوم نے بعدِ امیر معاویہ وفات پائی یا کہ بعدِ واقعۂ کربلا ؟

(۱۸) کیا عمر صاحب اپنی ازواج سے فی الواقع غیر معمولی عمل کرتے تھے اور بایں وجہ عورات اُن سے گھبراتی تھیں ؟

(۱۹) متاخرینِ شیعہ کا جواب بغرضِ تسلیم ہے یا کہ واقعی ؟

تنقیحِ اوّل

خلفاءِ ثلٰثہ و خاندانِ نبوت میں محبت تھی یا مخالفت اور بصورتِ مخالفت سیدہ علیہا السلام کو حضرتِ عمر سے کوئی موذی و جاں شکن صدمہ پہنچا تھا یا نہیں ؟

تقریر غلام معاویہ وکیل مدعیان

میں بہ ثبوت اتحادِ اہلبیتؑ و خلفاء صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حضرتِ علیؑ نے بعدِ انتقال سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ و آلہ نہایت رغبت و مسرت سے خلیفۂ اوّل کی بیعت کی اور اُنکی خلافت کو لازم الاطاعت سمجھ کر مدام اُس کے استحکام میں کوشاں رہے ہمیشہ عند المشورہ اُنکو اچھی راے دی۔ خطبہ للہ بلاد فلان مندرجہ نہج البلاغہ سے خلیفۂ اول

کی تعریف کی امام محمد باقر صاحب نے حسب تسلیم صاحب کشف الغمہ حضرت خلیفہ اول کو صدیق فرمایا۔ اہلبیت و خلفاء میں کبھی کوئی جنگی کارروائی نہیں ہوئی۔ باہم مثل شیر و شکر ملے جلے رہے۔ سیدہ شیخین سے خوشنود و رضامند جنت کو سدھاریں۔ عدالت توجہ فرمائے کہ ایسے معاملات عداوت سے ہوتے ہیں یا کہ محبت سے۔ ثبوت میں نہج البلاغہ و کشف الغمہ پیش کرتا ہوں۔

تقریر نثار حسین وکیل مدعا علیہم

میرے ذی علم ہمنشین نے جو گہر ریزی فرمائی ہے اسکی نسبت با احتیاط لفظوں میں اتنا عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ حضرت کو خود تو کتب مباحثہ کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا کچے پکے موکلوں سے سن سنا کر محنتانہ حلال کرنا چاہا ہے۔ اگر باوقار وکیل مباحث مذہب سے کچھ بھی خبردار ہوتے اور کتب مناظرہ دیکھی ہوتیں تو اس بیباکی سے عدالت کی سمع خراشی نہ کرتے۔ میں بہت ادب کے ساتھ صاحب فہم وکیل کے ہر ہر فقرہ کا جواب عرض کرتا ہوں۔

فقرہ اول۔ حضرت امیر علیہ السلام نے خلیفۂ اول کی بیعت کی۔

فقرہ دوم۔ حضرت امیر علیہ السلام خلفاء کو نیک مشورہ دیتے رہے۔

فقرہ سوم۔ حضرت امیرؑ نے کبھی خلفاء ثلثہ سے جنگی کارروائی نہ کی۔

ہر سہ فقرات کا رسالہ مشعل ہدایت معروف بجواب رامپوری میں بہت شرح کے ساتھ تفصیلی جواب دیا گیا ہے۔ اصل رسالہ پیش کرتا ہوں۔

فقرہ چہارم متعلق بہ خطبۂ للہ بلاد فلاں مندرجۂ نہج البلاغہ۔

فقرہ پنجم متعلق بہ کشف الغمہ جس میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا خلیفۂ اول کو صدیق کہنا لکھا ہے۔

دونوں فقروں کا جواب رسالہ سجادیہ مطبوعہ مطبع یوسفی دہلی میں بوضاحت تمام تر دیا گیا

فقرہ ششم۔ جناب سیدہ شیخین سے راضی و خوشنود جنت کو سدھاریں۔

البتہ اگر کتب اہلسنت سے ثابت ہوگیا کہ جناب سیدہ علیہا السلام حضرت عمر سے تاحیات

رضامند رہیں اور بکمال رضامندی اُن سے اپنی زندگی میں متحدانہ برتاؤ رکھا تو مجھکو تسلیم کر لینے میں عذر نہو گا۔ چند واقعات مثبت عداوت سیدہؑ و حضرت عمر پیش کرتا ہوں اُنکو عدالت غور سے ملاحظہ فرماکر نتیجہ برآمد کر لیوے۔ بفورِ وفاتِ سرورِ کونین جو مخالفانہ معاملات اہلبیتؑ نبوی و خلفاء میں وقوع پذیر ہوئے وہ قدیم الایّام سے زیرِ بحث چلے آتے ہیں۔ اور بڑی بڑی کتابیں جانبین سے لکھی گئی ہیں۔ اِسوقت عدالت کے سامنے مختصر طور پر واقعات عرض کرتا ہوں۔ جناب رسولؐ خدا نے بحکم خدا ایک علاقہ مسمیٰ بہ فدک بہ متابعتِ آیۂ وافی ہدایہ (وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ) حسب تسلیم مدعیان جناب سیدہؑ کو ہبہ کیا تھا کہ جسکی آمدنی بقولِ اہلسنت مندرجۂ تشئید المطاعن دو لاکھ روپیہ سالانہ تھی۔ حضرتِ ابوبکر و عمر نے بعد وفاتِ آنحضرتؐ علّانُ کا رندگانِ معصومہ کو بیدخل کر کے اُسکو داخلِ خالصہ کر لیا۔ سیدہؑ نے اُنہی کے محکمہ میں دوبارہ ایانے مداخلتِ بیجا کا دعوےٰ دائر کیا۔ بدیں بیشی مقدمہ حضرتِ علیؑ و اُمِّ ایمنؓ و حسنینؑ و اُمِّ کلثومؑ وغیرہ نے وقوعِ ہبہ پر گواہی دی۔ خلیفۂ اوّل نے عاجز و لاجواب ہو کر واگزاشتِ فدک پر ایک وثیقہ لکھدیا۔ جسکو زبردستی چھین کر حضرت عمر نے بصد بیدردی چاک کر ڈالا اور خلیفۂ اوّل کو سمجھایا کہ عرب برسرِ فساد ہیں۔ روپیہ کی سپاہ کے لیے ازحد ضرورت ہے ایسے وقت میں اتنی بڑی آمدنی کا قبضہ سے نکالدینا خلافِ مصلحت ہے۔ وہ بزرگ مسندِ خلافت پر ان کے بٹھائے ہوئے تھے۔ چوں نہ کر سکے۔ بالآخر اخراجِ دعوےٰ کے لیے یہ قانونی حجت نکالی کہ شہادت حسبِ ضابطۂ شریعت واقع نہیں ہوئی۔ ازاں بعد سیدہؑ بذریعۂ وراثت دعویدار ہوئیں کہ ہرگاہ ہبہ بعذرِ عدمِ تکمیلِ شہادت ناقابلِ سماعت تجویز ہوا۔ اور فدک میرے باپ کا مال قرار پایا تو میں اُنکی وارثہ ہوں۔ اور بوجہ تنہا وارث ہونیکے واحد مالک ہوں۔ سیدہ بجائے خود سمجھتی تھیں کہ دعوےٰ ارث چونکہ بروئے قانونِ قدرت دائر کیا گیا ہے کسی طرح باطل نہو گا۔ مگر حاکم کی زبان قانون ہوتی ہے۔ اُنھوں نے فوراً جواب دیدیا کہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ویسے ہی لاوارث مرجاتے ہیں۔ جو کچھ کہ اُنکا متروکہ ہوتا ہے وہ مقلّدوں پر حلال ہے اور اولاد پر حرام۔

سیّد المرسلینؐ مجھ سے تنہائی میں فرما گئے تھے کہ ہم سب نبیوں کی وراثت ورثہ سے سلب کی گئی ہے۔ حضرتِ امیرؑ نے دربابِ وجود وراثت انبیاء قرآن سے احتجاج کر کے ثابت کر دیا کہ ورثۂ انبیائے سابقین نے اپنے مورثوں سے سوائے وراثتِ مالی متروکات ارضی وغیرہا پر بھی قبضہ پایا ہے۔ حکومت کے ساتھ قرآنِ بے زبان کی کون سُنتا تھا۔ وہ دعوےٰ بھی خارج کیا گیا۔ اِس حکم سے جو کہ محض خلافِ قانونِ الٰہی تھا معصومہ کو ایسا صدمہ و ملال ہوا کہ غضبناک ہوکر ابوبکر صاحب سے ترکِ کلام کر دیا۔ مزید برآں حضرتِ امیرؑ سے بوقتِ رحلت وصیّت کی کہ ابوبکر میرے جنازہ پر نہ آئے۔ چنانچہ شب کو دفن کی گئیں۔ اور شیخین کو حضرت علیؑ نے حسبِ وصیتِ سیدہؑ حضوری جنازہ کی تکلیف نہ دی۔ جیسا کہ علماء و صلحاء و اہلِ اسلام کو عموماً دیجاتی ہے۔ فاطمہؑ کو یہ تھوڑا صدمہ نہ تھا کہ معاملۂ ہبہ میں اُنکے معزز گواہوں کو بے اعتبار سمجھا گیا۔ علیؑ کو شوہر اور حسنینؑ کو اولاد سمجھ کر گواہی کو خود غرضی پر محمول کیا گیا۔ اُسپر ترقی یہ کی کہ اُنکا گھر پھونک دینے کے لیے کونسل نے ایکٹ پاس کر دیا۔ حضرتِ عمر ایسے نازک وقت میں جبکہ فاطمہ علیہا السلام فرشِ ماتم پر بیٹھی ہوئی بلبلاہٹ سے اپنے باپ کو رو رہی تھیں۔ آگ اور لکڑیاں لیکر اُن کے مکان پر چڑھ گئے۔ اور چیخے چلّائے کہ اس گھر کو جلا دو۔ جنابِ معظمہ نے فرمایا کہ اے نانا صاحب جس گھر کے جلانیکا آپ حکم فرماتے ہیں اس میں حسنینؑ ہیں۔ فرمایا کہ کچھ پروا نہیں مع حسنینؑ کے آگ لگا کر خاکِ سیاہ کر ڈالو۔ علمائے مدعیان سے ایک مستند عالم مولوی عبدالعزیز صاحب نے تحفہ کے باب دہم میں انکار کیا ہے کہ فاطمہؑ نے بروئے ہبہ نہ دعوےٰ کیا اور نہ علیؑ و حسنینؑ نے وقوع ہبہ پر گواہی دی اسی طرح وراثت پر بھی کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ صرف اتنا ہوا تھا کہ غلط فہمی سے دعوےٰ کر بیٹھی تھیں۔ مگر جب خلیفۂ اوّل سے حدیث لانورث سُنی تو نادم ہوئیں کہ میں نے خلافِ شرع کیوں ایسا مقدمہ دائر کیا۔ جسکا نتیجہ پشیمانی ہوا۔ مولوی خلیل احمد صاحب نے ہدایات الرشید میں ندامتِ سیدہؑ کو بالفاظ واضح تحریر فرمایا ہے۔ علیٰ ہذا ورباب آتش زنی شاہ صاحب نے لکھا ہے۔ کہ عمر صرف دھمکانے اور ڈرانے گئے تھے آگ لگانا

مقصود نہ تھا۔ اور اس دھمکی کی وجہ یہ تھی کہ بد معاشان مدینہ مثل طلحہ و زبیر وغیرہ
سیدہؑ کے گھر میں جمع ہو کر مشورہ کیا کرتے تھے کہ ابوبکر سے خلافت چھین لی جائے۔
ہمارے علمائے کرام سے اکثر علماء اور بالخصوص صاحب تشئید المطاعن نے بحوالۂ
کتب مدعیان ثابت کر دیا ہے کہ جملہ معاملات نزاعی بہت شد و مد کے ساتھ واقع
ہو چکے ہیں۔ چنانچہ دعوئے ہبہ اور شہادت حضرت امیر وغیرہ کو ٢٥ کتابوں سے بہ نقل
عبارات دکھایا ہے اور واقعۂ جانکاہ و ہوش ربا کے اہل اسلام قضیہ آتش زنی کو ١٦
کتابوں سے حوالۂ قلم کیا ہے۔ انتہٰی نوے برس کا زمانہ ہوا کہ تشئید المطاعن برد
تحفہ لکھی گئی ہے۔ مگر آج تک علمائے مدعیان سے ممکن نہ ہو سکا کہ خلفاء کی ذوات
عالیات سے اُن الزامات خونریز محبت و اتحاد کو اُٹھا دیں۔ مدعیوں کا قاعدہ ہے
کہ ہماری اُن کتابوں کا جواب نہیں دیتے جو کہ اُنکی کتب کے جواب میں لکھی گئی
ہیں۔ حالانکہ اُنپر قانوناً فرض ہے کہ اپنی کتابوں کے رد کو دیکھیں اور اُسکا جواب
الجواب لکھیں۔ یا ہماری تحریر کو لاجواب سمجھ کر مذہب شیعہ اختیار کریں۔ میں انصاف
عدالت کی قسم کھا کر عرض کرتا ہوں کہ ابتدائے مناظرہ سے الی الآن کوئی کتاب اہلسنت
ایسی نہیں ہے کہ جسکا جواب ہم نے بمقابلہ اصل کتاب نہ لکھا ہو۔ یا آنکہ اُس کے
مطالب کو کسی دوسری کتاب میں رد نہ کیا ہو۔ چنانچہ مولوی خلیل احمد صاحب ہدایات الرشید
کے شروع میں صفحہ ٣ پر لکھتے ہیں کہ کوئی مسئلہ سنی و شیعہ کی بحث کا ایسا نہیں ہے
جس میں فریقین نے خوب چھان بین کر کے تحقیقات کو درجۂ کمال پر نہ پہنچایا ہو۔ یہ عبارت
بزبان حالی گویا ہے کہ سُنی و شیعہ کی بحث کے تمام مراتب طے شدہ ہیں۔ اسی طرح
اس عقد کے متعلق چند رسائل ہیں۔ مدعی صاحبان سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ہمارے
جوابوں کو جو کہ اُنکے سوالات پر ترتیب پذیر ہوئے ہیں باطل فرمائیں خلاف آداب
مناظرہ اُنہی مضامین مردودہ کو نہ یکبار و دوبار بلکہ بارہا پیش کرتے رہتے ہیں کوئی
نئی بحث نہیں کرتے۔ وہی پرانے راگ گائے جاتے ہیں جنکا تال سُر ہم پہلے بگاڑ چکے
ہیں۔ اوّل ہندوستان میں بمقابلۂ شیعہ تحفہ لکھا گیا۔ عند السنیہ وہ ایسی جلیل القدر

کتاب ہے کہ شاید دو مثری ہو۔ کوئی بات مفید اہلسنت ایسی نہیں ہے جو صاحب
تحفہ نے چھوڑی ہو۔ ہمارے علمار نے اُسکے جواب میں ۹۵ جلدیں لکھ ڈالیں۔
منتہی الکلام مولوی حیدر علی صاحب فیض آبادی نے لکھی۔ اُسکا جواب بھی تین جلدوں
میں لکھدیا۔ جناب نواب مولوی مہدی علی خاں صاحب بہادر محسن الملک نے آیات بینات
لکھی۔ تین جلدیں اُنکی بھی نذر کی گئیں۔ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ
دیوبند شریف نے ہدیۃ الشیعہ لکھی۔ تحفۃ الاشعریہ سے اُنکی بھی تعمیل ارشاد کی گئی۔ الہ آباد
میں ارا کین ندوۃ العلماء نے کمیٹی کرکے ایک مضمون بطرز جدید اپنے چچازاد بھائی خوارج
کی طرف سے نکالا۔ پانچ چھ رسائل سے اسکا بھی زور گھٹایا گیا۔ قاضی احتشام الدین
مرادآبادی نے نصیحۃ الشیعہ لکھ کر احادیث کافی ومن لایحضرہ الفقیہ وغیرہ پر نکتہ چینی
کرکے کتب شیعہ کا وقار گھٹانا چاہا۔ رسالہ روشنی سے اُنکو بھی روشن دماغ بنا لیا
گیا۔ مولوی احمد حسن رسوا نے بجنور میں الحقیقت لکھی۔ سجاد حسین بارھوی نے اصل الحقیقت
برد الحقیقت سے اُنکی گرم بازاری بھی ٹھنڈی کی۔ مولوی محمد رحیم اللہ بجنوری
نے ابطال اصول شیعہ بدلائل عقلیہ لکھی۔ اُسکا جواب مسمّٰے بہ احقاق الحق ایسا لکھا
گیا کہ ماشاء اللہ۔ مگر ممکن نہوا کہ کوئی صاحب مطلق بھی کان ہلائیں۔ ایک اشتہار
مسمّٰے بہ آئینۂ حق نما ہمنے نکالا اور قریب قریب اکثر امورات نزاعی کو اُس میں درج
کرکے مجیب کے لیے مبلغ پچیس ہزار روپیہ کا انعام مشتہر کیا مگر سب سو گئے۔ ایک رسالہ
مسمّٰے بہ تصویر غالب و مغلوب نکالا۔ میر مہدی حسین صاحب رئیس گکروولی واقع سادات
بارہہ ضلع مظفر نگر نے اُسپر اعلان کیا کہ اگر کوئی سُنی شیعہ کا برد مضامین التصویر غالب و مغلوب
مغلوب ہونا ثابت کردیگا تو ہم پچیس ہزار روپیہ انعام دینگے۔ ہزاروں لاکھوں کروڑوں
سُنیوں سے ایک نے بھی دم نہ مارا۔ میں شکایۃً نہیں کہتا بلکہ حکایۃً عرض کرتا ہوں
کہ یہ حضرات سُنیہ ہمکو بہت تنگ کرتے رہتے ہیں۔ ایک ایک بات کے متعدد جواب
پا چکے ہیں۔ مگر نہیں مانتے۔ وہی تحفہ اور منتہی الکلام کے مضامین پارینہ تازہ تازہ
عبارتوں میں لکھ لکھ کر طالب جواب ہوتے ہیں۔ آج وہ زمانہ ہے کہ سُنی و شیعہ اتفاق

کرکے مخالفانِ اسلام کے حملوں کو رد کریں۔ دینِ محمدی کا اقتدار بہ نظر کفار جاتیں مگر انکو سوائے اس رونیکے کہ ابوبکر و عمر نبیؐ کو جہادوں میں چھوڑکر نہیں بھاگے۔ دوات و قلم کے قصہ میں آنحضرتؐ کو بیہودہ گو نہیں کہا۔ فاطمہؓ سے نہ فدک لیا اور نہ آگ لیکر گھر پر گئے اور کوئی دین و دنیا کا کام ہی نہیں۔ آج خلفائے ثلثہ زمین عرب یا دیگر ممالک میں فرمانروا نہیں۔ اُن سے دنیا و دین میں کسی فائدہ کی امید نہیں۔ خواہ مخواہ ایسے ناکارآمد لوگوں کی طرف داری میں تضیعِ اوقات کرکے خود بھی خراب ہوتے ہیں اور ہمارا وقت بھی خراب کرتے ہیں۔ ہمیشہ عدالت میں عرضیاں لیے کھڑے رہتے ہیں کہ شیعہ نے ہمارے خلفاء کو یہ کہا اور وہ کہا۔ ہم نرم طبیعت ہیں ایسی باتوں کے سننے سے ہمارا اُتنا سا دل دُکھتا ہے۔ اہلسنت میں اکثر دُھنے جلاہے نائی۔ دھوبی۔ تیلی۔ تنبولی۔ کنجڑے۔ قصائی۔ بھٹیارے۔ بنجارے۔ سپیرے وغیرہا ارازلِ اسلام داخل ہیں۔ اُن غریبوں سے چندہ لیکر عدالتوں میں جھگڑتے رہتے ہیں۔ اِسی مقدمۂ عقد کو چند بار پیش کرکے جواب پاچکے ہیں۔ مگر نہیں مانتے۔ وہی مرغے کی ایک ٹانگ کہے جاتے ہیں۔ نظر بہ واقعات صدر کون ایسا عقل کا دشمن ہے جو خلفاء و اہلبیتؑ کو یک جان و دو قالب بتا کر اس بات کا قائل ہوسکے کہ اُن میں بربنائے محبت رشتہ ناتا ہوا تھا۔ سیدہؑ بعدِ وفاتِ سرورِ کائنات چھٹہتر روز اور بقولے چھ ماہ زندہ رہیں۔ اور حسبِ اندراجِ کتبِ سُنیہ محولہٗ اشتہار آئینہ حق نما حضرت عمر کی ضربِ مشت و لگد سے بدجانی صدمہ اُٹھاکر وفات پائی۔ تو عقل کب مجوز ہوسکتی ہے کہ ایسی بی بی کی پارۂ جگر کو حضرتِ علیؑ نے اُس سفاک کی زوجہ بنادیا جو کہ اُنکی والدہ کا قاتل اور راذیت رساں تھا۔ مرد و عورت میں اتحاد کا ہونا ضروری مانا گیا ہے۔ اگر یہ عقد ہوا بھی ہو تو کیا اُمِّ کلثومؑ نے ضبطی فدک و شقِ سند و خانہ سوزی و حنفط محسنؑ و ناراضی سیدہؑ سب باتوں کو دل سے بھلا کر عمر صاحب سے ایسا ہی اتحاد رکھا ہوگا کہ جیسا عام اور معمولی طور پر زن و شوہر میں ہوا کرتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ گھر کی بات سے گھر والے خوب واقف ہوا کرتے ہیں۔ اس وقت دنیا میں اولادِ اہلبیت

سے سادات ہیں۔ اگر عمر کا عقد خاندانِ نبوت میں ہوا ہوتا تو وہ لوگ ضرور اس بات سے واقف ہوتے۔ اور دامادِ علیؑ کو گو وہ کیسا ہی بُرا کیوں نہوتا ہرگز نا سزا نہ کہتے۔ میں دیکھتا ہوں کہ طبقۂ سادات کو جسقدر شکایت حضرت عمر کی ہے اُتنی اور کسی کی نہیں۔ چونکہ مقدمہ ہذا میں عمر کو موالیانِ آلِ رسولؐ کا لقب دیکر بر بنائے عقد سارٹیفکیٹ ایمانداری مانگا گیا ہے لہذا میں امید کرتا ہوں کہ عدالت ضرور اس طرف توجہ فرمائیگی کہ جب خاندانِ نبوت و خلفاء میں اسقدر ملال بڑھا ہوا تھا کہ مرنا جینا چھوٹ گیا تھا تو عروسی و دامادی کجا۔ میں نے اپنی تقریر میں جہاں جہاں جس جس کتاب کا نام لیا ہے وہ سب کتابیں چھپکر چونکہ شایع ہو چکی ہیں لہذا ایک ایک جلد پیش کرتا ہوں۔ بعدِ معائنہ مضامینِ محولہ شاملِ مثل ہوں یہ

سوالِ عدالت از غلام معاویہ وکیل مدعیان

کتب پیش کردہ وکیل مدعاعلیہم کے معائنہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ تمام کتابیں تمہارے فرقہ کے معزز علماء کی ہیں۔ اور جو جو باتیں وکیل شیعہ نے بیان کی ہیں وہ سب بے کم و کاست بعبارات واضحہ درج ہیں۔ آپ کا فرض تھا کہ حوالہ جات مدعاعلیہم کو اپنی کتابوں میں دیکھکر اُنکا کوئی معقول جواب دیتے۔ یا قیدِ تسنن سے چھوٹ کر مذہب شیعہ قبول کرتے۔ یہ کیا کہ ایک طرف سے اشتہارات کوچہ بکوچہ منظر گاہوں پر آویزاں ہو رہے ہیں۔ ہر قسم کی غیرت دلائی جاتی ہے۔ انواع و اقسام کی تشنیعات کی جاتی ہیں۔ مگر تمہارے کان پر جوں نہیں چلتی۔ پہلے عدالت کو یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ کسی امر غیر فیصل شدہ کا انفصال چاہا گیا ہے۔ مگر اب وکیل مدعاعلیہم کے بیان اور اُن کے ثبوت کا معائنہ کرنے سے واضح ہوا کہ یہ کوئی جدید معاملہ نہیں بلکہ مدت سے زیرِ بحث چلا آتا ہے۔ اور ہر امر نزاعی کو مدعاعلیہم نے تمہاری کتابوں سے ثابت کر کے تمکو ساکت و لاجواب کر دیا ہے۔ آپنے باوصف قانون پیشہ ہونیکے عدالت کو دھوکہ دیا اور اتنا وقت فضول ضایع کرایا۔ جبکہ تمہاری یہ حالت ہے تو سندِ وکالت کیوں نہ ضبط کر لی جائے۔

جوابِ غلام معاویہ وکیل مدعیان

یہ بات سچ ہے کہ ہماری جانب سے آج تک اُن کتابوں کا جو کہ ہماری کتب کی رد میں لکھی گئی

ہیں جواب نہیں دیا گیا۔ علماء بجائے خود غور و فکر کر رہے ہیں کہ کوئی جواب پیش کریں۔ اکثر جگہ کمیٹیاں قائم ہوئیں اور درباب جواب بہی مشورہ کیا گیا۔ مگر کوئی رائے صحیح قائم نہیں ہوئی۔ قاضی احتشام الدین مرادآبادی نے نصیحۃ الشیعہ کے پہلے پرچہ میں تحریر فرمایا تھا کہ ہم تحفہ و منتہی الکلام کا جواب ضرور لکھینگے۔ مگر افسوس ہے کہ وہ تمام سواد لیکر قبر میں چلے گئے۔ ابھی میعادِ جواب نہیں گزری جاتی۔ قیامت دور ہے۔ اگر ختمِ دنیا تک ہماری جانب سے کوئی ندا نہ آئی تو اعتراض کیا جاسکتا ہے۔

رائے عدالت

اِس مقدمہ میں سب سے بالاتر بلکہ نفسِ معاملہ یہی واقعہ تحقیقات طلب تھا کہ خلفاءؓ و اہلبیتؑ میں محبت کس درجہ پر تھی۔ ثبوت پیش کردۂ مدعا علیہم سے ہویدا ہے کہ ہردو گروہ میں اس درجہ ضد و اختلاف تھا کہ پایاں نہیں۔ خلفاء بمقابلۂ اہلبیتِ نبوی بے ادبی کرتے تھے اور اُنکے حقوق تلف کرنے اور احترام کے گھٹانے میں ساعی رہتے تھے۔ علیٰ ہذا حضرتِ امیرؑ اُنکو باایمان اور رہروِ مسلکِ اسلام نہ جانتے تھے۔ بلکہ بقولِ حضرت عمر مندرجہ صحیح مسلم حضرتِ عمر کو کاذب و غادر و ظالم وغیرہ سمجھتے تھے مدعیان پر لازم تھا کہ پہلے اُن مضامین کو بالکل رد کر دیتے جو کہ مدعا علیہم نے اُنکی کتب سے بہ ثبوتِ مخالفت پیش کیے ہیں۔ اتحاد و موالات اصلِ اصول ہے۔ اور عقد اِسکی فرع جب تک کہ جڑ قائم نہو پھول پتے کیونکر نکل سکتے ہیں۔ وکیلِ مدعی کو بوجہ پیرانہ سالی و نقص حافظہ قانون یاد نہیں رہا۔ اگر فراموش نہ کرتے تو جان لیتے کہ یہ مقدمہ پہلی پیشی پر خارج ہو جائیگا۔ کیونکہ اِس معاملہ میں دفعہ ۱۳ ضابطۂ دیوانی عارض ہے جسکا یہ منشاء ہے کہ جو مقدمہ ایک دفعہ دائر ہو کر فیصلہ پا چکا ہو وہ مجدداً مابین اُنہی اشخاص کے اُسی بنا پر دائر نہیں کیا جاسکتا۔ چونکہ واقعۂ محبت و خصومتِ خلفاء و خاندانِ نبوت و عقد وغیرہ کو مدعیان مدعا علیہم کے سامنے پیش کرکے چند بار جواب پا چکے ہیں اندریں حالت مدعیان کو کوئی حق نہیں ہے کہ امرِ فیصلہ شدہ کو دوبارہ پیش کرکے عدالت سے کوئی رو لے سکیں لہذا مقدمہ کو اسی جگہ روکا جاتا ہے و دیگر تنقیحات کی تحقیقات

ہیں جو کہ فرعی ہیں وقتِ عزیز صرف نہیں کیا جا سکتا۔ حکم ہوا کہ مقدمہ بہ حیثیت موجودہ بہ امتناعِ ارجاعِ آئندہ مع خرچہ ڈسمس کیا جائے۔ اور وکیل سے بجرمِ ناقابلیت سندِ وکالت لے لی جائے۔ ناظرِ سررشتہ تعمیل کرے۔ دستخطِ حاکم

تقریرِ نثارِ پنجتن وکیلِ شیعہ

عدالت نے بیدار مغزی و نصفت شعاری سے جو فیصلہ صادر فرمایا وہ عین حق و صواب ہے۔ لیکن اِسوقت مجھ کو اپنے ہم پیشہ وکیل کی مایوسی پر سخت رحم آتا ہے۔ کہ ارمان بھرا دل مسوس کر کیسے جھنگلے سے لگے ہوئے حیران کھڑے دیکھ رہے ہیں نہ پائے رفتن نہ روئے ماندن باہر جانے سے محتانہ کی واپسی پیشِ نظر ہے۔ کچہری میں کھڑے رہنے سے ہم رتبہ لوگوں کے کنایہ غضب آمیز پیکان بنکر جگر چھید رہے ہیں۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ دیگر اموراتِ تصفیہ طلب کا بھی فیصلہ کر دیا جائے کیونکہ مدعیان نے بنظرِ جہلا فریبی ایک غوغائے عظیم مچا رکھا ہے کہ علیؑ کی صاحبزادی سے عمر کا نکاح ہوا۔ اولاد ہوئی۔ یہ ہوا۔ وہ ہوا۔ ہر چند کہ اِس فرضی اور غیرواقعی عقد کا مدعیان بہ کرات و مرات جواب پا چکے ہیں۔ اور اب تک دلائلِ بطلانِ نکاح کا کوئی ردّ و ابطال نہیں کر سکے۔ مگر اب باضابطہ فیصلہ ہو کر ہمیشہ کے لیے خوارج کی زبان بند ہو جائیگی۔ اور آئندہ مدعیان اِس باب میں گفتگو کرنے سے رُک جائینگے۔ نیز یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ تا تصفیۂ مقدمۂ ہذا وکیلِ معزول کو بعطائے سندِ وکالت اجازت پیروی مرحمت فرمائی جائے۔

روبکارِ عدالت

بعد پیشی مقدمہ واضح ہوا کہ اِس معاملہ میں دفعہ ۱۳ عارض ہے۔ لہذا عدالت نے اِسکو خارج کر دیا تھا۔ مگر وکیلِ مدعا علیہم نے مودبانہ عرض کی کہ گو عدالت نے ہمکو قانون سے پورا فائدہ پہنچا دیا۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ دیگر اموراتِ تصفیہ طلب کا بھی بہ مثلِ تنقیحِ اوّل فیصلہ کر دیا جائے تاکہ ہمیشہ کے لیے یہ خرخشہ طے ہو جائے۔ ہر چند کہ عدالت کو اب کوئی ضرورت اوراقِ مسل کے اُلٹنے پلٹنے کی نہیں ہے مگر چونکہ اسلام

کے دو بڑے گروہ شیعہ و سُنی کا رفع نزاع اِس مقدمہ کے کامل فیصلہ پا جانے پر موقوف ہے نظر برآں عدالت امورات مابقی کی جانب غور کرتی ہے۔ نیز یہ بھی ظاہر کیا جاتا ہے کہ وکیلِ مدعا علیہم نہایت نیک نیت ہے کہ ڈگری لیکر اپنے مدِّمقابل کو بحث کرنیکا موقع دیدیا۔ جو کہ بالکل ایک نئی بات ہے۔ چونکہ اس مقدمہ میں بربنائے محبت و مودّت اہلبیت حضرتِ عمر کے لیے سارٹیفکٹ ایمانداری طلب کیا گیا ہے اور وہ کسی طرح ثابت نہیں۔ بلکہ فریقین میں انتہا کا ضد و اختلاف پایۂ ثبوت کو پہنچا ہے لہذا نصف دعوئے مدعیان مع خرچہ ڈسمس کیا جاتا ہے۔ محبت کی بنا پر عدالت کے نزدیک وہ سارٹیفکٹ دیے جانیکے مستحق نہیں ہیں۔

تنقیح دوم

اُمّ کلثوم دختر ابوبکر سے جناب عمر نے عقد کرنا چاہا تھا یا نہیں۔

بیانِ غلام معاویہ وکیلِ مدعیان

میری نظر سے اسوقت تک کوئی روایت اس معاملہ کے متعلق نہیں گزری۔

تقریرِ نثار پنجتن وکیلِ مدعا علیہم

مدعی صاحبان کا یہ شعار بلکہ خاصۂ مذہب ہے کہ ہمارے مفید اور اپنے مضر مطالب کو باوصف موجود و مندرج ہونے اپنی کتب کے تسلیم نہیں فرمایا کرتے صاف انکار کر دیتے ہیں۔ شاہ عبد العزیز صاحب اِن لوگوں کو راہِ انکار بتلا گئے ہیں اُنکے قلم کی زبان پر یہ فقرہ کہ (ایں روایت در ہیچ کتابے از کتبِ اہلسنت موجود نیست و لو بطریقِ ضعیف) ایسا چڑھ گیا تھا کہ گویا تکیہ کلام ہو گیا تھا۔ عدالت نے ملاحظہ فرمالیا ہے کہ ہبۂ فدک و قضیۂ آتش زنی کا مولوی عبد العزیز صاحب نے انکار کیا تھا۔ فدوی نے پچیس ۲۵ کتابوں کی عبارت متعلق بہ ہبہ و شہادت حضرت امیر وغیرہ اور ۱۶ مجلدات کی عبارتیں طعنِ احراق کے متعلق تشئید المطاعن سے شاملِ مثل کر دیں جب یہ عدالت نے تنقیح اوّل کو فیصل فرمایا ہے۔ اِسی سنتِ عزیزی پر عمل کر کے وکیل صاحب نے انکارِ روایت کیا ہے۔ میں اِس تنقیح کے متعلق بہت کچھ ثبوت دے سکتا ہوں

مگر بخوفِ طوالت مختصر تقریر پر اکتفا کرتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر پر بڑھاپے
میں جوانی سوار ہوئی تو چلتے وقت بیاہ کی سوجھی۔ حضرت عائشہ کو پیام دیا کہ اپنی
بہن اُمِ کلثوم سے میرے سہرے کی کلیاں کھلوا دے۔ وہ غریب ڈر گئیں کہ یہ کیا
بلا نازل ہوئی۔ کہاں یہ بچی نادان کہ جسکی گڑیاں بھی ابھی تک ٹھنڈی نہیں ہوئیں۔
اور کُجا یہ پانچ ہاتھ کا پیرِ نابالغ۔ سوچیں کہ اگر انکار کرتی ہوں تو دس ہزار سالیانہ جو
پنشن ملتی ہے وہ بند ہو جائیگی۔ ادنے ادنے باتوں میں جو میرے اجتہاد و روایات
کا اقتدار کیا جاتا ہے وہ برباد ہو کر بے وقاری ہو جائیگی۔ ناچار بصد کراہت منظور
کرکے بظاہر اظہارِ بشاشت کیا۔ مگر در پردہ اِس اُدھیڑ بُن میں رہیں کہ کسی طرح یہ
بیل منڈھے نہ چڑھے۔ عمر سے مجھ کو حجاب نہو۔ اور کام بھی نکل آئے۔ عمرو ابن العاص
سے بُلا کر کہا کہ بھیّا جوڑ توڑ کرنا۔ زمین و آسمان کے قلابے ملانا۔ تمہاری ذات میں
داخل ہے۔ واری گئی کسی طرح اِس پُرجوش بوڑھے کی آتشِ شوق پر آبِ کلام کا
چھینٹا ڈالکے اِس ننھی جان کو بچاؤ۔ بچی نے جب سے یہ خبر سُنی ہے بھوک پیاس بالکل
اُڑ گئی۔ مُنہ لپیٹے ہوئے اپنے آپ کو کوس رہی ہے۔ کہتی ہے کہ اگر ایسا عمل کیا گیا
تو قبرِ رسول پر جا کر فریاد کرونگی۔ بھلا تم بھی آس اولاد رکھتے ہو دل میں غور کرو۔
جس وقت یہ نادان اُنکا ڈیل ڈول تن و توش دیکھیگی اور ہر وقت خشونت آمیز
باتیں سُنیگی یقین تو یہ ہے کہ بے موت مر جائیگی۔ میں امید رکھتی ہوں کہ اگر تم تہِ دل
سے کوشش کروگے تو اِس بلائے بے درماں کو ہم سے دفع کر دوگے۔ ورنہ ننگ
آمد و سخت آمد جو قسمت کا لکھا ہے وہ ضرور پیش آئیگا۔ عمرو ابن العاص صاحب
فرمانے لگے کہ واہ بُوجان یہ کتنی بڑی بات ہے۔ آپکی دعا سے دو فقروں میں یہ
بنا بنایا گھر بگاڑ دونگا۔ اگلے روز عمر سے کہا کہ یہ کیا آفت اُٹھا رکھی ہے۔ ننھی سی بٹیا کے
پیچھے پڑ رہے ہو۔ جب سے اُس بیچاری نے یہ خبر سُنی ہے کہ چچا جان اِس طرف مائل ہوئے
ہیں دانہ پانی یکلخت چھوٹ گیا۔ شدتِ خوف سے سوکھ کر کانٹا ہو گئی۔ کہاں وہ بُوا
سی لڑکی اور کہاں آپ سا ماشاء اللہ پُرانا جوان۔ وہ ناز و نعم کی پلی ہوئی پھولوں کی

سیج پر لیٹنے والی۔ کڑی آواز کی برداشت نہیں کر سکتی۔ آپ کی ایک للکار سے روح پرواز کر جائیگی۔ اگر باہم مزاجوں میں ناموافقت ہوئی تو خلقت یہی کہیگی کہ تیم بچی کی راہ باٹ ماردی۔ ابوبکر کی روح سے خواہ مخواہ آپ کو ندامت ہوگی۔ کیا اُن مرحوم کے اتنے بھی حقوق آپ کے ذمے نہیں ہیں کہ اُنکی لڑکی کا خیال دل سے اُٹھا دو۔ افسوس ہے کہ صدیق اکبر آپکو سکہ دوات دیکر خود الگ ہو جائیں۔ کارخانۂ خداوندی کا مختار عام بنائیں۔ آپکا کُل ساختہ و پرداختہ مثل کردۂ ذات خود تصور کریں۔ اور جناب اُسکا یہ بدلا دیں۔ کیا شرافت اسی کے معنی ہیں؟ دولھا میاں نے فرمایا کہ آخر یہ تو کہیے کہ مجھ میں عیب کیا ہے جو یہ طلاطم برپا ہو رہا ہے۔ عمرو ابن العاص نے کہا کہ خدانخواستہ آپ میں عیب کیا ہوتا۔ سراسر حُسن کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہو۔ لیکن حضور کا مزاج کچھ اِس قطع کا واقع ہوا ہے کہ خلقت بے موت مری جاتی ہے۔ عوراتِ مدینہ آپکی بعض اُلٹی پلٹی کارروائیوں سے خوف زدہ ہوکر جناب کے ساتھ گرہ بند ہونا نہیں چاہتیں۔ حضور آگے پیچھے کا مطلق خیال نہیں کرتے۔ دم مدار کہکر کود پڑتے ہیں۔ غرض کہ مدینہ کے مرد و زن آپ کی تیز مزاجی سے بحدّے خائف ہیں کہ پایان نہیں۔ شیطان جناب سے پناہ مانگ کر آپ کے سایہ سے کوسوں بھاگتا ہے۔ اگر ایسا ہی ارادہ ہے تو میں اِس سے بہتر جگہ بتلا دوں۔ آپ پیغام بھیجیں۔ عمر نے کہا وہ کہاں؟ فرمایا کہ علیؑ کی بیٹی اُمِّ کلثوم موجود ہے۔ عمر صاحب بولے کہ اب کیا ہو سکتا ہے۔ عائشہ سے میری زبان کٹ چکی ہے۔ اُنہوں نے بہ شگفتہ خاطری خوشدلی منظور کر لیا۔ مفت میں بیٹھے بٹھائی رشتہ چھوڑنے سے باہم رنجش پیدا ہوگی۔ عمرو ابن العاص بولے آپ خاطر جمع رکھیں ہیں یہ وہ چال چلونگا کہ آپکے دامنِ دولت پر گردِ الزام نہ آئیگی۔ اور نیز عائشہ کو آپ سے موقع شکایت نہوگا۔ غرض کہ عمرو ابن العاص کی بدولت خلیفہ ابوبکر کی کم سن و نادان بچی کا پیچھا چھوٹ گیا۔ ورنہ غریب ایک بلائے ناگہانی کی جھپٹ میں آگئی تھی۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے رجالِ مشکوٰۃ میں اِس قصّہ کو بہ صفحہ (۱۱۵) لکھا ہے۔ نیز تاریخ کامل ابنِ اثیر کی جلد ۳ صفحہ (۲۲) پر یہ مضمون مندرج ہے۔ عدالت ملاحظہ فرمالے۔ میں امید کرتا ہوں کہ عدالت

کو اب کوئی شبہ نہ رہا ہوگا کہ عمر صاحب نے اُمِّ کلثوم دخترِ ابوبکر سے اپنی منگنی چاہی تھی۔ وکیل صاحب نے اتنے بڑے واقعہ سے جسکو اہلِ تاریخ نے بھی نقل کیا ہے انکار فرما کر اسقدر طوالت کرائی۔ ورنہ دو لفظِ اقبال میں سارا قصہ طے تھا۔ وکیل کو چاہیے کہ دونو طرف کے معاملات سے پوری واقفیت حاصل کر لے تب وکالت نامہ تصدیق کرائے۔ اگر اتنا نہو سکے تو جس فریق کا وکیل ہو اُسکے مفید و مضر پہلو ضرور پیشِ نظر ہوں۔ ہمارے حضرت کو نہ معلوم آدمیوں کے ٹوٹے میں یا کس چال بازی سے پاس مل گیا ہے۔ یہ پرانے فیشن کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ تنقیحِ اوّل میں بھی دربابِ بحثِ اتحاد آپ نے یہی پتھر ڈالے تھے۔ خواہ مخواہ عدالت کا وقت ضائع کرایا۔ اور میرے دماغ کی طاقت گھٹائی۔ اب بھی وہی راہِ انکار اختیار کی ع آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب نئی روشنی کے وکلا نے معاملہ پیچان سمجھ کر لینے سے انکار کیا ہے تب جناب کسی مسجد سے پکڑ کر کھڑے کر دیے گئے ہیں۔ قصہ مختصر اُمِّ کلثوم دخترِ ابوبکر سے خلیفہ نے اپنا رشتہ کرنا چاہا تھا۔ جسپر اُس یتیم لڑکی کو خوف پیدا ہوا۔ اور قبرِ رسولؐ پر فریاد کرنیکے لیے آمادہ ہو گئی۔ عائشہ کو اپنی چھوٹی بہن کی پاسداری تھی اُنہوں نے بامدادِ عمرو ابن العاص اس بلا سے نجات پائی۔ یہ روایت چونکہ بطریقِ مدعیان وارد ہوئی ہے۔ اور اُنہی کی کتابوں کی عبارات میں نے پیش کی ہیں۔ لہذا عمرو ابن العاص کی ایمانداری قابلِ نظر ہے کہ عمر صاحب کو یہ عیب بدمزاجی و تندخوئی ابوبکر کی بیٹی سے بخیالِ تحفظِ حقوقِ ابوبکر روکیں۔ اور علیؑ کی بیٹی سے عقد کرنیکی رائے دیں۔ کیا وہ عیوب جو کہ عمر کی ذات میں تھے اور جنکی وجہ سے عمرو ابن العاص مانعِ عقد ہوئے تھے علیؑ کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنے سے زائل ہو جاتے یہ یک بام و دو ہوا۔ افسوس ہے اُس شخص کی رائے زنی و مشورہ دہی پر کہ جس گھر سے اسلام سیکھا۔ ایمان پایا۔ اُنکی اذیتِ روحانی پیشِ نظر نہوئی۔ اور ابوبکر صاحب کی روح کا بیچین ہونا بعد سے یہ نظر ہوا کہ عمر جیسے پُرخشونت شخص کے اتالیق بنگئے۔ سوائے ازاین عمر کیسے سادہ مزاج تھے کہ بڑے بھائی صاحب کی اذیتِ روحانی پیش کرکے بنی بنائی نسبت چھوڑ بیٹھے۔ بوقت

مشورہ عمرو ابن العاص سے کہتے کہ ہرگاہ آپ مجھ میں عیب بدمزاجی وغصہ ناکامی قائم کرکے دختر ابوبکر کو بچاتے ہیں اور علیؑ کی لڑکی کا پتہ دیتے ہیں تو کیا آپ کی نزدیک خاندانِ نبوت کا اذیت دینا جائز ہے۔ اور ابوبکر کی تکلیف دہی جن کی ہڈیاں بھی سڑگل کر چونہ ہوگئی ہیں ناجائز؟ اصلیتِ واقعہ یہ ہے کہ عمر نے عائشہ و دیگر سرپرستانِ اُمِ کلثوم کو پیغام دیا۔ عمرو ابن العاص وغیرہ نے کوشش کرکے اُسکو دفع کیا۔ راویانِ مدعیان نے نمک مرچ لگاکر اتنا فقرہ اور جڑ دیا کہ اُمِ کلثوم دختر ابوبکر سے منگنی چھوٹ کر حسب صوابدید و رہنمائیِ عمرو ابن العاص اُمِ کلثوم دختر علیؑ سے قرار پاگئی۔ حضرتِ امیرؑ کا اِس معاملہ میں محض اتنا تعلق ہے کہ اسما بنتِ عمیس سے بعد وفاتِ صدیق آپ نے نکاح کیا تھا وہ مخطوبہ عمر مع محمد برادرِ خود اپنی ماں کے ساتھ حضرتؑ کے گھر آئی۔ جیساکہ عقدِ ثانی پر شوہرِ اوّل کی اولاد زوجِ دوم کے گھر آیا کرتی ہے۔ جسطرح کہ حضرت زینبؓ و رقیہؓ جنابِ خدیجہ کے ساتھ رسولِ پاک کے سایۂ عاطفت میں آئی تھیں۔ جو کہ بعد مرنے ابو العاص وغیرہ شوہرانِ اوّل کے جو کہ کافر محض تھے حضرتِ عثمان کے نکاح میں آئیں۔ ملک العلمائے دولت آبادی ہدایت السعدا میں فرماتے ہیں (اسما بنتِ عمیس اوّل زنِ جعفرِ طیارؓ بود باز در نکاحِ ابوبکر آمدہ۔ از ابوبکر یک پسر و دختر اُمِ کلثوم نام زائید۔ بعد ازآں بہ نکاحِ علیؑ ابن ابیطالب آمد۔ اُمِ کلثوم ہمراہِ مادر درآمدہ۔ عمر ابن خطاب بہ اُمِ کلثوم دختر ابوبکر نکاح کرد) غرضکہ یہ لڑکی خواہ اسمائے شکم سے ہو یا کسی دوسری زوجۂ ابوبکر سے۔ مگر بوجہ انسیت اسما کے ساتھ رہتی تھی۔ پس حضرتِ امیرؑ نے اپنی منکوحہ اسما کی سوتیلی یا شکمی بیٹی کے بچانے میں بوجہ سرپرستی کوشش فرمائی تھی۔ ذخائر العقبیٰ کے صفحہ ۱۶۸ پر لکھا ہے فاقبل علی وقال انھا صغیرۃ فقال عمر لا واللّٰہ ما ذٰلک ولکن ما اردت منعی (یعنی عمر کے خواستگار ہونے پر علیؑ نے عذر کیا کہ وہ لڑکی صغیرہ ہے۔ قابلیتِ عقد نہیں رکھتی۔ عمر نے جواب دیا کہ درحقیقت ایسا نہیں جیساکہ آپ کہتے ہیں۔ بلکہ آپکا ارادہ ہی نہیں کہ میرے ساتھ نکاح کریں۔ یہ بہانہ صغرسنی

ٹالنا چاہتے ہو) اُسی دخترِ ابو بکر کے باب میں آپ نے ایسا کیا تھا۔ سخن تراش لوگوں نے اتنی بات کا بتنگڑ بناکر پورا مضمون تیار کر دیا۔ ایک فضول و واہی بات کو گھڑ گھڑا کر طوفانِ بے تمیزی برپا کر دیا۔ مدعیوں کا دعوےٰ ہے کہ خلفاء و اہلبیت میں محبت تھی۔ اور حضرتِ علیؑ نے بطیبِ خاطر رضامندی و خوشدلی سے اپنی لڑکی کا عقد کر دیا تھا۔ روایتِ ذخائر العقبےٰ متذکرۂ بالا سے ہویدا ہے کہ حضرتِ امیرؑ نے صغر سنی کا عذر پیش کیا تو عمر نے اُسکو نہ مانا۔ بلکہ معاذاللہ اُنکو اس معاملہ میں خلاف گو سمجھا۔ واقع میں دوست ایسے ہی ہوتے ہیں کہ اپنے حبیب کو جھوٹا سمجھیں۔ شاہ صاحب نے تحفہ میں حضرتِ امیرؑ کی نسبت لکھا ہے کہ (نزدِ شیعہ معصوم و نزدِ اہلسنت صادق است) تعجب ہے کہ جسکو سنی صاحبان صادق جانیں اُس کو پیرِ شنیان کاذب سمجھے۔ بھلا یہ بھی کوئی اتحاد ہے۔ بیٹی والا یا کسی لڑکی کا مربی و سرپرست جسکے ہاتھ میں اُسکا نکاح کر دینا ہے کہہ رہا ہے کہ وہ لڑکی کم عمر ہے۔ نکاح کے زمانہ تک نہیں پہنچی۔ داماد صاحب اینٹھے بیٹھے ہیں کہ نہیں وہ قابلِ شادی ہے۔ آپ بیجا عذر کر کے حیلہ بہانہ کرتے ہیں۔ اگر دنیا میں اسی طرح رشتے ناتے ہوا کرتے ہیں اور محبت و اخلاص اسی کا نام ہے تو نہ معلوم عداوت و خصومت کیا بلا ہوگی۔ تنقیحاتِ آئندہ میں عدالت پر وہ تمام کاریگریاں کھل جائینگی جو کہ علمائے مدعیان نے بد دیانتی سے اس عقد کے باب میں کی ہیں۔

رائے عدالت

تقریرِ وکیل مدعا علیہم پر غور کرنے سے بادی النظر میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خلیفۂ دوم نے دخترِ ابو بکر سے ضرور اپنی نسبت چاہی تھی۔ اور اُسکا نام اُمِ کلثوم تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اسی اُمِ کلثوم کے قصہ نے یہ خلط مبحث کر دیا۔ ابھی ہم کوئی مستقل رائے تاوقتیکہ دیگر تنقیحات کی بحث نہ سن لیں قائم نہیں کرسکتے۔ مگر قبل از انفصالِ مقدمہ اتنا کہنے پر ضرور مجبور ہوتے ہیں کہ دعوئے مدعیان صاف نہیں۔ مچھلی کے گوشت کی طرح ہر لقمہ میں دو چار کانٹے اُلجھے ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ تنقیح بھی بوجہ سکوتِ وکیل مدعیان بحق شیعہ

نیصل کی جاتی ہے۔

تنقیح سوم

اہلِ عرب یا دیگر اقوام میں کفاءت پر نظر ہوتی ہے یا نہیں۔

تقریر نثار پنجتن وکیلِ شیعہ

ہر ملک و ہر قوم میں گوت اور خاندان پر لحاظ ہوتا ہے۔ حتےٰ کہ تمام دنیا کی چھوٹی اور ذلیل اقوام میں نٹ۔ کنجر۔ چوہڑے۔ چمار وغیرہم داخل ہیں۔ اِن لوگوں میں وہی پابندی ہے جو کہ بڑی قوموں میں کی جاتی ہے۔ اسلام میں یہ قید اُٹھا دی گئی ہے۔ باہم کلمہ پڑھنے والوں میں رشتہ و تناسب ہو سکتا ہے۔ مگر مشاہدہ و عملدرآمد زمانہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں اس حکم پر عمل نہیں ہے۔ صرف جواز ہے۔ یعنی اگر اونچی نیچی قوم کے مسلمانوں میں رشتہ ہو تو وہ حرام نہیں۔ مگر عمل اسی پر ہے کہ ہر قوم اپنی قوم میں بیٹا بیٹی کا نکاح بیاہ کرتی ہے۔ ایک قوم میں بھی خاندانوں پر نظر کی جاتی ہے۔ قوم کے امیر غربائے قوم کی بیٹی تو لے لیتے ہیں۔ مگر اپنی لڑکی غریب بھائی کے گھر نہیں دیتے۔ اپنا ہی ہم پلہ باعتبار دولت وحشمت تلاش کرتے ہیں۔ مکہ معظمہ کے رہنے والے مسلمان قریش کہلاتے تھے۔ اُس میں بنی ہاشم اعلےٰ درجہ پر سمجھے گئے۔ قریش کی لڑکیاں بنی ہاشم میں تو بیاہی گئیں جیسے کہ اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ و حضرت حفصہ مگر ہاشمی عورت قریش میں نہیں گئی۔ چنانچہ مسلمانوں میں آج تک یہ دستور چلا آتا ہے کہ فخر و عزت سمجھ کر سادات کو تو بیٹی دیدیتے ہیں۔ مگر اوگا غریب سے غریب سید کی طرف بڑے سے بڑا امیر آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتا۔ کتب مدعیان میں درج ہے کہ بعد بلوغ سیدہ اکثر اُن لوگوں نے جو کہ آلِ ہاشم سے نہ تھے اور ہر طرح کی قوت مالی رکھتے تھے اور جن میں ابوبکر و عمر بھی شامل تھے آنحضرتؐ سے درخواست عقد کی۔ آپنے فرمایا کہ مجھ کو اس معاملہ میں کوئی اختیار نہیں۔ انتظار وحی ہے۔ جسکے لیے حکم خدا ہوگا اُس سے نکاح کرونگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپنے اپنی اکلوتی نازپروردہ بیٹی کو ایسے شخص سے بیاہ دیا کہ جسکے گھڑے پر مٹی کا پیالہ بھی نہ تھا اور جسکو ہجوم اسباب

فلاکت وافلاس سے وہ وقت پیٹ بھر کر روٹی نہ ملتی تھی۔ (علیؑ) ہمارے نبیؐ نے اسکی
بالکل پروا نہیں کی کہ مفلس اور تہیدست کے گھر میری راحتِ جان پر کیا گزریگی سب
جانتے ہیں جو عیش فاطمہؑ کو علیؑ کے گھر ملا۔ ہمیشہ چکی پیسی۔ سارے گھر کا کام کاج کیا
تن بھر کپڑا پیٹ بھر روٹی کبھی نصیب نہ ہوئی۔ مدام فاقہ کشی میں گزری۔ امرائے جلیل القدر
کا پیغام رد کر کے جو حضرتؐ نے ایک نادار و محتاج شخص کے حوالے بیٹی کو کر دیا اسکے
لیے کوئی خاص سبب ہونا چاہیے۔ ورنہ مفلس آدمی بھی بالخصوص بیٹی کے لیے
صاحبِ ثروت کی تلاش کیا کرتا ہے اس لیے کہ بیٹی سے آدمی کو قدرۃً الفت
ہوتی ہے۔ یہی چاہتا ہے کہ تونگر گھر میں کھا پی پہن اوڑھکر دل کی ہوس نکال لیگی
آنحضرتؐ کو بخلاف معمولِ اہلِ زمانہ جنابِ فاطمہؑ سے ازبس محبت تھی۔ سوا نبیؐ کے
کسی باپ کو نہیں دیکھا گیا کہ وہ بیٹی کے ساتھ تعظیماً پیش آتا ہو۔ ہمارے حضرتؐ کو
سیّدہؑ سے ایسی محبت تھی کہ جب سفر کو جاتے تھے تو سب سے آخر انکو رخصت کرتے
تھے اور بوقتِ واپسی انکو دیکھتے تھے۔ محبّت خلافِ عادت کی وجہ یہ تھی کہ اوّل تو تمام
متاعِ زندگانی میں ایک بیٹی اور وہ بھی بے مادر اور پھر ایسی ماں کے شکم سے جس کی
نیک و پاک دولت سے ابتدائے اسلام میں دینِ خدا کو مدد ملی۔ اور نیز یہ بھی یقین تھا
کہ اسی کے ذریعہ سے ہماری نسل تاختمِ دنیا تمام نہوگی۔ اسی کی اولاد راہِ خدا میں
رنج و مصیبت اٹھا کر میری تکمیلِ نبوّت کا سبب ہوگی۔ اسی کا بیٹا شہید ہو کر افرادِ شہدا
میں ہمکو داخل کریگا۔ اسی کی اولاد کو خدا وہ عزّت دیگا کہ انکے بیٹے آسمانِ چہارم سے
توجہ فرمائے خاکدانِ عالم ہو کر اُسکے پیچھے مثل دیگر ماموین نماز پڑھینگے پس ایسی
بیٹی کا سوائے پابندی کفاءت علیؑ کے ساتھ عقد کر دینا اور کیا معنی رکھتا ہے۔ خود
جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا ہے کہ اگر علیؑ نہوتے تو فاطمہؑ کا کوئی جفت و کفو ہی نتھا۔ ابنِ
حجر کی صاحبِ صواعقِ محرقہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ بنی ہاشم کا کفو و ہمسر سوائے
بنی ہاشم کے اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ صواعقِ محرقہ کے ترجمہ میں صفحہ ۱۶۱ پر یہ
عبارت لکھی ہے (از خصائص پیغمبرؐ است کہ اولاد و بنات آنحضرتؐ بہ آنحضرت منسوب

در کفارۃ وغیرآں واآبا اولادِ بنات ودیگر باجداد وما در منسوب نمی شوند در کفارت وغیرذلک۔ چنانچہ زنے شریفہ ہاشمیہ کفو مردے غیرشریف نیست) سوائے ازیں خود جناب عمر کو بھی اس باب میں کوشش تھی کہ نکاح میں صاحبان حسب ونسب کا لحاظ ضرور کیا جائے۔ چنانچہ ازالۃ الخفا کے صفحہ ۱۱۰ پر شاہ ولی اللہ نے تحریر فرمایا ہے کہ عمر صاحب نے منع فرمادیا کہ مہاجرہ سے غیر مہاجر چونکہ شرف ہجرت میں گھٹا ہوا ہے عقد نہ کرے۔ عبارتِ ازالۃ الخفا یہ ہے قال لامنعن فروج ذوات الاحساب الامن الاکفاء سوائے ازیں کنز العمال میں ہے ان عمر یشدد فی الاکفاء یعنی عمر نے غیر کفو سے عقد کرنیکو منع فرمایا ہے۔ بعد ملاحظہ معروضاتِ بالا عدالت خود نتیجہ نکال لے کہ عرب ودیگر ممالک میں کس حد تک لحاظ کفو کیا جاتا ہے۔ اور رسولِ اکرم نے کہاں تک اسکی پابندی کی۔ اور عمر صاحب کو اُسکے قائم رکھنے اور رواج دینے پر کیسی شدت تھی۔ عقل نہیں مان سکتی کہ حضرتِ امیرؑ نے بخلاف قانونِ عرب وطریقہ رسول اکرم بلا ضرورت اپنی صغیر سن لڑکی کا عقد ایسے پیر کج گردن وخمیدہ پشت سے کردیا جو کہ اُنکے کفو اور گروہ کا نہ تھا۔ اور نہ یہ باور ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر نے اپنی عادت کے خلاف اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم پر عمل کرکے ایسا کیا ہو۔ کیا عدالت عمر یہ اسی کی مقتضی تھی کہ لوگوں کو غیر کفو میں عقد کرنے سے روکیں اور خود ایسے عامل نہوں سوائے خیانت وبد دیانتی راویانِ مدعیان اور کچھ نہیں۔ دیگر تنقیحات کی توضیح میں عدالت پر کھل جائیگا کہ یہ محض ڈھکوسلا ہے۔

رائے عدالت

ہمارے نزدیک بھی کفو اور گوت کی ایسی پابندی ہے جسکو عموماً ہر قوم نے اپنا شعارِ قومی گروانا ہے۔ بانیٔ اسلام کو بھی اسپر ایسا لحاظ تھا کہ اپنی ربیبہ بیٹیوں رقیہ وزینب کو قریش میں نہ بیاہا۔ بلکہ عتبہ اور ابی العاص پسرانِ ابولہب سے ان کی شادی کی تھی جو کہ آلِ ہاشم سے تھے۔ عدالت کو تعجب معلوم ہوتا ہے کہ علی مرتضےٰ نے خلیفہ دوم سے اپنی صغیر سن لڑکی کا عقد کیوں کردیا۔ کیا ایسی ضرورت شدید داعی ہوئی تھی جس سے

یہ حالت پیش آئی۔ ورنہ تمام دنیا کا قاعدہ ہے کہ بیٹا بیٹی کے نکاح میں دونو کے ہم عمر ہونیکا لحاظ رکھتے ہیں۔ ہم نے آج تک نہیں دیکھا کہ ساٹھ برس کے پیر فرتوت کے ساتھ پانچ برس کی لڑکی کا عقد کرکے کسی نے اونٹ کے گلے میں بلی کی مثال کو ثابت کیا ہو۔ غلام علی آزاد بلگرامی نے جو کہ مدعیوں کے معتمد عالم ہیں بہ مثل عدالت تعجباً لکھا ہے کہ باوصف اختلاف کفو علیؑ نے عمر سے کیوں عقد کر دیا۔ عالم موصوف اپنا رفع تعجب اس دلیل سے کرتے ہیں کہ شاید بوجہ قحط الرجال ایسا معاملہ کیا گیا ہو۔ عدالت کے نزدیک یہ توجیہ پوچ و لچر معلوم ہوتی ہے۔ کیا آدمیوں کے خسارے اور ٹوٹے میں یہ پیر دنداں شکستہ ہی رہگیا تھا۔ اولادِ جعفرِ طیار میں اسوقت کئی لڑکے موجود تھے۔ پس کوئی شک نہیں ہوسکتا کہ اس دعوے میں کچھ پیچیدگی ہے لہذا یہ تنقیح بھی بحقِ مدعا علیہم طے کی جاتی ہے۔

تنقیح چہارم

عمر کا نسب رذیل تھا یا جلیل اور جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکے نسب کی نسبت کیا خیال تھا۔

تقریر غلام معاویہ وکیل مدعیان

اس سے زیادہ جلالتِ نسب اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ آنحضرتؐ کے خسر سے تھے۔ ہر شخص اچھے گھرانے میں بیاہ جانیکا پسند کیا کرتا ہے۔ اگر ان کے نسب میں کوئی فرق ہوتا تو جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم انکی بیٹی حفصہ سے عقد نہ کرتے۔ یہ نکاح میری اور ہر عقلمند کی دانست میں مثبت شرافت عمر ہے۔

تقریر شار نجتن وکیل مدعا علیہم

ذی علم وکیل نے خلیفۂ دوم کی خاندانی حالت بیان نہیں فرمائی۔ صرف اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اگر انکے نسب میں کوئی قصور و فتور ہوتا تو نبیؐ اپنا خسر انہ بناتے۔ نظر بر آں عرض پرداز ہوں تاوقتیکہ دیگر فضائل شامل نہ ہوں محض خسرا ہونے سے کبھی کسی کو عزت نہیں ملتی۔ رات دن دیکھنے میں آتا ہے کہ اکثر امرا و شرفا بازاریتیں و کمینہ عورتوں

گھر میں ڈالکر داخل دفتر کیلیتے ہیں۔ اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان عورتوں کے میکے
کو خلعت شرافت و نجابت مل جاتی ہے۔ میں نے آج تک نہیں دیکھا کہ کسی شخص نے
بمقامِ فخریہ کہا ہو کہ میں فلاں کا سُسرا ہوں۔ بلکہ یہ ایسا مکروہ رشتہ ہے کہ بنظر انحطاط پوس
(معرفت اور شناسائی) جیسا کہ دستورِ دنیا ہے ایک دوسرے سے نہیں کہہ سکتا کہ آپ سے
ملیے یا مصافحہ کیجیے۔ فلاں رئیس یا نامی کے سُسرے ہیں۔ آنحضرتؐ کے مثل ابوبکرؓ و عمرؓ
بہت سے سُسرے تھے۔ پندرہ سولہ تو میں بھی بتلا سکتا ہوں۔ اُن میں کافر و مسلم
ہر طرح کے آدمی تھے۔ پس اگر تمام سسروں کو مادۂ عزت سے کوئی حصہ دیا جائے تو
قدرِ قلیل اُنکو بھی پہنچیگا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ جملہ فضائل کا انبار اسی سُسرے کی گردن پر
رکھ دیا جائے۔ بلند گھرانے میں شادی ہونے سے داماد تو البتہ فخر کر سکتا ہے جیسا کہ
زوجِ بتولؑ و صہرِ رسولؐ حضرتِ امیرؑ کا خطاب ہے۔ چنانچہ غایتِ شرف و عزت سے
کہا جاتا ہے کہ ؎ از خدا و مصطفےٰ شمشیر و دختر یافتہ ۔ اندرینصورت میں بلند
آواز سے یہ کہنے کا استحقاق رکھتا ہوں کہ ؎ کسی سُسرے کو کیا نسبت بدیں داماد پیغمبرؐ
پس وکیل صاحب کا نرے سُسرے ہونے سے عمر صاحب کا شریف النسب بتلانا میرے
نزدیک صحیح نہیں ہو سکتا۔ بی بی حفصہ اُمّ المؤمنین کا آنحضرتؐ کے نکاح میں آنا عمر
صاحب کے ماں باپ۔ دادا دادی کے لیے کسی طرح وجہت بخش نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ
یہ مسئلہ مسلّمہ فریقین ہے کہ جب دو غیر صحیح النسب شخصوں کا عقد حسبِ شریعت واقع
ہو جائیگا تو اُنکی اولاد حلال و طیب سمجھی جائیگی۔ چونکہ حسبِ قواعدِ مروجۂ عرب حفصہ
کی والدہ سے عمر صاحب کا تعلق بطورِ جائز تھا لہٰذا میں بہت خوشی سے تسلیم کرتا ہوں
کہ جنابِ معظمہ کو بذاتِ خود نفاستِ ولادت حاصل تھی اور وہ ایسی ہی تھیں جیسی کہ
عموماً نکاحی عورتوں کی اولاد ہوا کرتی ہے۔ پھر بزرگوار کے نسب کا ایچ پیچ جو کہ عنقریب
عدالت پر ظاہر ہوگا کوئی نقصان پیدا نہیں کر سکتا۔ نہ ہمارے نبیؐ پر کوئی الزام وارد
ہو سکتا ہے کہ اُنہوں نے ایسی عورت سے کیوں نکاح کیا جو کہ مرکزِ اصلیت پر نہ تھی
اِس بزرگ بی بی سے اگر کچھ اولاد ہوتی تو وکیل صاحب فرما سکتے تھے کہ ایسے گھرانے

میں نبیؐ صاحب نے کیوں رشتہ کیا جس سے نبی زادہ کو نانا کے حالات نسب سے ندامت اُٹھانیکا موقع ملا۔ یہ عام قاعدہ ہے کہ جن بچوں کے اجداد میں کوئی خرابی ہوتی ہے اُسکا ذکر اکثر زبانوں پر اعتراضاً آجایا کرتا ہے۔ چونکہ خدا کو اپنے محبوب کی عزت کا ہر طرح بڑھانا مقصود تھا لہذا اُن کی ذریت کو ایسی پاک و مقدس و محسن اسلام بی بی سے متعلق کیا جسکے شریف النسب و عالی خاندان ہونے میں اسلام سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ وہ معظمہ جناب خدیجۃ الکبرےٰ ہیں۔ جنکی قوت مالی سے اسلام کو حالت افلاس میں فائدہ پہنچا۔ اُنکے بطن مبارک سے جناب سیدہؑ پیدا ہوئیں۔ جنکی اولاد کو آنحضرتؐ نے اپنی اولاد قرار دیا۔ یہ برکت آنحضرتؐ کی تبنیت کی ہے کہ باوصف قتل و غارت ہوجانیکے ہر ملک میں سادات گروہ در گروہ نظر آتے ہیں۔ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو مثل سادات زیر تلوار آئی ہو۔ اور پھر اُسنے ایسی ترقی پائی ہو۔ عائشہ و حفصہ کے رحم میں آنحضرتؐ کے نطفہ نے کبھی استقرار ہی نہیں پایا۔ اولاد ہونا تو بجائے خود اسقاط حمل بھی کبھی نہیں ہوا حسب احتجاج وکیل صاحب خلیفہ جی کو یہ عزت و اختصاص نبیؐ کا سسر بننے سے جو حاصل ہوا ہے اُسکا اصلی مادہ اُنکی بیٹی اُم المؤمنین حفصہ ہے نہ وہ بیاہی جاتی نہ یہ سسرے ہوتے۔ ملاحظہ فرمانا چاہیے کہ وہ اصلی چیز کیسی تھی جس سے میکے والے ممتاز خیال کیے گئے۔ سو اُن معظمہ کی حقیقت سورۂ تحریم میں آیۂ و اذا اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا سے معلوم فرمالینی چاہیے حقیقت حال یہ ہے کہ نبیؐ نے جناب حفصہ سے اپنا ایک راز بیان فرماکر تاکید شدید کی کہ کسی کو اسپر آگاہ نہ کرنا۔ یہ پیٹ کی ہلکی تھیں۔ جھٹ دوڑکر عائشہ سے کہدیا۔ وہ ان سے بھی کم ظرف تھیں بغرض ایذا رسانی و رنجیدہ ہی رسول فاش کرتی تھیں۔ خدا کو ہر دو محترمہ کے افشائے راز کرنے پر غصہ آیا۔ بواسطۂ جبرئیل علیہ السلام حضرت کو اطلاع دی کہ آپکی ایک بی بی نے خیانت کرکے دوسری پر کشف اسرار کیا۔ وہ اُس سے زیادہ خائنہ ہے۔ آپ کی تکلیف دہی مدنظر کرکے اُس بار کا تحمل نہ کرسکی۔ بالآخر طبیعت سے گرادیا۔ خدا نے ہر دو ازواج کو بجرم اظہار اسرار نبیؐ بڑی سخت سخت دھمکیاں دیں۔ اور اُنکی اندرونی

حالت کو اس طرح بتلادیا کہ فقد صغت قلوبکما (یعنی تم دونو کے دل ٹیڑھے
ہوگئے ہیں) اس سے بالاتر یہ خوف دلایا کہ میرا حبیب تمکو طلاق دیکر گھر سے نکالدیگا
تو (خیرا منکن) یعنی تم دونو سے بہتر اسکو ایسی بی بیاں عطا کرونگا جو کہ مسلمٰت و
مؤمنٰت وغیرہا ہونگی۔ اُن عورتوں میں جو کہ عائشہ وحفصہ کے بدلے میں اپنے نبی
کو خدا نے دینا تجویز فرمایا ہے آٹھ صفات حسب صراحت سورہ تحریم قائم فرمائی ہیں
جن میں اوّل درجہ پر اسلام وایمان ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کامل مسلمان بھی نہ
تھیں۔ بلکہ مثل ازواج جناب نوح ولوط علیہما السلام کافرہ محض تھیں۔ اسی واسطے
آخر سورہ موصوف میں خدا نے انہی انبیاؑ کی بی بیوں کو ان دونو کے ساتھ مثال دیا
ہے۔ پس عمر صاحب بھی غیر مسلمہ بیٹی کے باپ بنکر ایسے ہی خسرے سمجھے جا سکتے ہیں
جیسے کہ اور چند کافر تھے۔ افسوس ہے کہ وکیل صاحب نے ایسی بات پر استدلال کیا
جس پر نہ کرنا چاہیے تھا۔ مولوی ممتاز علی صاحب سنی المذہب نے میرٹھ میں حنائی
رنگ دیکر با ترجمہ قرآن چھاپے ہیں۔ اپنے بیان کے ثبوت میں اُسکو پیش کرتا ہوں۔
سورہ تحریم کا حاشیہ ملاحظہ فرمایا جائے۔ اُس میں صاف لکھا ہے کہ جن ازواج نبیؐ پر الزام
افشائے راز نبی قائم ہوا ہے وہ حفصہ اور عائشہ ہیں۔ مجھ کو کمال افسوس ہے کہ بی بی
حفصہ اپنے فعل سے حضرت عائشہ کو بھی لے ڈوبیں۔ نہ وہ ابتدا بہ انکشاف راز کرتیں
اور نہ عائشہ اُن کی ہم ترانہ ہوکر داروگیر خداوندی میں آتیں۔ ممکن تھا کہ عند الافشار راز
عائشہ جناب حفصہ کو سمجھا دیتیں کہ گھر بستی مجھ سے کہا تو کہا اور کسی کے سامنے لب ہلانا
یہ نہ سمجھنا کہ میاں کو خبر نہوگی۔ آئے دن جبرئیل لگا سا کھڑا رہتا ہے۔ اگر اوپر ہی اوپر
کچھ کہہ گیا تو نظر سے گر جاؤگی۔ بڑی ہو تھیں۔ گھر میں ہر طرح کا اختیار تھا اگر یہ حفصہ کو
ڈانٹتیں تو وہ دم بخود ہو جاتیں۔ مگر وہ ایسا کیوں کرتیں۔ ہر دم ایذائے رسولؐ پر قسم
کھائے ہوئے تھیں۔ خدا نے فرما دیا کہ تم دونو اتفاق کرکے کتنا ہی ستاؤ رنج پہنچاؤ وہ
میرے حبیب کا بال بیکا نہیں ہوسکتا میں اسکا نگہبان ہوں۔ اور بعد ازاں صالح المؤمنین
اور ملائکہ اکثر مفسرین مدعیان لکھتے ہیں کہ صالح المؤمنین مندرجہ سورہ تحریم حضرت امیرؑ

مراد ہیں۔ جسکے خدا و جبرئیلؑ و علیؑ و دیگر ملائکہ حافظ ہوں اُسکا یہ دو ناقص العقل کیا کر سکتی تھیں۔ مجھ کو عدالت کے سامنے اتنی بات ظاہر کر دینی منظور تھی کہ جس بنیاد پر وکیل صاحب خلیفہ جی کا عالی نسب ہونا بیان فرماتے ہیں وہ خود ہی ایسی حالت میں ہے کہ پناہ بخدا۔ ایسی اولاد سے آدمی اوت نپوت بھلا جو خدا و رسولؐ کو غصہ میں لائے۔ مقدمہ ہذا میں امر نزاعی یہ ہے کہ فی نفسہ خلیفہ دوم کا نسب کیسا تھا۔ یعنی ماں باپ۔ نانا دادا کی طرف سے کیسے ہیں۔ جن سے اُنکا جلیل القدر ہونا ثابت ہو کر یہ بات طے ہو جائے کہ وہ بڑے خاندان میں بیاہ جانیکی قابلیت رکھتے ہیں۔ پیروکار صاحب نے اُسکا تو مطلق ذکر نہ کیا۔ یہ لے دوڑے کہ اُنکی بیٹی نبیؐ کو بیاہی تھی۔ اِسے تو میں کیا سارا زمانہ جانتا ہے کہ بہ امید منفعتِ آیندہ دوراندیش اور لگاوٹ پسند لوگوں نے ایسا کیا تھا۔ چنانچہ بعض ظرفا کہہ گئے ہیں کہ ع ڈولے دیلے نبیؐ کو خلافت کے باب میں۔ وکیل صاحب تو چونکہ خلیفہ کی حقیقت سے آگاہ ہیں اِس باب خاص میں چون وچرا نہ کرینگے مگر مجھ پر فرض ہے کہ اپنے موکلوں کا دیا ہوا محنتانہ حلال کرنیکی غرض سے خلیفہ صاحب کے عالی خاندان ہونیکا حال کتب مدعیان سے کچھ مجمل طور پر بیان کر دوں کیونکہ اُسکے مفصل عرض کرنے میں مجھ کو سخت اُلجھن ہوتی ہے اِس لیئے کہ عمر صاحب کے اظہار نسب میں اعلےٰ درجہ کے محاسب کی ضرورت ہے۔ تین پشت تک کچھ ایسی پیچیدگیاں ہیں کہ مڈل پاس بمشکل اُنکو صاف کرکے بتلا سکتا ہے کہ خلیفہ صاحب کے ماں باپ ظاہری اُنکے کیا ہوئے۔ اور وہ اپنے مادر و پدر کے مقابلہ میں کیا کہنے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ میں نے چونکہ وکالت کا پاس حاصل کیا ہے نہ کہ پٹوارگری کا لہذا حسابی قاعدہ سے متعذر ہو کر کتب مدعیان میں جو عمر کا نسب لکھا ہوا ہے عدالت کے روبرو پیش کرتا ہوں۔ خود ملاحظہ فرما کر نوعیتِ نسب قائم فرمائی جائے۔ کتاب معارف تاریخ ابن کثیر شامی و مثالب کلبی و روض الانف دیکھی جائے سارا پتہ چل جائیگا۔ مدعی صاحبان چونکہ خلیفہ صاحب کو اپنا پیشوائے دین جانتے ہیں بنا براں مجھ کو تہذیب اجازت نہیں دیتی کہ اُنکے نسب کے کچے سوت کو عام کچہری میں کھلا ہوا بکر سلجھاؤں۔

لیکن بطورِ مثال جسکو فقط عدالت سمجھ لے کچھ اتہ پتہ دیتا ہوں۔ خالد بن ولید جن کو
مدعی صاحبان مسلمانوں کا پہلوان بلکہ اُس سے بڑھ کر سیف اللہ جانتے ہیں۔ اور
ہاں خوب یاد آیا جنھوں نے مالک بن نویرہ مرد مسلمان کو بالزامِ ردّت قتل کر کے بلا انقضاءِ
عدہ اُسی شب کو اُس کی زوجہ سے ہم بستری کی تھی عمر صاحب کو ابن حنتمہ کہا کرتے تھے
باپ کا نام چھوڑ کر کسی شخص کو ماں کے نام سے پکارنا بین العوام والخواص مجہول
النسب اور بے پتہ لوگوں کے لیے جاری ہے۔ مثلاً دل پسند یا گلِ داودی یا شکورن
یا ہمیشہ بہار کا بیٹا جب کسی کو کہا جائیگا تو فوراً سننے والے کو تمیز ہو جائیگی کہ یہ شخص
غیر ٹکسال ہے۔ پس خالد کا ایسے ذی عزت شخص کو جو کہ سلطنتِ اسلام کا زبردست
مالک تھا مسماۃ حنتمہ کے نام سے پکارنا اُن واقعات کا تائید کرنیوالا ہے جو کہ کتب
مذکورۂ بالا سے عدالت کو دکھائے گئے ہیں۔ سوائے ازیں ازالۃ الخفا مولفہ شاہ
ولی اللہ کے صفحہ ۱۸۳ پر لکھا ہے کہ عمر ابن العاص وزیرِ معاویہ حضرت عمر کو صحیح النسب
نہ بتلاتے تھے۔ بلکہ ایک نوع کی اُنکی طہارتِ ولادت میں قدح کیا کرتے تھے۔ یہ
بات ظاہر ہے کہ اپنی جنس کے آدمی کو ہر شخص اچھی طرح جانا پہچانا کرتا ہے۔ خیریت
سے یہ عمرو عاص بھی ابنِ کثیر تھے۔ سجاد حسین بارھوی نے رسالہ تحقیقِ جدید میں کتب
اہلسنّت سے لکھا ہے کہ بعد ولادت عمرو ابن العاص چار شخصوں نے دعوےٰ کیا کہ یہ مولود
ہمارا ہے۔ جب قصہ زیادہ بڑھا اور خریداران میں نوبت بہ تکرار پہنچی تو اُنکی والدۂ محترمہ
کے بیان پر تصفیہ نزاع ٹھیرا۔ انہوں نے غایتِ انصاف سے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ
ہر چہار مدعیانِ مولود برسرِ حق ہیں۔ میرا بوقت واحد سب سے دوستانہ تعلق رہا ہے
میں قطعی طور پر نہیں بتلا سکتی کہ منجملہ متنازعین کے یہ درحقیقت کسکا نطفہ ہے اہلِ نظر
دیکھ لیں کہ زیادہ تر اسکی صورت کس سے ملتی ہے جس سے مشابہ ہو وہی اپنا نطفہ تصور
فرمائے۔ نظر بازوں اور قیافہ شناسوں نے عاص کے تئیں ہمشکل قرار دیکر اُسی کا بیٹا
ہونا تجویز کیا پس ایسے خوش نسب کا درباب نسب جناب عمر تشنیع کرنا انتہا کا نقابلِ قدر
ہے۔ تحقیقاتِ انساب میں بہ نسبت مردوں کے عورتوں کو زیادہ دخل ہوتا ہے۔ اور

عیب جوئی گویا انکا خاص حصہ ہے۔ لہذا عورات مکہ بھی حضرت دوم کو انھی القاب سے یاد کرتی ہیں جیساکہ مجہول الحال لوگوں کے باب میں دستور ہے۔ ازالۃ الخفا کے صفحہ ۱۵۱ پر لکھا ہے کہ مساۃ خولہ حضرت عمر کا اوج موج روزافزوں دیکھکر تعجب سے کہا کرتی تھیں کہ صدقے تیری شان کے ابن حنتمہ عُمر اسے عمر بنا۔ عمر سے امیرالمومنین بنا۔ آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔ ہر شخص گو کہ کیسا ہی کیوں نہو اپنی دو تین پشت تک کا پتہ اوپر تک چلا سکتا ہے۔ لیکن حضرت دوم کچھ ایسے بھولے بھالے اور سادہ طبیعت بنے کہ عندالاستفسار اہل مکہ کچھ اوپر تک اپنا نسب نامہ نہ سُنا سکے۔ ازالۃ الخفا کا صفحہ ۲۱۵ بتائید کلام خود پیش کرتا ہوں۔ قطع نظر ان سب باتوں کے ایک اور بات ایسی ہے جس سے مجھ کو کیا ہر سننے والے کو بڑا قوی شبہ خلیفہ کی بدنسبی پر پیدا ہوسکتا ہے اور اُن سب واقعات کی بخوبی تائید ہوسکتی ہے جنکو بعد ملاحظہ کُتب عدالت معلوم کر چکی ہو وہ بات یہ ہے کہ کنزالعمال کے باب الحدود میں صفحہ ۲۳۹ پر لکھا ہے کہ ابو ہریرہ نے حدیث بیان کی کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ ولدالحرام شرالثلثہ ہوتا ہے۔ یعنی زانی وزانیہ سے یہ تیسرا نتیجہ زنا بدتر ہوتا ہے۔ شیخ عبداللہ عمر صاحب کے بیٹے یہ سُنکر گھبرا گئے۔ چیں بہ جبیں ہوکر فرمانے لگے کہ یہ حدیث غلط ہے۔ بلکہ حرامی خیرالثلثہ ہوتا ہے یعنی دونو حرامکاروں پدر و مادر سے خوشتر میں نہیں سمجھ سکتا کہ بمخالفت ابو ہریرہ تکذیب حدیث نبوی کرکے عبداللہ ابن عمر کیوں ایسے شخص کی حمایت پر کمربستہ ہو گئے جسکی بُرائی پر تمام عالم کو اتفاق ہے۔ ضرور ہے کہ غیر حلالی کے اچھا سمجھنے میں اُنکے واسطے کوئی نہ کوئی عمدہ پہلو نکلتا ہو گا ورنہ ایسی بات پر جسکی بُرائی مسلمات تمام عالم سے ہے کبھی اصرار نہ فرماتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے اشخاص کی جنکو تمام زمانہ بُرا جانتا ہے اچھا سمجھنے میں مدعیان کا کوئی خاص فائدہ ہے۔ امام راغب الاصفہانی کتاب محاضرات میں لکھتے ہیں کہ حلالی سے حرامی نجیب تر ہوتا ہے۔ اور نیز اُسکے قوائے بدن چاق و درست و مضبوط ہوتے ہیں۔ باینوجہ کہ جب آدمی منکوحہ عورت سے گرم مباشرت ہوتا ہے تو بوجہ مشق روزانہ چونکہ طبیعت سیر ہوتی ہے لطف پورا نہیں ہوتا۔ کچھ اپنی

خواہش کچھ گھر والی کی خاطرداری سے ویسے ہی گھسر پھسر کر لیا جاتا ہے۔ اِسی وجہ سے بچہ بے بجا اور کمزور ہوتا ہے۔ اور جو اولاد بروئے زنا ہوتی ہے سبحان اللہ اُسکا کیا کہنا۔ بوقتِ مجامعت جانبین کا اشتیاق زوروں پر ہوتا ہے۔ ہزار داؤں دھوکے سے گھڑی دو گھڑی ملنے کی نوبت پہنچتی ہے۔ عالمِ جوش میں شدّتِ انتشار سے اور نعوظ سے رگیں پھٹ پڑتی ہیں۔ فرطِ شوق میں نہایت جست و خیز کرکے نطفہ داخلِ رحم ہوتا ہے۔ اُس کے ساتھ جوہرِ بدن متحرک ہو کر بِل بِلا جاتا ہے جس سے بچہ قوی اور عقیل و نجیب حاصل ہوتا ہے۔ عبارت متعلق بہ مضمون بالا یہ ہے قال قدامۃ اولاد الزّناء انجب لان الرّجل یزنی بشھوۃ ونشاط فیخرج الولد کاملا وما یکون علی الحلال فمن تصنع الرّجل الی المراۃ۔ علامہ قطب الدین شیرازی نے تو عقل و دانش کو حرامی کی ذات سے مخصوص کر دیا ہے۔ چنانچہ کتاب احقاق الحق میں بحوالہ نزہۃ القلوب لکھا ہے کہ معاویہ و عمر ابن العاص کو جو حدّتِ ذہن و رزانتِ عقل و ذکاءِ طبیعت۔ مادۂ متانت و فطانت حاصل تھا اُسکی وجہ یہی ہے کہ دونو بزرگوار زنے وہی تھے۔ عبارت یہ ہے قال قدامۃ اولاد الزّناء فقد انجب لان الرّجل یزنی بشھوۃ ونشاط فیخرج الولد کاملا وما یکون من الحلال فمن تصنع الرّجل الی المراۃ ولھذا کان عمر ابن العاص ومعاویۃ من دھاۃ النّاس ثمّ ساق الکلام فی بیان نسبھما علی وجہ ذکر فی کتاب ربیع الابرار ثمّ زاد علی ذلک و قال منھم زیاد ابن ابیہ بقول الشاعر ؎ شعر

الا ابلغ معویۃ بن حرب ۔ مغلغلۃ من الرجل الیمانی ۔ اتغضب ان یقال ابوک عفّ ۔ وترضی ان یکون ابوک زانی

ان معاملات سے ظاہر ہوتا ہے کہ علمائے مدعیان کو ایسے لوگوں کے ساتھ کوئی ایسی خصوصیت ہے کہ جس سے بدلائل فلسفی اُن کے فضائل چھانٹنے کے لیے آمادہ ہو گئی تاکہ ولدِ غیر طیّب کو دامِ نگاہوں میں وقعت ہو جائے اور وسی عوث کی طرح سب سوئے تازے پست و قوی نجا ہیں۔ کوئی اُسکو بقاعدہ تثلیث خیر الثلثہ کہتا ہے کسو کی صاحب حلالی سے افضل بلکہ عجیب تر فرماتے ہیں ایک حضرت عقل و دانش

اُسی کی ذات سے چسپاں سمجھتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی بڑے اُلٹ پھیر والے خوش نسب کی اس ترکیب سے عیب پوشی منظور رہے۔ عمر ابن العاص و معاویہ کو جو دہاۃ الناس یعنی عاقل و فرزانہ محض بوجہ متذکرۂ بالا بیان کیا گیا ہے اُسکی کوئی خاص لِم معلوم نہیں ہوتی کہ دو نو غیر معمولی مولود نے ایسا کیا کار نمایاں کیا تھا جس سے امتحان عقل و دانش میں تعریف کے ساتھ پاس حاصل کیا۔ سوچتے سوچتے واضح ہوا کہ ہر دو صاحب نے (وزیرے چنیں شہریارے چناں) بنکر خاندانِ رسولؐ سے آئی ہوئی حکومت کو نکالا۔ علانیہ منبروں پر حضرتِ امیرؑ کو بُرا کہا۔ اور کہلوایا۔ امام حسنؑ کو زہر دغا پلوایا۔ اُنکے مرنیکی خبر سنکر خوشی کی تکبیریں کہیں۔ اسواسطے عقلمند کہے گئے۔ ہرچند کہ خلیفۂ دوم بھی جنکی نسبت یہ بحث پیش ہے عند السّنیہ باوصف طول قامت اعلےٰ درجہ کے لوگوں میں داخل ہیں۔ مگر عمر ابن العاص سے گھٹے ہوئے تھے۔ اُس کی چند وجوہ معلوم ہوتی ہیں۔ اوّل یہ کہ عمر ابن العاص اشخاص کثیر التعداد کا نطفہ تھا اور جنابِ دوم گو کہ کیسے ہی کیوں نہوں مگر شخصِ واحد کے ثابت ہوئے ہیں۔ ابنِ کثیر و ابنِ قلیل میں ضرور کچھ فرق ہونا چاہیے۔ دوّم عمر ابن العاص بقولِ صاحبِ تحفہ مندرجہ باب دہم اُستادِ ابوبکر و عمر تھا۔ شاگرد و اُستاد میں کچھ امتیاز ہونا ضروری ہے۔ سوم عمر نے جنابِ امیرؑ کو اُنکے حقِ خداداد پر قبضہ نہ دیا۔ بلکہ اپنی مدبّرانہ رائے سے پہلے ایک ورق سادہ یعنی خلیفۂ اوّل کو حاکم بنایا اور خود وزیر بنکر جو ظلم چاہا اہلبیت پر کیا۔ بالآخر بروئے استخلاف بادشاہ بنگئے۔ عمر عاص نے بڑھی ہوئی کارروائی کی کہ قبضہ پائی ہوئی حکومت کو بزورِ تدابیر و جدال و قتال حضرت علیؑ کے ہاتھ سے نکال لیا۔ پس کسی شخص کو اُسکی چیز پر قبضہ نہ دینا اتنا قابلِ تعریف نہیں ہوتا جتنا کہ جمی ہوئی سلطنت سے قبضہ اُٹھا دینا داخلِ عقلمندی سمجھا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اِن کارگزاریوں سے عقل و تمیز کا نمبر اِن دو پر ڈالا گیا۔ شیعہ اولادِ زنا کی ہمیشہ مذمت کرتے رہے ہیں۔ اور سُنّی صاحبان اُن کے خلاف اس بات کے کوشاں رہتے ہیں کہ کسی ترکیب سے اِس بے اصل گروہ کا بول بالا اور مرتبہ بلند رہے۔ چونکہ شیعہ

کو قاطبۃً اِن لوگوں سے تنفّر ہے۔ اور سنّیوں کو تاسّف لہذا بمخالفت شیعہ مولوی حیدر علی صاحب فیض آبادی نے منتہی الکلام کے صفحہ ۵۵۷ پر صاف لکھدیا (بحمد اللہ کہ منقدین اہلِ حق از تخریج روایاتِ مذمتِ اولاد الزنا مبرّا اند) یعنی سنّیوں کے مذہب میں درباب مذمّتِ اولادِ زنا کوئی روایت نہیں ہے۔ اِسکا جواب جناب مولوی حامد حسین صاحب قبلہ نے استقصار الافحام کے صفحہ ۷۳۸ سے تا صفحہ ۷۸۴ جو دیا ہے وہ شاملِ رسالہ کرتا ہوں۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ شیعہ اس آوارہ گروہ کے مخالف ہیں۔ اور سنّی حامی و مددگار۔ علمائے مدعیان نے ہمارا مذاق اُڑایا ہے کہ ہر گاہ ولد الحرام اپنے قصد و ارادہ سے نہیں پیدا ہوا بلکہ ماں باپ کی بدکاری و سوءِ عملی سے روئے ظہور لایا اس صورت میں اُسکا کیا قصور ہے۔ مجرم ہیں تو مادر و پدر نہ کہ فرزندِ خوش سیر۔ یہ کلمہ بظاہر ایسا دل لگتا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ اکثر آدمی چکر میں آجاتے ہیں حقیقتِ معاملہ پر مطلع نہیں ہوتے۔ لہذا میں اُسکی حقیقت بیان کرتا ہوں شیعہ مدعا علیہم یہ نہیں کہتے کہ امرِ پیدائش میں مولود کا کوئی قصور ہے۔ بلکہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ سزائے زناکاری تو فاعل و مفعول ہی پائینگے مگر یہ شر الثلثۃ جسکو ابنِ عمر خیر الثلثۃ بتلاتے تھے۔ بوجہ بدنیتی و ناپاک سرشتی ایسا مجمع قبائح و منبع مفاسد ہوگا کہ سوائے دیگر برائیوں اور بداخلاقیوں کے عداوتِ اہلبیت بلا شراکتِ غیرے اُسکا مخصوص حصّہ ہوگا۔ چنانچہ شعرائے اسلام نے اسطرح پر اسکا تصفیہ کیا ہے کہ ؎ محبتِ شہِ مرداں مجو ز بے پدرے ÷ کہ دستِ غیر گرفتہ ست پائے مادرِ او ÷ یا یہ کہ ؎ بباشد جزاز بے پدر دشمنش ÷ کہ یزداں بہ آتش بسوزد تنش ÷ یا یہ کہ ؎ حلال زادہ شناسد علیؑ و آلش را ÷ چرا کہ نورِ دو دیدہ حلال زادہ علیؑ است ÷ چونکہ ہم شیعہ لوگوں کو اہلبیت نبوی سے خصوصیت ہے اور سنّیوں کو عداوت لہذا ہم اُنکے دشمنانِ قدیم کو صحیح نہ تھے بُرا جانتے ہیں۔ اور اہلسنّت اُن لوگوں سے محبت و موالات رکھکر اپنا پیشوائے دین سمجھتے ہیں۔ حسبِ مضمونِ اشعارِ بالا ہمارا یہ مقولہ ہے کہ عدوئے اہلبیت کبھی حلالی نہیں ہوتا۔ علمائے مدعیان کہتے ہیں کہ یہ بات کوئی ضروری نہیں حلالی کبھی

دشمنِ اہلبیت ہوسکتا ہے۔ مدعی صاحبان چونکہ اپنے بزرگواران کی شرافت ذاتی سے خوب واقف ہیں لہذا اُنکو یہ تردد ہوا کہ عداوتِ اہلبیت ایسی چیز نہیں جو چھپائے سے چھپ سکے۔ ضرور ہے کہ کتب بینی سے اُسکا راز کھل جائیگا۔ لیکن اگر یہ درپردہ کارروائی بھی دشمنانِ آلِ طیب کے لیے ایک کسوٹی قرار دی گئی تو عامۃ الناس کی میزانِ عناد پر ایک اور چھٹنکی چڑھ جائیگی۔ اور اقتدارِ خلفاء نظرِ خلائق میں کچھ نہ رہیگا۔ لہذا اُنھوں نے بخیالِ حفاظتِ خلفاء اولادِ زنا کی فضیلت میں گرم زبانی شروع کردی۔ اور قطعی منکر ہوگئے کہ ہمارے مذہب میں اولادِ زنا کی کوئی مذمت نہیں ہے۔

سوالِ عدالت از وکیل مدعا علیہم

ہرگاہ تمہارے نزدیک عدوئے اہلبیت سوائے غیر معمولی کے اور کوئی نہیں ہوسکتا لہذا بتلائیے کہ وہ لوگ جو کہ قطعی طور پر مجہول النسب ہیں اور محبتِ اہلبیت اُنکی طبایع میں بمثلِ ولد الحلال لوگوں کے راسخ و مستقر ہے۔ زیارتِ کربلا و حجِ بیت اللہ سے بھی فیضیاب ہوئے ہیں۔ نماز و روزہ و جمیع احکامِ شرعیہ کی پابندی کی ہے اور اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَعَلِیٌّ وَّلِیُّ اللّٰہِ کے لفظ پر اُنکا خاتمہ ہوا ہے اُنکا کیا حال ہوگا۔ اور وہ جنت میں جائینگے یا دوزخ میں؟

جوابِ نثارِ پنجتن وکیل شیعہ

بہت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ عداوتِ اہلبیت کے لیے حرام زادگی ایسی ضروری ہے کہ جیسے سَو روپیہ سے زیادہ کی دستاویز کو تصدیقِ رجسٹری۔ مگر یہ ضرور نہیں ہے کہ ہر ولد ناجائز خواہ مخواہ دشمنِ اہلبیت ہی ہو۔ بلکہ ضرور یہ ہے کہ آلِ رسول کا دشمن طہارتِ نطفہ کے شرف سے بے نصیب ہوگا جس کسی کو ہم دشمنِ اہلبیت دیکھینگے اُسکو یقینی طور پر غیر صحیح سمجھینگے۔ کیونکہ ولد الحلال سے اُنکی دشمنی ایسی ہی ناممکن و محال ہے کہ جیسے سَو روپیے کے سادے قبالہ سے ڈگری۔ اس سے اور صاف و دشمنا

مثال پیش کرتا ہوں جس سے عدالت بخوبی سمجھ جائیگی۔
مثال۔ گورنمنٹ کی نوکری سوائے کسی خاص وجہ کے نہیں مل سکتی۔ مگر سند یافتہ مدارس کو۔ لیکن ہر تعلیم پایا ہوا شخص اگر چاہے کہ بوجہ سند ضروری طور پر لازم ہو جائے یہ نہیں ہو سکتا۔ بایں عنوان نوکری کے لیے مدرسہ کا پاس لازمی ہے نہ کہ سارٹیفکٹ کے لیے ملازمت۔ ایسے ہی بغض اہلبیتؑ کے لیے نقص نطفہ ضروری ہے۔ نطفۂ ناتحقیق کے واسطے بغض لازمی نہیں۔ جو لوگ کہ باوصف مجہول النسب ہونیکے دوستدار اہلبیتؑ ہیں وہ اُنکے ساتھ ضرور ہونگے۔ اور دیگر اشخاص عبداللہ ابن عمر کا دامن رحمت سنبھالے ہوئے ہونگے۔ جو کہ خیر الثلثہ کے معتقد تھے۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ایسے آدمی عمل نیک و محبت اہلبیتؑ کے ثمرے سے محروم رہیں۔ ورنہ جبر خدا لازم آجائیگا۔ جو کہ مذہب شیعہ میں قطعًا حرام ہے۔ خدا کا ملک وسیع ہے۔ ایک نہیں بلکہ آٹھ بہشت ہیں ممکن ہے کہ منجملہ متعدد بہشتوں کے ارم شداد میں جگہ دے جسکو قرآن میں (لم یخلق مثلہا فی البلاد) کہا گیا ہے۔ میں نے اسوقت تک حضرت عمر کے باب میں جسقدر گفتگو کی ہے وہ سب دبے ہوئے لفظوں میں کیونکہ مدعی صاحبان کا قاعدہ ہے کہ جواب نہیں دیتے۔ عدالت میں کھڑے ہوکر بہر کھجانے لگتے ہیں۔ صدہا مقدمات برپا کرکے تکلیف دہ عدالت ہو چکے ہیں۔ کبھی کنشاپ پر استغاثہ ہوا۔ گاہے برق لامع کے شاکی ہوئے۔ ڈپٹی امجد علی خاں صاحب بہادر متوطن امروہہ نے ناصر الایمان لکھکر عبارات عربیہ کا اُردو میں ترجمہ فرمادیا تھا۔ ہزاروں جُلاہے لٹھ لیکر چڑھ گئے۔ لہذا میں خود کچھ نہیں کہتا۔ جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ کا ارشاد ہدایت بنیاد درباب نسب حضرت عمر پیش کرتا ہوں۔ اُسکے معاینہ سے واضح ہو جائیگا کہ آپکا نسب درحقیقت کیسا تھا۔ اگر وکیل صاحب یا اُنکے موکل میرے ثبوت سے ناراض ہوں تو غصہ کا جوش نبیؐ پر نکالیں مجھکو معاف فرمائیں۔ ابن حجر مکی بہ صواعق محرقہ و سیوطی بہ تاریخ الخلفاء و شیخ جمال الدین محدث بہ روضۃ الاحباب و بیہقی بہ دلائل النبوۃ لکھتے ہیں کہ ایک روز عمر بارادہ قتل خیر البشر

تلوار حمائل کرکے نبیؐ کے گھر پر تشریف لائے۔ دروازہ پر حضرت امیرؑ و جناب حمزہؓ و طلحہ بیٹھے ہوئے تھے۔ خلیفۂ دوم کو باین شان دیکھکر گرم کلام ہوئے۔ ہر دو فریق کی بلند کلامی سُنکر حضرت باہر آئے۔ اور عمر کی قمیص پکڑکر فرمایا کہ تو اپنی حرکات نازیبا سے باز نہیں آتا۔ اگر تیری یہی شورش رہی تو میں خدا سے دعا کرونگا کہ جن لفظوں میں ولید ابن مغیرہ کو اُسنے رسوا فرمایا ہے اُنہی الفاظ میں تجھ کو بھی بہ نگاہِ عامۃ الناس خوار ذلیل کرے۔ ہر سہ کتب کی عبارت نقل کرتا ہوں تاکہ وکیلِ مُعیان پر حجت ہوکر اطمینانِ خاطر عدالت ہو جائے۔

عبارتِ صواعق محرقہ۔ ینزل اللّٰہ بك عن الخزی والنکال ما انزل بالولید ابن المغیرۃ ترجمہ آنحضرتؐ نے بمخاطبۂ عمر فرمایا کہ خدا تجھ پر وہ خواری و رسوائی نازل کریگا جو ولید ابن مغیرہ پر وارد ہوئی ہے۔

عبارتِ تاریخ الخلفاءِ سیوطی۔ ان النبیؐ قال مخاطبا لعمر ما انت بمستنع یا عمر حتے ینزل اللّٰہ بك من الخزی والنکال ما انزل بالولید بن المغیرۃ۔ ترجمہ حسب بالا

عبارتِ روضۃ الاحباب۔ عمر در خانۂ حمزہؓ را بکوفت۔ وے بیرون آمد دید کہ عمر شمشیر بر دوش نہادہ گفت اے عمر طمع داری کہ بر محمدؐ دست یابی و حالانکہ ما جماعتے ایم از فرزندان عبد المطلب ایں معنے کہ بہم می رسد کہ تو ارادۂ آں داری۔ چوں رسولِ خدا نام عمر شنید بیرون آمد و گفت اے عمر مسلمان شو و الاّ حق تعالے بر تو بفرستد آنچہ بفرستادہ خدا ولید ابن مغیرہ را عمر چوں از حضرتؐ ایں سخن شنید از ہیبت بند در بندش بلرزید و شمشیر از دست وے بر افتاد، سر در پیش افگند و گفت اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ و انك رسول اللّٰہ۔

میں حضرتِ عمر کی رائے اور مصلحت وقت پر عامل ہونیکی بڑی تعریف کرتا ہوں کہ اُنہوں نے اپنے ذاتی کمالات پر ناز کرکے دوراندیشی کے بجائے خوفِ رسوائی کلمہ پڑھ لیا ورنہ مثل ولید بید کوئی آیت اُنکی شان میں بھی نازل ہوکر ہمیشہ تاریخ میں پڑھی جاتی مجھیاں لیونٹیج مطلب وہ اب بھی پیش کیے دیتا ہوں جو کہ حق ولید نازل ہوئی ہے۔ اور جس سے آنحضرتؐ نے عمر کو خوف دلایا تھا۔

مثال پیش کرتا ہوں جس سے عدالت بخوبی سمجھ جائیگی۔
مثال۔ گورنمنٹ کی نوکری سوائے کسی خاص وجہ کے نہیں مل سکتی۔ مگر سند یافتہ مدارس کو۔ لیکن ہر تعلیم پایا ہوا شخص اگر چاہے کہ بوجہ سند ضروری طور پر ملازم ہو جائے یہ نہیں ہوسکتا۔ بایں عنوان نوکری کے لیے مدرسہ کا پاس لازمی ہے نہ کہ سارٹیفکٹ کے لیے ملازمت۔ ایسے ہی بغضِ اہلبیتؑ کے لیے نقصِ نطفہ ضروری ہے۔ نطفہ ناتحقیق کے واسطے بغض لازمی نہیں۔ جو لوگ کہ باوصف مجہول النسب ہونیکے دوستدار اہلبیتؑ ہیں وہ اُنکے ساتھ ضرور ہونگے۔ اور دیگر اشخاص عبداللہ ابنِ عمر کا دامن رحمت سنبھالے ہوئے ہونگے۔ جو کہ خیر الثلٰثہ کے معتقد تھے۔ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ایسے آدمی عملِ نیک و محبتِ اہلبیتؑ کے ثمرے سے محروم رہیں۔ ورنہ جبرِ خدا لازم آجائیگا۔ جو کہ مذہبِ شیعہ میں قطعاً حرام ہے۔ خدا کا ملک وسیع ہے۔ ایک نہیں بلکہ آٹھ بہشت ہیں ممکن ہے کہ منجملہ متعدد بہشتوں کے ارمِ شداد میں جگہ دے جسکو قرآن میں (لم یخلق مثلها فی البلاد) کہا گیا ہے۔ میں نے اسوقت تک حضرتِ عمر کے باب میں جسقدر گفتگو کی ہے وہ سب دبے ہوئے لفظوں میں کیونکہ مدعی صاحبان کا قاعدہ ہے کہ جواب نہیں دیتے۔ عدالت میں کھڑے ہو کر سر کھجانے لگتے ہیں۔ صدہا مقدمات برپا کرکے تکلیف دہِ عدالت ہوچکے ہیں۔ کبھی کتاب پر استغاثہ ہوا گاہے برقِ لامع کے شاکی ہوئے۔ ڈپٹی امجد علی خاں صاحب بہادر متوطنِ امروہہ نے ناصر الایمان لکھکر عباراتِ عربیہ کا اُردو میں ترجمہ فرمادیا تھا۔ ہزاروں جُلاہے لٹھ لیکر چڑھ گئے۔ لہٰذا میں خود کچھ نہیں کہتا۔ جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ کا ارشادِ ہدایت بنیاد در بابِ نسب حضرت عمر پیش کرتا ہوں۔ اُسکے معائنہ سے واضح ہو جائیگا کہ آپکا نسب درحقیقت کیسا تھا۔ اگر وکیل صاحب یا اُنکے موکل میرے ثبوت سے ناراض ہوں تو غصہ کا جوش نبیؐ پر نکالیں مجھکو معاف فرمائیں۔ ابنِ حجر مکی بہ صواعق محرقہ و سیوطی بہ تاریخ الخلفاء و شیخ جمال الدین محدث بہ روضۃ الاحباب و بیہقی بہ دلائل النبوۃ لکھتے ہیں کہ ایک روز عمر بارادہ قتل خیر البشر

تلوار حمائل کرکے نبیؐ کے گھر پر تشریف لائے۔ دروازہ پر حضرت امیرؑ و جناب حمزہؓ و طلحہ بیٹھے ہوئے تھے۔ خلیفۂ دوم کو بایں شان دیکھکر گرم کلام ہوئے۔ ہر دو فریق کی بلند کلامی سُنکر حضرت باہر آئے۔ اور عمر کی قمیص پکڑ کر فرمایا کہ تو اپنی حرکات نازیبا سے باز نہیں آتا۔ اگر تیری یہی شورش رہی تو میں خدا سے دعا کرونگا کہ جن لفظوں میں ولید ابن مغیرہ کو اُسنے رسوا فرمایا ہے اُنہی الفاظ میں تجھ کو بھی بہ نگاہِ عامۃ الناس خوار ذلیل کرے۔ ہر سہ کتب کی عبارت نقل کرتا ہوں تاکہ وکیلِ مدعیان پر حجت ہو کر اطمینان بخشِ عدالت ہو جائے۔

عبارتِ صواعقِ محرقہ۔ ینزل اللہ بك عن الخزی والنکال ما انزل بالولید ابن المغیرۃ ترجمہ آنحضرتؐ نے بمخاطبہ عمر فرمایا کہ خدا تجھ پر وہ خواری و رسوائی نازل کریگا جو ولید ابن مغیرہ پر وارد ہوئی ہے۔

عبارتِ تاریخ الخلفاءِ سیوطی۔ ان النبیؐ قال مخاطبا لعمر ما انت بمنتہ یا عمر حتے ینزل اللہ بك من الخزی والنکال ما انزل بالولید بن المغیرۃ۔ ترجمہ حسبِ بالا

عبارتِ روضۃ الاحباب۔ عمر در خانۂ حمزہؓ را کوفت۔ وے بیرون آمد دید کہ عمر شمشیر بر دوش نہادہ۔ گفت اے عمر طمع داری کہ بر محمدؐ دست یابی و حالانکہ ما جماعتے ایم از فرزندان عبدالمطلب این معنے کہ بہم می رسد کہ تو ارادہ آں داری۔ چوں رسولِ خدا نام عمر شنید بیرون آمد و گفت اے عمر مسلمان شو والا حق تعالے بر تو بفرستد آنچہ بفرستادہ خدا ولید ابن مغیرہ را عمر چوں از حضرتؐ این سخن شنید از ہیبت بند در بند ش بلرزید و شمشیر از دست وے بر افتاد در سر در پیش افگند و گفت اشہد ان لا الہ الا اللہ و انك رسول اللہ۔

میں حضرتِ عمر کی رائے اور مصلحت وقت پر عامل ہونیکی بڑی تعریف کرتا ہوں کہ اُنہوں نے اپنے ذاتی حالات پر نظر کرکے فوراً بخوفِ رسوائی کلمہ پڑھ لیا ورنہ مثل ولید بیدِ کوئی آیت اُنکی شان میں بھی نازل ہو کر ہمیشہ تراویح میں پڑھی جاتی مجیبان بوضع مطلب وہ آیت بھی پیش کئے دیتا ہوں جو کہ بحقِ ولید نازل ہوئی ہے۔ اور جس سے آنحضرتؐ نے عمر کو خوف دلایا تھا۔

سورۂ نون والقلم۔ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ۝ أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ۝ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ (ترجمہ) اے محمد انہ کہا مان ہر ایک قسم کھانیوالے ذلیل و غیبت کنندہ و چغل خور و مانع امر خیر و بیرون روندہ حدود الٰہی و بجز وسخت کلام و نطفہ حرام کا) تفسیر کبیر جلد ہشتم مطبوعہ قسطنطنیہ صفحہ (۲۶۵ و ۲۶۶) و تفسیر مدارک و تفسیر حسینی کے ملاحظہ سے عدالت پر واضح ہوجائیگا کہ آیت بالا ولید کے باب میں نازل ہوئی ہے۔

آیۂ موصوف القدر میں ولید کے دس عیبوں کا اظہار کیا گیا ہے۔ از انجملہ سب سے آخر حرامزادگی کو خدا نے ظاہر فرمایا ہے۔ رسول مقبول نے جو حضرت عمر کو مماثل و مشاکل ولید قرار دیا اس سے ہمکو پورا یقین کرنیکی گنجائش ملتی ہے کہ قبل از اسلام جناب دوم اُن تمام صفات کے حامل تھے جن سے ولید بحکم آیہ موصوف تھا۔ اگر وہ ہم رتبہ ولید نہوتے تو مخبر صادق کبھی ایسی سخت دھمکی نہ دیتے اور قسم کا خوف دلاتے۔ دباو ڈالتے مگر ولید کا ہم ترازو نہ بتلاتے۔ اگر جناب دوم ایمان ظاہری نہ لاتے تو ضرور رہے کہ رسول پاک خدا سے التجا فرماتے اور بر بنائے دعائے رسول خدا کی جانب سے بواسطہ جبرئیل علیہ السلام اُنکے لیے بھی وہی دس پارچہ کا خلعت آتا جو کہ اُنکے پیر بھائی ولید کو آیا تھا۔ مگر اُنکا کلمہ پڑھ لینا عدم نزول رسوائی کا سبب ہوگیا۔ اس موقع پر مجھ کو اور نیز ہر اہل عقل کو یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ منجملہ نو صفات مندرجہ آیہ نون والقلم کے کس نصیحت سے حضرت عمر بچے اور کس سے محفوظ نہ رہ سکے۔ آیۂ موصوفہ بالا میں نو باتوں مثل چغل خور و مانع امر خیر وغیرہ کا تعلق عادات و اخلاق انسانی سے ہے۔ اور دسویں بات متعلق بہ نجاست ولادت ہے۔ نو باتیں ایسی ہیں کہ جنکو آدمی ترک کر سکتا ہے اور دسویں کا دور کرنا اُس کے یا ہر کسی کے اختیار سے باہر ہے۔ ہرگاہ رسول پاک عمر صاحب کو ثانی ولید فرما چکے تو لازم آیا کہ ہم بروئے عقل یہ یقین کریں کہ وہ دسویں صفت ولید میں غالب حصہ دار تھے۔ اگر ایسا یقین نہ کرینگے تو مخبر صادق

کی لغو گوئی قرار پائیگی۔ کیونکہ اگر حضرت عمر ویسے نہوتے تو نبی کبھی بھی اُنکو نظیرِ ولید نہ بتلاتے۔ یہ امر بھی قابلِ خیال ہے کہ ولید کی جو زیادہ تر رسوائی منظورِ جناب باری ہوئی اُن میں غالب وجہ حرامزادگی ہے۔ ورنہ صرف چغل خوری و مانع امرِ خیر ہونا وغیرہ وغیرہ اس قسم کی صفات میں داخل نہ تھا جس سے ولید کی تفضیح بہ نظرِ عامۃ النّاس ثابت ہوتی۔ اگر حضرت عمر صرف نو صفات میں شریکِ ولید ہوتے اور دسویں صفت میں کوئی حصہ اُنکا نہوتا تو نبی کبھی اُنکو خوف نہ دلاتے۔ اور نہ عمر صاحب بفورِ سماعتِ ارشادِ رسولؐ چغل خوری وغیرہ کو باعثِ فضیحت خیال کرکے اسلام قبول فرماتے۔ چونکہ ہر شخص اپنی نسبی حالت سے پوری واقفیت رکھتا ہے لہذا حضرتِ عمر ڈر گئے کہ اگر مسلمان نہیں ہوتا تو داخل دفتر شدہ مسل برآمد ہو کر عوام النّاس کی واقفیت کا سبب ہو جائیگی۔ لہذا اُنہوں نے دائرۂ اسلام میں قدم رکھکر پچھلی نازیبا حالتِ نسبی پر پردہ ڈالدیا۔ سید سجّاد حسین بارھوی نے رسالۂ تحقیق جدید میں اِس واقعہ کو بطرزِ دلپسند بیان کیا ہے۔ سیدِ موصوف الصدر نے یہ بھی دکھلایا ہے کہ مسلمان ہونیکے بعد بھی حضرتِ عمر کی ذاتِ خجستہ سے وہ خصائلِ ظاہری جنکا حامل ولید تھا یعنی بدمزاجی و چغل خوری وغیرہ دفع نہوئی تھیں۔ چنانچہ ایک شخص نور الدین ساکن پٹیالہ اِسی بحث کو دیکھکر شیعہ ہوا ہے۔ رسالۂ تحقیق جدید ثبوت میں پیش کرتا ہوں نتیجۂ کلام یہ برآمد ہوتا ہے کہ اگر فی الواقع جناب عمر دسویں صفت مندرجۂ آیت سے موصوف نہ تھے تو رسولِ پاک نے اِنکو دھوکا دیکر مسلمان کیا اور جو عیب کہ اُن میں نہ تھا اُسکو زبردستی اُنکی ذات میں داخل بتلایا ہے۔ اس جگہ دو شخصوں پر الزام وارد ہوتا ہے۔ ایک نبیؐ اور دوسرے اُنکے ذی عزت خلیفہ پر نبیؐ پر الزام دھوکا دہی اور لغو گوئی کا ہے۔ اور خلیفہ پر بدنسبی کا۔ دیدہ باید وکیل مدعیان ہر دو بزرگوار سے کس کے بچانے میں کوشش فرماتے ہیں۔ اگر ہزار سال وکیل صاحب محنت کرینگے حضرتِ عمر کو بدنسبی کے پھندے سے نہ نکال سکینگے۔ مشکل یہ واقع ہو گئی ہے کہ اگر حضرت عمر کو خوش نسب بتلاتے ہیں تو نبیؐ کی تکذیب لازم آتی ہے

نبیؐ کو عبث گو کہتے ہیں تو ظاہری اسلام جاتا ہے۔ چونکہ رسولِ پاک نے حضرت عمر کو باعتبارِ ولادت مثیلِ ولید قرار دیا ہے لہذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ بطر فداریِ آنحضرتؐ ایسا ثبوت دکھلائے جس سے باعتبارِ واقعہ تصدیقِ ارشادِ نبیؐ ہو جائے۔ لہذا میں کتابِ لسان الواعظین کے ایک مقام کا جسکا تعلق جناب عمر کے نسب سے ہے صحیح صحیح اردو میں مطلب بیان کرتا ہوں۔ اُسکے معائنہ سے عدالت پر واضح ہو جائیگا کہ ہمارے نبیؐ کا بیان کس درجہ پر سچائی کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ اور عمر صاحب کو ولید کا ہم نسب بیان کرنے میں وہ کس حد تک صحیح القول ہیں۔

مضمونِ لسان الواعظین

منقول ہے کہ حضرت عبد المطلب کی ایک حبشیہ کنیز تھی جسکا نام نامی بی ضحاکہ تھا۔ مگر طبیعت میں چلبلاہٹ وحرارت زیادہ تھی بدیں وجہ مرتکب بے احتیاطی ہو جاتی تھیں۔ چونکہ ایسے آدمی کی نگہبانی بہ مشکل ہوتی ہے لہذا انکو بہ نظرِ حفاظت ایک چرمی پاجامہ پہنا کر مزید برآں ایک قفل لگایا گیا تھا تاکہ وہ بگیہ نہ کھل سکے۔ اس حیثیت سے وہ بدکار جنگل میں اونٹ چرایا کرتی تھی۔ ایک روز نفیل عمر کے دادا سے ملاقی ہوئی۔ یہ حضرت بھی اربابِ شوق سے تھے۔ زنِ حبشیہ کی زلفِ پیچدار نے مانندِ مارِ پر پیچ طبیعت کو تڑپا دیا۔ عالمِ شوق میں دست دبغل ہوئے۔ مگر بندِ ازار مانع کار رہا۔ درخت میں لٹکا کر آہستہ آہستہ پاجامہ کھینچا۔ جب موقع پر پہنچ گیا منھہ کالا کیا۔ بعدِ انقضائے مدتِ معہود حضرت عمر کے پدرِ بزرگوار جنابِ خطاب پیدا ہوئے۔ اثرِ نطفہ کہاں جاتا ہے۔ یہ بچہ بالغ ہوتے ہی اُچھل کود کرنے لگا۔ اس زمانہ میں بی ضحاکہ کبیر السن ہو چلی تھیں۔ مگر پچھلا شوق جوانی گاہ گاہ مجبور کرتا تھا۔ اکثر نوخیز لڑکوں سے طبیعت خوش کر لیا کرتی تھیں۔ خطاب کو اپنی گود کا پالا سمجھ کر دامِ فریب میں لائیں۔ اور بالآخر اپنے جنگلی بیٹے سے آتشِ شوق پر آبِ نجس کا چھینٹا ڈلوایا۔ اُن سے بی بی حنتمہ (والدۂ عمر) نے سر و جود نکالا۔ چونکہ بقولِ مشہور ماں پر دھی پتا پر گھوڑا۔ لڑکی میں ماں کے اخلاق وعادات کا زیادہ اثر ہوتا ہے۔ لہذا یہ ہوئے بلوغ

کھاتے ہی مثلِ مادرِ گرامی ایک آفت روزگار و غارتگر عقل و ہوش ہوئیں۔ ایک روز دو نو بھائی بہن یعنی خطاب و حنتمہ بیٹھے ہوئے خوش فعلیاں کر رہے تھے۔ خطاب کا دل نہ رہ سکا جوشِ طبیعت سے عالمِ شوق میں ایک سے دو ہوا۔ تب یہ ثانی لاثانی یعنی خیر الثلثہ پیدا ہوئے۔ بسا مشکل ہے کہ اِس اُلٹے پلٹے رشتہ و تناسب کا کوئی محاسب بآسانی حساب کر سکے۔ لہذا بنظرِ تسہیل ابنِ حجاج بغدادی کا اُسی لسان الواعظین سے جسکا ترجمہ اوپر دیا ہے ایک شعر پیش کرتا ہوں جس میں پورا حساب اِس سود بالائے سود کالگا ہوا ہے۔ شعر ابنِ حجاج بغدادی ؎

مَن جدُّہٗ خالُہٗ وَوَالِدُہٗ ۔۔۔ وَاُمُّہٗ اُختُہٗ وَعَمَّتُہٗ

حسبِ فحوائے شعرِ مذکور خطاب عمر کا جدِ فاسد یعنی نانا۔ ماموں اور باپ ہوا اور حنتمہ محترمہ ماں۔ بہن اور پھوپھی اماں ہوئیں۔ باتفاقِ امت دشمنِ اہلبیتؑ ولد نا جائز ہوتا ہے لہذا جناب عمر چونکہ سرکردہ مبغضین و راس و رئیس معاندینِ خاندانِ نبوت ہیں لہذا چند گردشیں کھا کر روئے ظہور لائے۔ دیگر دشمنانِ اہلبیتؑ بھی گو کہ بمفادِ ع نباشد جز از بے پدر دشمنش + ولدِ صحیح نہیں مانے جا سکتے۔ مگر بمثلِ جناب عمر انکی انساب میں اُلٹ پھیر نہیں دیکھا گیا۔ معمولی قسم کے غیر طیب لوگوں میں انکا شمار ہوا ہے۔ حضرت عمر اور دیگر دشمنانِ اہلبیتؑ میں فرق صرف اتنا ہے کہ حضرتِ دوم چونکہ معمارِ کمرۂ عداوت و موسس بنیادِ ظلم و شقاوت ہیں بنا بر آں رنگین برنگِ مختلف ہو کر بڑی اینٹھ مروڑ کے شخص معلوم ہیں۔ اور دیگر حضرات چونکہ معمارِ اول کے بنائے ہوئے مکانوں میں استراحت فرما ہوئے ہیں لہذا اُن پر فقط ایک ہی ڈوب چڑھا ہے۔

بعد بیان کرنے اِن تمام واقعات کے بہت ادب کے ساتھ عدالت کے سامنے عرض کرتا ہوں کہ جو شخص مثل باندی بچوں کے ماں کے نام سے پکارا جاتا ہو اور جسکا بیٹا عبد اللہ ابن عمر بردِ حدیث ابوہریرہ آوادہ گردہ کا مددگار بنکر خیر الثلثہ تبلاتا ہو اور کتبِ فریقین میں جسکا حال ایسے مکردہ طریقہ سے لکھا ہو جسکا استاد عمر ابن العاص

باوصف ابن الکثیر ہونیکے نسب میں قدح کرتا ہو۔ جس کو رسولِ مقبول نے باعتبارِ مجموعۂ صفاتِ ذمیمہ شبیہِ ولید بتلایا ہو۔ ایسے شخص سے جناب امیرؑ اپنی صغیر سن لڑکی کا عقد کیونکر کر سکتے تھے؟

رائے عدالت

اِس میں کوئی شک نہیں ہوسکتا کہ عدوئے خاندانِ رسالت بدنسب ہوتا ہے۔ کیونکہ سُنی و شیعہ نے اِس بات کو مان لیا ہے کہ جو شخص آلِ رسولؐ پر افتتاحِ بابِ ظلم کریگا یا آنکہ ایسے اسباب فراہم کرنے میں کوشاں ہوگا جسکا نتیجہ ہجِ اہلبیتؑ مضرت رساں ہو وہ بیشبہ طہارتِ ولادت سے بے نصیب ہے۔ شروع مقدمہ سے جسقدر دستاویزی شہادتیں وکیلِ مدعا علیہم نے ہمارے سامنے پیش کیں اُنکا ضرور یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سیدہؑ و جنابِ عمر میں انتہا درجہ کا اختلاف تھا۔ اور سیدہؑ کو بڑا صدمہ عمر صاحب کے ہاتھ سے پہنچا تھا۔ پس عمر کا عدوئے دینِ رسالت ہو کر اُس خلعت سے مزین ہونا جو کہ دشمنانِ آلِ طیب کے لیے خیاطِ ازل نے کتر بیونت کرکے آراستہ کیا ہے ہمارے لیے یہ باور کرنیکا پورا ذریعہ تھا کہ دعوئے عقد سراسر باطل ہے۔ مگر کتبِ مدعیان مدخلۂ وکیلِ مدعا علیہم کے معائنہ سے جن میں عمر کا بخوفِ تفضیح ایمان لانا لکھا ہے صاف ظاہر ہوگیا کہ نبیؐ عمر کو شبیہِ ولید بیان کرنے میں بالکل راستگو ہیں۔ ترجمۂ لسان الواعظین جو ہمارے سامنے پیش ہوا ہے وہ بالکل تائیدی ثبوت بنکر ہمکو یقین دلا رہا ہے کہ فی الواقع حضرتِ عمر ایسے ہی تھے لہٰذا ہم تجویز کرتے ہیں کہ علیؑ تو بجائے خود رہے ایسے پیچیدہ نسب سے تو دو ایک پشت سے بگڑا ہوا رذیل بھی اپنی لونڈی کا رشتہ کرنا پسند نہ کریگا۔

تنقیح پنجم

زنِ مومنہ سے اُسکے منافق یا کافر شوہر کو کوئی ایمانی مدد مل سکتی ہے یا مرد ایماندار زوجۂ منافقہ یا کافرہ کو کوئی دینی فائدہ پہنچا سکتا ہے؟

تقریرِ شارہ پنجتن وکیلِ مدعا علیہم

خدائے کریم نے اپنی قدرتِ بالغہ و انصاف سے کہ انتظام فرمایا ہے کہ ہر شخص کو اُنہی افعال

کی جزا اور سزا دی جاتی ہے جو کہ اُسکی ذات سے صادر ہوں۔ کسی کی نیک و بد حرکات دوسرے کے حق میں فائدہ و ضرر نہیں دے سکتیں۔ قانونِ سلاطینِ دنیا بھی اِسی پر متفرع ہے۔ باپ کے جُرم کی پاداش میں بیٹا سزا نہیں پا سکتا۔ ایسے ہی اگر بد آدمی کے گھر میں نیک نہاد عورت مُدام مشغولِ نماز و روزہ و خیرات و مبرات رہے اور عصمت و طہارت و نیک رفتاری میں اپنا عدیل نہ رکھتی ہو تو شوہر کو بوجہ کفر و نفاق کوئی مفادِ اخروی نہیں مل سکتا۔ بہت آدمی ایسے دیکھے جاتے ہیں کہ اُنکی عورتیں نیک و ابرار ہیں۔ اور وہ خود فاسق و ناہنجار۔ سزائے گُناہ کے وقت کوئی مجرم یہ کہنے کا حق نہیں رکھتا کہ مجھ کو قطعی بری کر دیا جائے کیونکہ میری بی بی بڑی صالحہ و ابرار ہے۔ دیکھیے فرعون جیسے اشد الناس کے گھر میں حضرت آسیہ علیہا السلام تھیں۔ مگر بوقت گرفتِ جنابِ باری فرعون کو اُن سے کوئی مدد نہ مل سکی۔ اگر میں بفرضِ محال فرض کر لوں کہ معاذ اللہ عمر سے اُمِ کلثوم کی شادی ہوئی تھی تو درحالیکہ حسب تحریر بالا افعالِ عمر صاحب صحیح نہ تھے تو اُن کو وہی نتیجہ ملیگا جو فرعون کو آسیہ کے زوجہ ہونے سے ملا۔ عمر صاحب نے جو بقولِ مدعیان بغرضِ حصول مفادِ آخرت یہ عقد کیا تھا نظر برآں اُسی وقت مفید ہو سکتا تھا جبکہ حضرت دوم صحیح الایمان ہو کر نفاق کے سیاہ دھبّہ سے صاف ہوتے۔ جیساکہ حسبِ گزارشِ بالا عورت کا ایمان مرد کے کار آمد نہیں ہو سکتا اُسی طرح مرد کا با ایمان ہونا منافقہ بی بی کو کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ ملاحظہ ہو کہ حضرتِ لوط و نوح علےٰ نبیّنا و علیہما السلام نے باوصف نبی برحق ہونیکے اپنی ازواج کو جو کہ کافرہ تھیں اور جنکا ذکر سورۂ تحریم میں موجود ہے کیا امداد دی۔ خود ہمارے نبیؐ کی دو ازواج عائشہ و حفصہ عرصہ دراز تک زیرِ ششِ ختمی مرتبت رہیں۔ ہر جزو بدن نبیؐ کا اُنکے بدن سے ملا مگر باایںہمہ اُنکے قلوب کی کجی اور طبیعت کی کدورت و فع نہوئی۔ (فقد صغت قلوبکما) مندرجہ سورۂ تحریم شاہد ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سورۂ موصوف کے آخر میں دونو امہات المومنین لوط و نوح علیہم السلام کی کافرہ عورتوں سے مثال دی گئیں مدعیان اکثر بنظر مردم فریبی

کہا کرتے ہیں کہ عائشہ و حفصہ سے رسولِ مقبول کے بدن بلکہ ہر عضو تن نے مس کیا۔ پس جن عورتوں سے ایسا اتفاق ہو وہ بقولِ شیعہ نارِ جہنم میں کیونکر داخل ہو سکتی ہیں۔ اُن لوگوں پر لازم ہے کہ چشمِ انصاف کھولکر دیکھیں کہ جسطرح ازواجِ انبیائے موصوفین باوصف زیرِ تصرف رہنے کے دوزخ کے کھولتے ہوئے پانی میں ڈالی جائینگی اُسی طرح یہ کج طبیعت اور تیرہ رائے عورتیں بھی جو کہ بحکم قرآن اُنکی ہم شبیہ و ہم مثل تھیں جا سکتی ہیں۔ خلاصہ کلام و انتہائے مرام یہ ہے کہ بلا ایمان کامل مرد عورت کے ذریعہ سے یا عورت مرد کے سبب سے نجات نہیں پا سکتی۔ اندرینصورت عمر کے لیے بفرضِ وقوع یہ عقد کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ وکیلِ مدعیان پر لازم تھا کہ بردِ مضامین رسالۂ نفاق الشیخین و رسالۂ سجادیہ خلیفہ کا باایمان مرنا ثابت کر لیتے تو بلا عقد بھی وہ مستحقِ جنت ہو سکتے تھے۔ اور بصورتِ نفاق اگر عقد در واقع ہوا بھی ہو تو اس سے زیادہ خلیفہ صاحب کو کوئی فائدہ نہیں دے سکتا جیسا کہ زوجیتِ آسیہ سے فرعون کو ملا۔

رائے عدالت

بعدِ سماعتِ بحث عدالت بھی یہی تجویز کرتی ہے کہ اگر تنقیحاتِ آئندہ میں عقد کا واقع ہونا ثابت بھی ہو جائے تب بھی سندِ ایمان جسکے عطا ہونیکی عدالت سے درخواست ہے بہ آسانی نہیں مل سکتی۔

تنقیح ششم

اگر عمر صاحب نے بعدم خواہش نسوان و فقدانِ مادۂ رجولیت عقد کیا تھا تو ایسی صورت میں اُنسے اولاد کا ہونا ممکن ہے۔

تقریر منشار بختین وکیل مدعا علیہم

جو شخص کہ ساٹھ برس کی عمر رکھتا ہو اور خود اقرار کرتا ہو کہ مجھ میں خواہش نفسانی مطلق نہیں رہی صرف بغرضِ حصولِ شرفِ آخرت عقد کرتا ہوں اُسکی نسبت بہ حکم اقرار العقلاء علیٰ انفسہم مقبول ضرور ماننا پڑیگا کہ خلیفہ بوقتِ شادی قوتِ رجولیت نہ رکھتا تھا۔

اور وہ ایسا ہی سُست و بیکار تھا جیسے کہ نا مرد معطل ہوتے ہیں۔ ساٹھ برس کا عربی النژاد آدمی معمولاً و عادۃً بیکار نہیں ہو سکتا۔ مگر بعض وجوہ خارجی ایسی داخل ہو جاتی ہیں کہ جن سے اچھا کھاتا پیتا۔ چلتا پھرتا آدمی ناکارہ ہو جاتا ہے۔ حضرت عمر میں بعض علتیں ایسی تھیں جن کی وجہ سے وہ مردوں کی صفوں میں نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ اوّل یہ کہ وہ بخلاف معمول اہلِ زمانہ اپنے مقام تحتی کی زیادہ حفاظت کرتے تھے۔ حتے الوسع اُسکو چوڑا اور کشادہ نہونے دیتے تھے۔ بلکہ مثلِ گلِ ناشگفتہ اُس کے تنگ و منقبض رکھنے میں کوشاں رہتے تھے۔ مدعیوں کی ایک بڑے معتمد کتاب میں لکھا ہے کہ وہ بیٹھکر پیشاب کرنا اس وجہ سے ناپسند فرماتے تھے کہ اُنکے تجربۂ ذاتی میں اُس طرح موتنے سے نیچے کے مقام کا مثل دُرۂ بولان کشادہ ہونیکا احتمال تھا۔ اور کھڑے ہوکر بول بازی اُس کی تنگی کا سبب تھا۔ پس وہ کھڑے ہوکر پیشاب کیا کرتے تھے۔ عدالت خود سمجھ لے کہ مرد گوز دانی کے تنگ رکھنے سے کیا فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ آیا وہی جو عوراتِ بازاری ادویۂ یابسہ کے شیاف سے۔ جو مرد اپنی سبزِ کی بایں احتیاط نگہبانی کرتا ہو وہ صرف نام کا مرد کہا جا سکتا ہے۔ ورنہ درحقیقت عورتوں کا مدِّ مقابل بلکہ اُنکا بھاؤ بگاڑنیوالا ہے۔ دوم حضرتِ دوم کی عادت تھی کہ گاہ گاہ اپنی اہلیۂ مقدسہ کے ساتھ بطرزِ معکوس کارروائی کیا کرتے تھے۔ سید سجاد حسین بارھوی نے رسالۂ لفِ حریر میں چند تفاسیر مدّعیان سے ثابت کیا ہے کہ قرآن میں آیۂ نساؤکم حرث لکم عمر کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ جنابِ دوم نے قدرتی راہ چھوڑکر تنگ بٹیا پر ہوا خوری شروع کی۔ اور اُسکا اظہار رسولِ پاک سے کیا کہ میں ایسا کرتا ہوں تب اُنکی تنبیہ و ہدایت کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ کتب طبیہ میں لکھا ہے اور اکثر مشاہدہ میں آیا ہے کہ جو لوگ ایسا عمل کرتے ہیں اُنکو استرخائے اعصاب ہو کر قوتِ شہوانی جواب دیدیتی ہے۔ عجب نہیں کہ حضرت عمر اس بدعملی سے بیکارِ محض ہو گئے ہوں۔ یہ وہ بُرا فعل ہے کہ جوان آدمی عورات سے منہہ چھپا کر مراہم و طلا کی فکر میں اِدھر اُدھر مارے مارے پھرا کرتے ہیں۔ اور خلیفہ تو بوڑھے بھی ہو چکے تھے۔ پس شک نہیں کہ خلیفۂ دوم بیکار تھے۔

خلیفہ صاحب کے بیکار محض ہونیکا ثبوت مزید بھی دکھلاتا ہوں۔ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ کی جلد دوازدہم میں لکھا ہے کہ حضرت عمر نے ایک زن عفیفہ سے عقد کرنیکی اپنے بیٹے کو ترغیب دی۔ اور کہا کہ اگر میں لائق کار ہوتا تو سب سے پہلے لنگوٹا کھولتا۔ مگر کیا کروں موقع معلوم بوڑھے آدمی کی طرح ٹیڑھا ہو رہا ہے عبارت یہ ہے ولو کان فی ابیکم حرکۃ الی النسآء لم یسبقہ احد الیھا یہ سُنکر عاصم پسر عمر نے اُس سے عقد کیا جس سے ایک لڑکی یعنی یہ امّ عاصم پیدا پیدا ہوئی اور عمر ابن عبد العزیز بن مروان اِس سے پیدا ہوا۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت دوم میں مادۂ رجولیت نہ رہا تھا۔ اور قدرتِ زاد و ولد ذرا اُن میں باقی نہ تھی اور وہ ایسے ہی بیکار ہو گئے تھے جیسے کہ مجلوق و بدعمل ہو جایا کرتے ہیں۔ ممکن نہیں کہ ایسا آدمی اولاد حاصل کرنے پر قادر ہو۔ مدعیان جو عرضی دعوے میں زید کا امِ کلثوم سے پیدا ہونا بیان کرتے ہیں یہ بات نظر بہ واقعاتِ صدر نہایت ناممکن و محال معلوم ہوتی ہے۔ کبھی ممکن نہیں ہو سکتا کہ پانچ برس کی لڑکی سے ایسا بیکار شخص اولاد حاصل کرنے پر قادر ہو۔

رائے عدالت

بے شبہ جو شخص کہ ساٹھ برس کی عمر کو ایسی حالت میں پہنچ جائے جیسے کہ معائنۂ کتبِ مدعیان سے عمر صاحب کی ظاہر ہوتی ہے وہ بالضرور عورتوں کی جانب متوجہ ہونیکی قابلیت نہیں رکھ سکتا۔ کیونکہ مقامِ معلومہ میں کارفرما ہونے سے جیسے کہ عمر ہوتے تھے اعصاب ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔ سختی بالکل باقی نہیں رہتی۔ ایسی صورت میں اِس قسم کا آدمی بڑھی چڑھی عورت سے بھی اولاد حاصل نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ پانچ برس کی لڑکی سے۔ لہذا یہ تنقیح بھی بحق شیعہ فیصل کی جاتی ہے۔

تنقیح ہفتم

اگر عمر نے دخترِ پنج سالہ سے صرف بغرضِ حصولِ مفادِ آخرت نکاح کیا تھا نہ کہ بمرادِ دیگر تو اِس صورت میں اُنپر زوالِ حق الناس کا جرم عائد ہو سکتا ہے یا نہیں؟

تقریر سید نثار پنجتن وکیل مدعا علیہم

کتب مدعیان میں وارد ہوا ہے کہ خلیفۂ دوم نے بوقتِ خطبہ فرمایا۔ میری عمر ساٹھ برس کی ہوئی اسوقت عورتوں کی خواہش مطلق نہیں رہی۔ یہ نکاح بخیالِ لذت نہیں کرتا بلکہ صرف حصولِ عزتِ آخرت کے لیے کرتا ہوں۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ تمام نسب و سبب قطع ہو جاینگے۔ اِلّا میرا نسب باقی رہیگا۔ کسی شخص کا بحالتِ نامردی عقد کرنا ایک بندۂ خدا کا حق تلف کر دینا ہی نہیں بلکہ اُسکا زندہ درگور کر دینا ہے۔ چونکہ عمر بلا ضرورت اُس کے مرتکب ہوئے لہذا میں کہہ سکتا ہوں کہ اُنھوں نے اقدام قتل بالعمد کیا یا بحالت بجائے سند ایمانداری اُنکے لیے وہی سزا تجویز ہونی چاہیے جو کہ عمداً قتل کرنیوالوں کے واسطے ہوتی ہے۔ بنظرِ اطمینانِ عدالت مدعیوں کے ایک بڑے عالم کی کتاب سے عبارت پیش کرتا ہوں جس سے ثابت ہو جائیگا کہ حضرتِ عمر نے بوقتِ خطبۂ نکاح یہ ظاہر کیا تھا کہ مجھ کو اب قوتِ باہ بالکل جواب دے گئی حظِ نفس کے لیے نکاح نہیں کرتا بلکہ صرف اس واسطے کہ نسب رسولؐ میں داخل ہو جاؤں۔ نیز یہ بھی واضح ہو جائیگا کہ عمر کے پیغام دینے پر حضرتِ امیرؑ نے عذرِ صغرسنی کیا اور اپنے برادرزادہ سے اُسکا منسوب ہو جانا ظاہر فرمایا۔ مگر حضرت عمر نے بزورِ حکومت نہ مانا۔ صواعقِ محرقہ میں ابنِ حجر مکی نے لکھا ہے قال صح عن عمر انه خطب امّ کلثوم بنت علی فاعتل بصغرها وبانه اعدها لابن اخیه جعفر فقال ما اردت الباه ولکن سمعت رسول اللّٰه یقول کلّ سبب ونسب ینقطع یوم القیٰمة ما خلا سببی ونسبی۔

چونکہ وہ اسوقت دنیا میں موجود نہیں ہیں اُسترِ بستر باندھکر جہاں جانا چاہیے تھا وہاں چلے گئے۔ نظر برآں ہم عدالت سے اجازت طلب ہیں کہ ہمکو اُنکے حق میں ایسے برتاؤ کی اجازت دی جائے جس سے اُنکی روح کو اذیت پہنچے۔

رائے عدالت

روایات پیش کردہ وکیل مدعا علیہم جو کہ کتب مدعیان کی ہیں اِس امر کی شہادت

امام زین العابدین کا اپنی والدہ ماجدہ کا عقد کسی غلام سے کر دینا محض اتہام ہے
اسکی کوئی اصل نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو قریش میں بہت لوگ موجود تھے۔ غیر کفو
میں عقد کیوں کرتے۔ جو ایسے مزخرفات بکتا ہے وہ واہی ہے)۔ دنیا میں اپنے
گروہ کے علماء سے تو شرر صاحب کو یہ شرف ملا۔ عقبےٰ میں جو انکے لیے اس گستاخی
اور بے ادبی کی پاداش و مکافات مہیا ہوئی ہے اسکو بجائے خود خوب سمجھ رہے
ہونگے۔ میں عدالت کے روبرو اس زور شور کی حقیقت بھی ظاہر کرتا ہوں جس
میگزین کے بھروسہ پر شرر صاحب نے خاندان رسالت کے قلعۂ اقتدار کو گرانا
چاہا ہے اپنے مذہب کی چار کتابیں مولوی شرر صاحب نے پیش کی ہیں۔ پہلے تو
میں یہی کہونگا کہ کسی مذہب والے کو یہ اختیار نہیں ہو سکتا کہ اپنے مذہب کی کتب
سے دوسرے کا گلا دبائے۔ شرر صاحب پر لازم تھا کہ کتب شیعہ کو اپنے دعوے کی
تصدیق میں پیش کرتے۔ چونکہ وہ ایسا نہیں کر سکے لہٰذا انکا پیش کردہ ثبوت لائق
استدلال نہیں ہو سکتا۔ مگر با ایں ہمہ میں اُس ثبوت کا اقتدار دکھلاتا ہوں کہ
عند السنیہ بھی لائق تسلیم نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ شیعہ تاریخ طبری سے جو سند شرر
صاحب نے پیش کی ہے اُس کی یہ حالت ہے کہ عدالت خود ورق ورق اُٹھا کر دیکھے
اگر کسی جگہ اسکا ذکر ہو تو میرا ذمہ۔ بات فقط اتنی ہے کہ طبری مطبوعہ مطبع مذکور
کے آخر میں تاریخ ذیل المذیل کا انتخاب چھاپا گیا ہے۔ اُس میں البتہ یہ افترائی
مضمون درج ہے۔ شرر صاحب نے بایں خیال کہ تاریخ طبری ایک مشہور کتاب ہے
پڑھنے والے کو باعتبار وقعت کتاب مضمون کی صحت کا اعتبار ہو جائیگا۔ لہٰذا انہوں نے
بجائے ذیل المذیل طبری کا حوالہ دیدیا۔ جو شخص کہ باہم کتب امتیاز نہ دے سکے اور
دو جداگانہ مختلف المضامین کتابوں کو ایک سمجھے اُسکو ارباب دانش جیسا خیال کرسکتے
ہیں ظاہر ہے۔ ایں مایہ و ببلاغ و عقل و دانش باید شود۔ شرر دو حال سے خالی
نہیں یا اول یہ کہ شرر صاحب کو طبری و ذیل المذیل میں تمیز دینے کا مادہ نہ تھا۔
دوم آنکہ سمجھ بوجھ کر یہ شرارت پھیلائی۔ غرض شرر صاحب نے اس جگہ چند خطائیں کی ہیں

ہوئیں۔ اول انتخاب ذیل المذیل کو اصل تاریخ طبری جہل یا تساہل سے سمجھا۔ دوم یہ کہ بلا کسی حوالہ و سند کے اُسکو تمام تواریخ اسلام سے صحیح تر جانا۔ تیسرے یہ کہ اس واقعۂ بے سروپا یعنی عقدِ شہربانو کو بلا اظہارِ سلسلۂ سند صحیح و واقعی باور کرایا۔ ایک جلسہ میں تین خطائیں ہوئیں۔ دو خطا کے واقع ہونے پر تو ہم شاید کچھ نہ کہتے۔ مگر اب تین خطاؤں کے سرزد ہونے پر سوائے اُسکے کیا کہیں جو مشہورِ عالم ہے۔ دوسری سند ابنِ قتیبہ کی کتاب معارف سے ہے۔ اُسکی یہ عزت و شان ہے کہ امام ذہبی جیسا مستند عالم بدعیان میزان الاعتدال میں قلمزن ہے قال الحاکم اجمعت الامۃ علی ان القیتبی کذاب (یعنی حاکم کہتا ہے کہ امت کو اس بات پر اتفاق ہے کہ ابن قتیبہ جھوٹا تھا) اور مرآۃ الزمان میں ہے ان دار القطنی قال کان ابن قتیبہ یمیل الی التشبیہ منحرفا علی العترۃ وکلامہ یدل علیہ ترجمہ یہ ہے کہ ابن قتیبہ تشبیہ کی طرف قائل تھا۔ اور عترتِ آلِ رسول سے اُسکو ہوستگی نہ تھی بلکہ منحرف تھا چنانچہ یہ بات اُسکے کلام سے مترشح ہے۔ تیسری سند تاریخ ابن خلکان منجانب شرر پیش کی گئی ہے۔ وہ بناءِ فاسد علی الفاسد ہے۔ کیونکہ ابنِ خلکان معارف ابنِ قتیبہ سے نقل کرتا ہے جسکی عزت اوپر دکھلائی گئی کہ جھوٹا اور دشمنِ اہلبیت تھا۔ چوتھی شہادت کتابِ آغانی کی ہے۔ یہ نسخہ معارفِ ابنِ قتیبہ سے بھی دو چار ہاتھ بڑھا ہوا ہے۔ ابن حجر لسان المیزان میں کتابِ مذکورہ کے مصنف کی صفت میں لکھتے ہیں کان ابو الفرج الاصفہانی اکذب الناس کان یشتری شیئاً کثیرا من الصحف ثم یکون روایاتہ کلہا منہا یعنی ابو الفرج اصفہانی اکذب الناس تھا۔ پرچہ اور نوشتہ لوگوں سے لیکر مضمون تیار کیا کرتا تھا۔ ان ٹوٹے پھوٹے ہتھیاروں کو بھروسہ پر جو مخالف کے بدن پر ایک چرکا نہیں لگا سکتے بلکہ ضارب کو مضروب بنا دیتے ہیں شرر صاحب خاندانِ نبوت سے آمادۂ نبرد ہوئے تھے۔ بحمد اللہ خود ایسی چوٹ کھائی کہ بالوی صاحب کے مرہم سے بھی اچھی نہ ہوگی۔ ہر چہار اسنادِ شرر کا خلاصہ عرض کرتا ہوں۔ طبری کے حوالہ دینے میں شرر سے جہل یا تجاہل ہوا۔ ابنِ قتیبہ کاذب مفتری

و دشمنِ اہلبیت ہے۔ ابنِ خلکان ابنِ قتیبہ کی کاسہ لیسی کر رہا ہے مصنفِ آغانی بقولِ ابنِ حجر ایک بازاری اور جھوٹا شخص تھا۔ بھلا ایسی بیہودہ روایات جن کے ناقلوں کی یہ شان ہو اہلِ ایمان کے سامنے کیا اقتدار پا سکتے ہیں۔ ان ناقابل روایتوں کو سچا اور با اعتبار وہی سمجھ سکتا ہے جسکو خاندانِ نبوتؐ کا ذلیل کرنا مدِّ نظر ہو اور جسکی طینت سے شرار ہائے جانسوز نکل کر خرمنِ دین و ایمان کے جلانیوالے ہوں بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ رجماً للغیب علمائے مدعیان نے بمخالفتِ شر رجوشِ حیا سے لکھدیا کہ یہ روایات قابلِ اعتماد نہیں۔ جو شخص ایسی بیہودہ باتیں بکتا ہے وہ فاسق ہے چنانچہ پہلے عباراتِ استفسار سے عدالت کو دکھلایا گیا ہے۔ روایتِ ابنِ قتیبہ پر جو مولوی صدر الدین احمد حنفی قادری نے قدح کرکے اصل بات دکھلائی ہے وہ بھی قابلِ ملاحظۂ عدالت ہے۔ عالمِ موصوف کتاب رواۃ المصطفٰے میں رقمطراز ہوئے ہیں (اصل این است کہ امام زین العابدین را مادر رضاعی بود از جواری پدرش او را بعدِ واقعۂ کربلا بہ نکاح زید دادہ بود۔ دل گواہی می دہد بر راستی این روایت ورنہ شہربانو آن وقت عمرِ او از پنجاہ تجاوز نمودہ قریبِ شصت رسیدہ بود و صاحبِ اولاد بود ضرورتِ نکاح و موقعۂ آن نہ داشت) دیکھیے کیا بات تھی اور راویانِ غلط گو نے بہ نظرِ اہانتِ خاندانِ رسالت اُس میں کیا جوڑ بند لگائے ہیں۔ ان لوگوں کا خاصہ ہے کہ صحیح اور اصلی بات کو چھوڑ کر اغراضِ ذاتی سے معاملہ کو ایسا غت ربود کر دیتے ہیں کہ اصلیتِ واقعہ بدل کر کہیں سے کہیں مطلب پہنچ جاتا ہے۔ مؤلفِ رواۃ المصطفٰے نے ایمانداری سے بیان کر دیا کہ وہ سماۃ جکا نکاح ہوا تھا امام سجادؑ کی مادرِ رضاعی تھیں۔ نہ کہ حقیقی و واقعی۔ یہی غلطی بعض نے دیدہ و دانستہ اور بعض نے باعتبارِ راویان عقدِ امِّ کلثوم میں کی ہے۔ جسوقت اصلی معاملے کے متعلق بحث پیش ہوگی عدالت پر حقیقتِ معاملہ پیش ہو جائیگی۔ جنابِ شہربانو کی نسبت کتبِ شیعہ میں یہ طے پایا ہے کہ وہ معرکۂ کربلا میں موجود نہیں بلکہ بوقتِ ولادتِ سید الساجدین علیہ السلام زچہ خانہ میں وفات فرما گئی تھیں۔ اگر زندہ ہوتیں

تب بھی شاید کچھ جوڑ لگ سکتا۔ روات مدعیان کی بددیانتی قابلِ نظر ہے کہ ایک مدتِ مدید کی عمری ہوئی عورت کا بیاہ رچا رہے ہیں۔ اگر شہربانو بعدِ واقعۂ کربلا زندہ بھی ہوتیں تب بھی ممکن نہ تھا کہ وہ عقد کرتیں۔ میں عدالت کے سامنے عقلی قرینہ سے نکاح کا عدمِ وقوع ثابت کرتا ہوں۔ مقامِ تامل ہے کہ واقعۂ کربلا میں جس کی نظیر دنیا کی تاریخوں میں نہیں۔ جس عورت کے بچے بعد بیدردی مارے گئے ہوں شوہر شہید ہوا ہو۔ گھر لٹ کھسٹ کر خاکِ سیاہ ہوا ہو۔ ایک رات کی بیاہی بیٹی رانڈ ہوئی ہو بیٹا اسیر ہو کر شتربان بنایا گیا ہو۔ خود رسن بستہ ہو کر مثلِ بندیانِ ترک و روم ایک جابر بادشاہ کے سامنے مجرمانہ حیثیت سے پیش کی گئی ہو۔ سوائے ازیں قریب ساٹھ برس کے عمر بھی رکھتی ہو۔ ظاہر ا ہوس اولاد بھی نہ ہو بلکہ بیٹا بیٹی۔ پوتا پوتی سب کچھ موجود ہوں وہ اپنے بیاہ رچانے اور شوہر ڈھونڈھنے کی فکر کر سکتی ہے۔ اور وہ بھی اپنے غلام سے۔ اس زمانہ میں اگر کوئی بال بچوں والی بڑھیا عورت ایسا کام کرے تو محلہ کی عورتیں اسکو بنظرِ بیوقاری دیکھکر منہہ پر تھوکیں۔ اور ہزاروں طرح کے نام رکھیں۔ ہر چند کہ شریعت پاک میں مرد و عورت کے لیے درباب حکم ثانی ایک حکم رکھا گیا ہے مگر ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامے دارد۔ بوڑھا مرد جس کے ہر طرح کی اولاد مراد ہو اگر عقد کرے تو ہر شخص مذاق اڑاتا ہے۔ حالانکہ صحیح القوےٰ آدمی اسّی نوّے ۹۰ برس تک اولاد حاصل کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ اور ساٹھ برس کی بال بچہ دار عورت صدمہ و آلام شدید کی ماری ہوئی بروئے قواعد طبیہ بچہ جننے کے قابل ہرگز نہیں ہو سکتی۔ ہر ملک کی عورت پینتالیس ۴۵ یا پچاس ۵۰ برس کی عمر تک باتفاقِ اطبا سنِ یاس کو پہنچ جاتی ہے۔ انقطاع حیض ہو کر اولاد ہونی بند ہو جاتی ہے۔ مرد کی صحبت سے نفرت ہوتی جاتی ہے۔ شادی سے اصلی غرض اولاد کا حاصل کرنا اور خواہش نفسانی کا پورا کرنا ہے۔ جو عورت کہ سب طرح کی اولاد والی ہے اور بوجہ کبرسن ضرورت مرد نہ رکھتی ہو وہ کیوں اپنی ذات کو نشانہ ملامت بنائے۔ میں عدالت پر یہ بھی ظاہر کیے دیتا ہوں کہ جناب شہربانو بعدِ واقعۂ کربلا بضرور ساٹھ ۶۰ یا باسٹھ ۶۲ برس کی تھیں۔

باتفاقِ اہلِ اسلام جناب امام حسین علیہ السلام نے چھپن برس کی عمر میں شہادت پائی۔ اور جناب شہربانو سے انکا پہلا عقد ہوا۔ ہر عقدِ ابتدائی میں زن و شوہر ہم عمر ہوتے ہیں۔ پس اس قاعدہ سے شہربانو حادثۂ کربلا کے وقت ۵۶ سال کی عمر رکھتی تھیں۔ ایک سال اہلبیتؑ زندانِ دمشق میں رہے۔ ۵۷ برس ہوئے۔ اور یہ قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ قید سے چھوٹ کر فوراً ہی نکاح کر لیا ہو۔ کیونکہ روایات میں وارد ہوا ہے کہ جب تک ابن زیاد کا سر بخیس مختار نے نہیں بھیجا اہلبیتِ رسولؐ سے کسی نے شالِ عزا نہیں اُتاری۔ اور نہ سر میں شانہ کیا۔ شبانہ روز مصروفِ آہ و زاری و نالہ و بیقراری رہیں۔ دو تین سال اسکے واسطے بھی رکھ لیجیے۔ وہی ساٹھ باسٹھ برس ہوتے ہیں۔ جس میں عورت یاوس ہو کر عقلاً و رواجاً نکاح سے ممتنع ہے۔ علاوہ ازیں عقل کبھی تجویز نہیں کرسکتی کہ نوشیروانِ عادل کی بیٹی پوتی فاطمہؑ کی بہو۔ نواسوں کی مادرِ گرامی۔ عالی نسب والا حسب ایک غلام سے بیاہی جائے۔ سوائے دیگر قبائح کے خلافِ حمیت بھی ہے۔ جیساکہ تمام اعتبارات سے بنی ہاشم عرب کے اونچے گھرانے میں شمار ہوتے ہیں ایسے ہی غیرت و حمیت کا بھی اسی خاندان پر خاتمہ سمجھا گیا ہے۔ چنانچہ رشید الدین شاگردِ شاہ عبدالعزیز صاحب نے رسالۂ ایضاح میں اقرار کیا ہے کہ جو حمیت خاندانِ رسالت میں تھی وہ عرب میں کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔ رسالۂ مذکور کے صفحہ (۱۴) پر لکھا ہے قال صاحب النوافض فی الهاشمية توجد الحمية والغيرة۔ یعنی بنی ہاشم کی غیرت سب سے بڑھی ہوئی ہے۔ مقامِ تامل ہے کہ ایسے غیرتمند خاندان کا شخص جو کہ چوتھا امام تھا وہ اپنی بوڑھی والدہ کا عقد ایک غلام سے بایں سوانح کر دیتا اور خاندانی غیرت کا کچھ لحاظ نہ کرتا۔ میں مناسب موقع سمجھ کر ازواجِ جناب امام حسینؑ سے ایک ذی عزت بی بی کا حال بیان کرتا ہوں۔ عجب نہیں کہ اس واقعہ کو سماعت فرمانے سے حضرات کو بھی بوجہ اہلبیت و شرافت ایک نوع کا روحانی صدمہ پہنچے۔ حضرت ربابؑ مادرِ جناب سکینہؑ جبکہ قیدِ شام سے چھوٹ کر مدینہ میں آئیں تو شبانہ روز ایک دیوار کے نیچے

بیٹھنا اختیار کیا۔ گرمی۔ جاڑے۔ بارش۔ آندھی میں اپنا بستر نہ اُٹھایا۔ ہمیشہ آہ آہ کر کے فریاد کرتی تھیں کہ جو عورت اپنے سامنے تمام کُنبہ کو۔ بحالتِ تشنگی و گرسنگی خون میں لوٹتا ہوا دیکھے۔ شوہر کے سر کو شہروں اور بازاروں میں گشت کرتا ہوا دیکھے۔ صدہا اور ہزارہا لوگوں کے سامنے دربار میں سر برہنہ کھڑی رہے وہ دنیا میں کب گوارا کر سکتی ہے کہ ایک دم آرام کرے۔ اہلبیتِ رسولؐ جب تک زندہ رہے واقعۂ کربلا کو یاد کر کے شبانہ روز روتے تھے۔ ایک دم گریہ وُزاری سے فراغت نہوتی تھی۔ جس خاندان پر ایسا سخت حادثہ پڑے اُس قبیلہ کی کوئی بُڑھیا عورت شوہر کی تلاش کر سکتی ہے ؟

عدالت توجہ فرمائے کہ شمر نے جو کہ مدعیان کے مذہب کا ایک نامی آدمی ہے کیسی توہینِ اہلبیتؑ کی۔ اور سادات و مومنین کا کس بیدردی سے دل دکھایا ہے۔ اب میں روبروئے عدالت وہ واقعات پیش کرتا ہوں جنکے ملاحظہ سے واضح ہو جائیگا کہ دعوئے مدعیان سراسر لغو ہے۔ اور صرف بغرض توہین دائر کیا گیا ہے۔ کوئی اہانت ایسی نہیں جسکو مدعیان نے اہلبیتؑ سے چسپاں نہ کیا ہو۔ اکثر کتبِ مدعیان میں یہ زہر بھرا ہوا مضمون وارد ہوا ہے کہ جسوقت عمرؔ نے علیؑ کو اُمِ کلثومؑ کے عقد کا پیغام دیا تو اُنہوں نے عذر کیا کہ وہ لڑکی کم سن ہے اور اُسکی نسبت میں قبل ازیں اپنے بھتیجے جعفرِ طیّار کے بیٹے سے کر چکا ہوں۔ عمرؔ نے نہ مانا اور بہ اصرار کہا کہ اگر وہ دراصل کم عمر ہے اور قابلیّتِ زوجیت نہیں رکھتی تو آپ اُسکو میرے پاس بھیجدیں تاکہ میں خود اُسکو جانچ لوں کہ وہ شادی کے قابل ہے یا نہیں۔ جسوقت علیؑ نے اپنی بیٹی کو بھیجدیا تب عمرؔ نے اُنکی چادر کھینچی۔ بازو تھاما۔ بوسہ لیا۔ ساق پا کھولی۔ اِس حرکت پر اُمِ کلثوم کو غصہ آیا اور کہا کہ اگر تو خلیفۂ وقت نہوتا تو میں تیری آنکھ پھوڑ ڈالتی۔ اور ناک توڑ دیتی۔ مجھ کو میرے گھر بھیجدے۔ عمرؔ نے دیکھ بھال کر اُس لڑکی کو واپس کر دیا۔ مولوی حیدر علی فیض آبادی نے جو کہ مدعیوں کے بڑے معتمد عالم ہیں اور جن کی تصنیف سے منتہی الکلام ہے ازالۃ الغین کے صفحہ ۹۲۵

بر کتاب استیعاب و اصابہ سے اس مضمون کو بصد رنگ آمیزی بیان کیا ہے۔ بمقام تامل ہے کہ علمائے مدعیان نے یہ ایسا بڑا اتہام کیا ہے اور ایسے سخت عنوان سے خاندانِ نبوت کی تذلیل کی ہے کہ جسکا فوق کوئی دوسرا امر نہیں ہو سکتا۔ آج تک میں نے یا اور کسی شخص نے یہ بات نہیں سنی کہ کسی رذیل آدمی نے بھی اپنی کنواری اور کمسن لڑکی کو اُسکے چاہنے والے کے پاس بغرض پسند وغیر پسند بھیجدیا ہو۔ زناپیشہ لوگ باوصف بیحیا ہونے کے کبھی ایسا نہیں کر سکتے۔ اور نہ کسی نے کیا ہی۔ علمائے مدعیان نے بوقتِ مضمون تراشی یہ نہ سوچا کہ اس ترکیب سے صرف استخفافِ اہلبیت ہی نہو گا بلکہ حضرت عمر بھی اُن طوفان بندیوں سے بنظرِ عوام و خواص نہایت بُری نگاہوں سے دیکھے جاوینگے۔ اگر یہ بات صحیح ہو تو عمر پر چند الزامِ شرعی قائم ہوکر منجر بہ سزا دہی ہو سکتے ہیں۔ الزامِ اول ایک ذی عزت شخص کو مجبور کرکے اُسکی بیٹی کو بغرض جانچ و پسند بلوانا۔ دوم بدمست آدمیوں کی طرح چادر کھینچنا۔ بوسہ بازی کرنا سینہ سے چمٹانا۔ ساق یا کھولنا۔ سوم ایک مسلمان (محمد بن جعفر طیار) کی مخطوبہ سے اپنی منگنی کرنا۔ اگر کسی مجسٹریٹ کے روبرو کوئی ایسا بدعمل جالان ہو جیسے کہ حسب روایت استیعاب و اصابہ وغیرہ مدعیوں کا خلیفہ تھا تو میں یقین کرتا ہوں کہ حاکم فوجداری اسی پر اکتفا نہ کریگا کہ اُسکو دس بیس سال قید ہی کردے بلکہ بغرض تنبیہ و بپاداشِ جرم سنگین اُسکے ساتھ کوئی دوسرا سخت برتاؤ کریگا۔ مثلاً منھہ میں گوہ دلوانا یا مقامِ معروف میں میخ ٹھکوانا۔

روایاتِ متذکرہ بالا پر نظر ڈالنے سے مجھ کو ایسا غصہ چڑھا ہوا ہے کہ اگر وہ شخص جسنے امام زادی سے معاذ اللہ ایسا وحشیانہ برتاؤ کیا کہیں مجھ کو مل جاتا تو وہ فعل اُسکے ساتھ کرتا جسکو وہ بھی بحق خود افضح جانتا۔ اگر احتیاطِ قانون مانع نہوتی تو ابھی صاف صاف کہدیتا کہ کیا کرتا۔ کچھ مجھ ہی پر موقوف نہیں۔ ہر مسلمان جسکی نظر میں کچھ بھی خاندانِ رسالت کی توقیر ہوگی وہ دو باتوں کے سوا تیسری بات کو طبیعت میں جگہ نہ دیگا۔ اول یہ کہ صاحب استیعاب و اصابہ نے بددیانتی سے ایسا اتہام کیا ہی

تا کہ واقعہ عقد کو تقویت ہو جائے۔ دوم اِس واقعہ کو باعتبارِ اندراجِ کتبِ مذکورہ صحیح سمجھ کر حضرتِ عمر کو انہی خوش نگاہوں سے دیکھیگا جن سے میں دیکھ رہا ہوں۔ شاید عدالت یا کسی ناظرِ کتاب کو یہ خیال پیدا ہو کہ استیعاب و اصابہ نامعتبر کتابیں ہونگی جن میں یہ واہی مضمون درج ہے۔ لهذا مولوی حیدر علی صاحب فیض آبادی مصنفِ منتہی الکلام کا ارشاد دربارہ توثیق پیش کرتا ہوں۔ عالمِ موصوف ازالۃ الغین کے صفحہ ۹۲۶ پر رقمطراز ہیں (آنچہ در کتابِ استیعاب و اصابہ فی معرفۃ الصحابہ ابنِ حجر عسقلانی دربارہ مابہ النزاع مرقوم است بلا اختلافِ نسخ و بے کم و کاست بگوشِ اصغا باید شنید) یہ عبارت وقعتِ کتاب کے لیے کافی ثبوت ہے۔ افسوس ہے کہ علمائے معتبرینِ اہلسنت ایسے واقعات درجِ کتب کریں جنکے دیکھنے سے اہلِ ایمان کی روح کانپ جاتی ہے۔ ہر چند کہ میں بوجہ تشیع حضرتِ عمر کا پورا مخالف ہوں۔ اور ہر کلمہ ناگفتنی اُنکے حق میں کہنا روا بلکہ جائز و مستحب جانتا ہوں۔ مگر اِس موقع پر اُن کا طرفدار ہو کر عرض کرتا ہوں کہ معاذ اللہ حضرتِ عمر نے ہرگز ایسا نہیں کیا۔ نہ عقد کا پیغام دیا۔ نہ کوئی جبریہ لفظ زبان پر لائے۔ نہ اپنے گھر بُلا کر چادر کھینچی۔ نہ مُنھ چوما۔ نہ ساق پا کھولی علمائے متعصبین نے محض بغرضِ اثباتِ عقد و خفتِ اہلبیت اِس مضمون کو کاٹ چھانٹ کر لائقِ افسوس بنا دیا۔ علمائے فرقہ مدعیان سے بھی ایک بڑے ذی رتبہ عالم نے لکھدیا کہ اہلِ تعصب نے یہ بیہودہ مضمون تراشا ہے۔ حضرتِ عمر سے کبھی ایسی واہی حرکت واقع نہوتی۔ وہ ادب شناس و عارفِ مراتبِ اہلبیت تھے۔ اُنکی لونڈی سے بھی اِس نوع کی بے ادبی نہ کرتے۔ وہ بزرگ سبطِ ابنِ جوزی ہیں۔ خواص الامہ کے باب گیارہ میں اپنے جدِ اعلےٰ ابنِ جوزی کا بیان اس طرح نقل کرتے ہیں وذکر جدی فی کتاب المنتظم ان علیا بعثها الی عمر وانہ کشف ساقها ولمسها بیدہ قلت وھذا اقبح واللہ لو کانت امۃ لما فعل بھا ھذا باجماع المسلمین لا یجوز لمس الاجنبیہ فکیف ینسب الی عمر مثل ھذا والذی روی لنا ان علیا لما قال لعمر انها صغیرۃ قال ابعث بھا الی فبعثها وبعث معها بہ ثوب وقال لھا قولی لہ

يقول لك ابى يسلم لك هذا الثوب فلما جاءت الى عمر صوب النظر اليها وقال لها قولى له نعم فلما عادت الى على قالت لم يا ابت لقد ارسلتنى الى شيخ سوء لقد صوب النظر وهذا اقبح والله لو كانت امة ابن جوزی فرماتے ہیں کہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ عمر نے سینہ سے چمٹایا۔ چادر کھینچی۔ منہ چوما۔ ساقِ پا کو ہاتھ لگایا۔ یہ قصہ نہایت قبیح ہے۔ عمر اہلبیت کی کنیزوں سے بھی یہ حرکت نہ کرتے۔ کیونکہ باتفاقِ اہلِ اسلام غیر عورت پر نظر ڈالنا حرام ہے۔ ہاں اتنی بات صحیح ہے کہ جب علیؑ نے بعذرِ کم سنی عقد کرنے سے انکار کیا تو عمر نے کہا کہ میرے پاس بھیجدو۔ میں خود اندازہ کر لونگا۔ چنانچہ علیؑ نے بھیجدیا۔ جب وہ لڑکی اُن کے پاس گئی تو اُنہوں نے گہری نگاہ سے دیکھا اور باپ کے گھر واپس کر دیا۔ لڑکی نے شکایت کی کہ بابا تم نے مجھ کو کس بڈھے خبیث کے پاس بھیجدیا تھا۔ ابنِ جوزی کا بعض حصہ روایت سے انکار اور بعض سے اقرار نہایت تعجب انگیز ہے۔ نیمے خواب راست و نیمے دروغ اسی کو کہتے ہیں۔ مدعیوں کی روح اس عالم راست گو و انصاف پسند و عالی خاندان والا دودمان کی رائے سلیم پر تصدق ہو جائے جو کشف ساق وغیرہ کو خلاف شانِ عمر سمجھتے ہیں۔ مگر علیؑ کے بھیجنے اور عمر کے گھورنے اور لڑکی کے شکایت کرنیکی تصدیق کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابنِ جوزی کے گھرانے میں یہ بات قبیح و معیوب نہوگی کہ نا کتخدا لڑکی کو اُس کے پیغام دینے والے کے پاس بغرضِ پسند و ناپسند لڑکی کا باپ بھیجدے۔ علمائے مدعیان کی عجیب حالت ہے۔ ایک شخص جس بات کو صحیح کہتا ہے دوسرا عالم اُسی کو غلط بتلادیتا ہے۔ ملاحظہ ہو کہ ابنِ جوزی حسب تصریح بالا قبول فرما چکے کہ عمر نے کشفِ ساق وغیرہ کچھ نہیں کیا۔ کیونکہ باتفاق جمیع اہلِ اسلام اجنبی عورت پر نظر ڈالنا حرام ہے۔ ابنِ حجر مکی صواعق محرقہ کے صفحہ ۱۶۰ پر تحریر فرماتے ہیں (ہنوز بحدِّ شہوت نرسیدہ بود کہ حرام باشد۔ اگر صغیر نمی بود پدرش علیؑ او را بایں طریق نمی فرستاد) جس بات کو ابنِ جوزی بہ اجماعِ اہلِ اسلام حرام بتلاتے تھے اُسکو ابنِ حجر حلال فرماتے ہیں۔ نہ معلوم دونوں میں کون سچا ہے ابنِ حجر

نے تحریر استیعاب و اصابہ کو صحیح مانکر یقین فرمالیا کہ عمر نے علیؑ کو مجبور کر کے اُنکی بیٹی کو بلوایا۔ اور حسب صراحت اوّل سبب بے ادبیاں کیں۔ اور وہ تمامتر بوجہ صغر سنی جائز تھیں۔ اس سے بالاتر عرض کرتا ہوں۔ مولوی حیدر علی صاحب ازالۃ الغین کے صفحہ ۹۲۶ پر لکھ چکے ہیں۔ اور جسکو اس سے پہلے میں نے عرض کیا ہے (آنچہ درآں کتاب مستطاب یعنی اصابہ فی معرفۃ الصحابہ ابن حجر عسقلانی دربارۂ مادہ النزاع مرقوم است بلا اختلاف نسخ و بے کم وکاست بگوش اصغا باید شنید) تحریر ہذا سے چند باتیں ظاہر ہوئیں۔ اوّل یہ کہ اصابہ کو مستند سمجھ کر مولوی حیدر علی صاحب نے استدلال فرمایا۔ دوم اُسکو بہ لفظ کتاب مستطاب یاد فرمایا۔ سوم اُسکو بلا اختلاف نسخ تجویز کیا۔ مگر بقولے دروغ گو را حافظہ نباشد مولوی صاحب نے ایسی ذی عزت و باوقار کتاب کو خاک میں ملا کر لکھدیا کہ ہماری کتاب میں شیعہ نے مُنہ چومنے اور ساق پا وغیرہ کا مضمون ملا دیا ہے۔ چنانچہ ازالۃ الغین کے صفحہ ۹۴۷ پر لکھتے ہیں (شیعہ کشف ساق را ضمیمہ روایت فرمودند تا بزعم خود مجدت را بمنقصت بدل کنند۔) یعنی شیعہ نے یہ مضمون اس غرض سے ملا دیا ہے تاکہ عمر کے محامد و فضائل بُرائیوں سے بدل جائیں۔ تعجب ہے اِس عالم کی عقل پر جس کتاب کو بلا اختلاف و نسخ بتلاتے ہیں اُسی میں شیعہ کی دراندازی کو تسلیم فرماتے ہیں۔ نہ معلوم مولوی صاحب کا کون فقرہ لباس راستی سے آراستہ ہے۔ سنیوں کو جب کچھ نہیں بن پڑتا بیدھڑک ہو کر لکھدیتے ہیں کہ شیعہ نے ہماری کتابوں میں اپنے مفید مطلب لکھدیا ہے۔ انہی حیدر علی صاحب نے مسلم و بخاری کی دو سو دس حدیثوں کو جن میں غضب سیدہؑ و ابوبکر و امتناع عمر بہ احضار دوات و قلم وغیرہ درج ہے غلط قرار دیدیا۔ المختصر اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ شیعہ نے اہلسنت کی کتابوں میں اپنے فائدہ کی باتیں لکھدی ہیں تو جو لوگ شیعہ کے عقائد و ادب سے واقف ہیں وہ کبھی یقین نہیں کر سکتے ہیں کہ کسی شیعہ کا دختر علیؑ کے ساتھ گستاخی کرنے میں بایں عنوان قلم اُٹھا ہو بھلا جو شخص حضرت اُمّ کلثوم سلام اللہ علیہا کو اپنی شاہزادی اور ہمسر معصومہ جانتا ہو اور اُنکی لونڈی کو اپنی مخدومہ سمجھتا ہو وہ محض بخیال منقصت عمر ایسا مضمون لکھنے کی جرأت

کر سکتا ہے کہ جسکے دیکھنے اور سننے سے دل و جگر کانپ کر ہاتھوں اُچھل رہے ہیں گو کہ حیدر علی صاحب نے بدانست خود شیعہ پر الزام لگایا مگر پھر سوچے کہ اِس سے کام نہ چلیگا۔ ہر شخص سمجھ جائیگا کہ یہ شیعہ پر افترا ہے۔ لہذا اُنہوں نے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ جس سے استیعاب و اصابہ کے اندراجات پر کوئی حرف بھی نہ آئے اور عمر بھی الزام شدید سے بچ جائیں۔ مولوی صاحب ممدوح اُسی ازالۃ الغین میں فرماتے ہیں (از قول معتبر و روایات معتمدۂ فریقین بوضوح پیوستہ کہ ہر کس کہ ارادۂ عقد نکاح بازنے داشتہ باشد فرآں زن اگر بحدّ بلوغ رسد دیدنش در حالت قعود و قیام و سکون و مشی درست است۔ بلکہ محاسن اوراہنیز تواں دید فلیف مخطوبہ بحدّے صغیر باشد کہ پنج و شش سالہ بود چنانکہ خواہی دانست انشاء اللہ) مولوی صاحب نے تحریر صدر سے یہ مطلب ظاہر فرمایا ہے کہ ہر گاہ باتفاق فریقین یعنی سنی و شیعہ مخطوبہ کا کھڑے بیٹھے چلتے پھرتے دیکھنا بلکہ اُسکی صورت کا بھی باوصف بالغہ و راشدہ ہونیکے معائنہ کرنا جائز ہے تو پانچ چھ برس کی لڑکی سے بالا و لے جائز ہوگا۔ اِس میں قباحت کیا لازم آتی ہے۔ آفریں ہے حیدر علی صاحب کہیں لکھتے ہیں کہ شیعہ نے ہماری کتاب میں کشف ساق وغیرہ کو درج کر دیا ہے۔ جس سے محامد عمر مبدّل بنقائص ہو جائیں۔ کسی جگہ مجتہدانہ فتوے دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ کہ جب جوان و بالغ سے سب بالائی کارروائی جائز ہے تو صغیر سن سے کیوں حرام تجویز کی جائے۔ اسپر طرہ یہ کہ لفظ اتفاق فریقین سے شیعہ کو بھی اپنا ہمرنگ بنا لیا تاکہ اعتراض باقی نہ رہے۔ لہذا میں عرض کرتا ہوں کہ ہمارے مذہب میں یہ اجازت نہیں دیگئی جو سُنیوں کو آزادی ہے۔ بحمد اللہ مولوی صاحب سب جنگلوں کی سیر کرکے پھر اُسی کوچہ میں آگئے جس میں صاحب استیعاب و اصابہ گشت فرما رہے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ باعتقاد مولوی حیدر علی صاحب حضرت علیؑ نے اپنی لڑکی کو عمر کے پاس بھیجا اور اُسنے وہ سب کچھ حرکات کیں جنکا بار بار ذکر کرنا مکروہ معلوم ہوتا ہے۔ اور عمر نے کوئی ارتکاب ناجائز نہیں کیا۔ بلکہ وہ شرعاً اُسکا استحقاق رکھتے تھے۔ میرا پہلا اعتراض تو یہی ہے کہ ایسا فعل جو حسب روایات مدعیان علیؑ نے کیا تمام اقوام زمانہ حتےٰ کہ بازارنشین لوگ بھی نہیں کر سکتے۔ اگر کسی کنجڑی سے کہا جائے کہ تم اپنی

صغیر سن لڑکی کو فلاں شخص کے پاس بھیجدو تاکہ وہ خود ہاتھ پھیر پھار کر امتیازِ بلوغ کرلے تو ممکن نہیں کہ باوصف پیشہ ور ہونیکے وہ شخص جسکی روزی اسی پر موقوف ہے ایسا کرسکے ہر جائز واقعہ کے لیے کچھ نہ کچھ نظائر مل جایا کرتی ہیں۔ مگر اس قصۂ واہی کی نظیر میں تواریخ دنیا خاموش ہیں۔ بڑے تجسس اور چھان بین سے صرف ایک نظیر اہلسنّت کے یہاں سے ملی ہے۔ وہ یہ کہ حضرت ابوبکر نے عائشہ صدیقہ کو انکے بچپنے میں آنحضرتؐ کے پاس غم غلط کرنیکے لیے بھیجدیا تھا۔ مولوی نذیر احمد صاحب کتاب امہات الامہ کے صفحہ ۳۲ سطر ۱۱ پر لکھتے ہیں کہ عائشہ چھ برس کی تھیں اور آنحضرتؐ پچاس سال کے۔ اگر بقولِ حیدر علی صاحب حسبِ صراحتِ بالا مخطوبۂ نابالغہ سے کچھ کرلینا جائز تھا تو حضرت بھی ضرور شوقِ طبیعت پورا کرتے لیکن جنابؐ نے نہ ران سہلائی۔ نہ بوسہ بازی کی۔ نہ سینہ سے چمٹایا۔ نہ گھورا گھاری کی ویسے ہی گھڑی دو گھڑی آنکھیں ٹھنڈی کرکے واپس کردیا۔ سوائے نذیر احمد صاحب علمائے مدعیان بیان طراز ہوئے ہیں کہ بعد انتقالِ جنابِ خدیجہؓ حضرت ابوبکر نے عائشہ کو جبکہ وہ چھ برس کی تھیں بنا سنوار کر نبیؐ کی خدمت میں باینغرض بھیجدیا کہ اسکو اپنا مونسِ تنہائی بنائیں بعد ازاں آنحضرتؐ ابوبکر کے گھر آنے جانے لگے اور عقد کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ تب ابوبکر ذرا بھاری بنے اور بمقامِ عذر فرمایا کہ آئندہ معاف فرمائیے۔ میں اسکی نسبت پسرِ مطعم سے کرچکا ہوں بعد اصرار نکاح کردیا۔ اور متقاضی ہوئے کہ اپنے گھر لیجاکر شوق سے زفاف فرمائیے حضرت اس باب میں تامّل فرماتے تھے۔ ابوبکر نے بہ فراست معلوم کیا کہ شاید حضرتؐ کے پاس زرِ مہر نہیں اس واسطے درنگ فرماتے ہیں۔ ہمّتِ مردانہ سے مہر بھی جیبِ خاص سے پیش کیا۔ اسپر بھی حضرتؐ متوجہ نہوئے۔ بالآخر ایک روز زوجۂ ابوبکر نے دل کڑا کرکے حضرتؐ کی گود میں عائشہ کو بٹھا ہی دیا۔ پھر کیا تھا۔ عرب میں یہ پہلی لڑکی تھی جسنے نو برس کی عمر میں عوراتِ بالغہ کو طاق میں رکھدیا۔ عباراتِ کتبِ ذیل مویدِ دعوئے فدوی ہیں۔ علمائے مدعیان نے جو بجوشِ عداوتِ اہلبیت اہانتِ خاندانِ رسالت میں قلم فرسائی کی ہے وہ اس قابل نہیں کہ جسکو کوئی قلم لکھ سکے اور کان سن سکے۔ مگر چونکہ مسل کا مکمل کرنا اور عدالت پر مدعیان کا آلِ نبیؐ سے اعتقاد ظاہر کرنا مدِنظر ہے لہذا طبیعت پر جبر کرکے عرض کرتا ہوں

کہ بوسہ بازی وساق پا کھولنے سے ہزاروں درجہ بڑھی ہوئی اور باتیں اس معصومہ کے باب میں لکھی ہیں۔ حضرت عمر نے روبروئے اصحاب فرمایا کہ دختر علیؑ سے جماع کرادو مہاجرین اوّلین یہ استدعا سنکر خاموش ہورہے۔ اور کسی نے عمر کے منہ میں رُوڑ نہ ٹھونسا کہ ایسی بات کہنی لازم نہیں ہے۔ وہ عالم مدّعیان جنکی عبارت متعلق بواقعہ مذکور آئندہ پیش کرونگا بمقام عذر فرماتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عمر کو اس کلام کی حرمت ونا واجبیت پر اطلاع نہ تھی۔ اگر ہوتی تو کبھی ایسا نہ فرماتے۔ اسی طرح صحابہ کی نسبت فرماتے ہیں کہ وہ بھی مطلع نہونگے کہ یہ بات بُری ہے ورنہ ضرور عمر کو روکتے۔

سیرت حلبیہ کا صفحہ ۳۶۳ ملاحظہ ہو۔ یہ عبارت لکھی ہے۔ وفی الامتاع ان سیدنا عمر لما تزوّج ام کلثوم بنت علي ابن ابي طالب جاءَ الی مجلس المهاجرين الاوّلين فقال رفئوني (الرفث الجماع) فقالوا ماذا يا امير المؤمنين قال زوجت ام کلثوم بنت علي هذا کلامه ولعل النهي لم تبلغ هولاءَ الصحابه حيث لم ينكر وقوله کما لم يبلغ سيدنا عمر۔ میں حیران ہوں کہ یہ کیسے اصحاب تھے جو تہذیب و شائستگی کے نام سے آگاہ نہ تھے۔ ایسی باتوں کی بُرائی سے ہر شخص فطرتاً آگاہ ہوتا ہے۔ نہ معلوم یہ پامال کنندہ مسند نبوی کس جنگل سے آکر شریعت رسُول کی ہری ہری گھاس چرنے پر تیز دنداں ہوئے تھے۔ علمائے مدّعیان کی سادگی پر افسوس آتا ہے کہ ایسے لوگوں کی برارت بعذر جہالت کرکے پھر بھی اُن جہلا کا دامن نہیں چھوڑتے۔ یقین کیا جاتا ہی کہ اس مضمون کی نسبت بھی یہی کہا جائیگا کہ شیعہ نے ہماری کتابوں میں لکھدیا ہے۔ مدعیوں کے ہاتھ میں یہ اچھا عذر ہے۔ جواب سے عاجز ہوکر ہر جگہ یہ کہدیتے ہیں۔ مگر عند العقلاء اس بیان کی کوئی وقعت نہیں ہوسکتی۔ ہر مجرم بوقت ماخوذی اپنی برارت میں عذر لاطائل پیش کیا کرتا ہے مگر جرم سے بری نہیں ہوسکتا۔ مثلاً عرض کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی تھانہ دار کسی شخص کے صندوق سے جو کہ محفوظ جگہ رکھا ہو کچھ مال مسروقہ برآمد کرکے صاحب خانہ سے پوچھے کہ یہ کہاں سے آیا۔ وہ جواب دے کہ مکانؐ صندوق دونو میرے ہیں مگر برآمد شدہ مال میرا کوئی دشمن رکھ گیا ہے۔ لیکن میں کوئی ثبوت نہیں رکھتا تو کیا اس بیان پر

افسرِ پولیس اُسکو چالان نہ کریگا اور مقدمۂ سرقہ کو نقشۂ حرف (ب) کاٹ کر خارج کرادیگا۔ ایسے ہی علمائے مدعیان محض زبانی خرچ پر کہ شیعہ نے ہماری کتاب میں لکھدیا ہے بری نہیں ہو سکتے۔ تاوقتیکہ گواہانِ معائنہ یا کوئی قرینہ قابلِ یقین نہ دکھلائیں مدعی صاحبان کوئی وجہ لائقِ اطمینان ظاہر نہیں کر سکتے۔ فقط یہی کہے جاتے ہیں کہ شیعہ نے اپنے مفید اور ہمارے معز کتابوں میں لکھدیا ہے۔ سب سے پہلے مدعیوں کو اس عذرِ مکر کا سبق شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے دیا ہے۔ اُسی پرانے آموختہ کو اُن کے سب شاگرد رٹے جاتے ہیں۔ شاہ صاحب تحفہ میں لکھتے ہیں کہ دہلی کے خوشنویس شیعہ ہماری غیر مشہور کتابوں کو خوشخط لکھکر سونے چاندی کی جدول سے آراستہ کرکے گزری میں ستیوں کے ہاتھ بہ قیمتِ ارزاں بیچدیتے ہیں۔ نادان بیچارے سستا مال دیکھکر لے لیتے ہیں۔ اُن کتابوں میں بیا موقع پاکر ایسے مضامین درج کردیا کرتے تھے جس سے پیشوایانِ اہلسنت کی تہجین و تنقیص پیدا ہو۔ مگر صحاح میں وہ کوئی کارروائی نہ کرسکے۔ بعنایت الٰہی ہماری صحاح ستہ دستبردِ شیعہ سے محفوظ رہیں۔ شاہ صاحب پر لازم تھا کہ اتنا ضرور بتلادیتے کہ فلاں فلاں کتاب میں شیعہ نے اِن اِن مضامین کو چالاکی سے لکھدیا ہے۔ بقولِ شاہ صاحب شیعہ نے غیر مشہور کتابوں میں مضمون بنایا ہے۔ استیعاب و اصابہ جیسی مشہور کتابوں میں ساق پا کھولنے کا مضمون کسنے درج کردیا۔ ۲۵ کتابوں میں رسالت مآب صلعم کا بحقِ جنابِ فاطمہؑ فدک کا ہبہ کرنا اور عند التنازعہ روبروئے خلیفۂ اول حضرتِ امیرؑ و حسنینؑ شریفین و امِّ کلثوم و امِّ ایمن کا وقوعِ ہبہ پر گواہی دینا کون شیعہ لکھ گیا۔ بحثِ وراثت میں حضرت امیرؑ کا اجرائے وراثت بہ ترکۂ انبیاء بر قرآن سے محتج ہونا کس شیعہ نے لکھدیا۔ ۱۶ کتابوں میں قصۂ آتش زنی بخانۂ فاطمہؑ کس نے درج کیا۔ ہبہ و وراثت و احراق وغیرہ جملہ معاملات بحوالہ کتب و عباراتِ تشیید المطاعن میں موجود ہیں۔ مسلم میں کس شیعہ کو یہ لکھنے کا موقع ملا کہ علیؑ ابوبکر و عمر کو کاذب و غادر و خائن جانتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ مدعیان پر فرض ہے کہ اصلی مجرم کو پیدا کریں۔ ورنہ اُنکا چالان اُسی طرح کیا جائیگا کہ جیسے حسبِ تصریح بالا تھانہ دار صندوقِ محفوظ سے مالِ مسروقہ نکلنے پر مجرم کو سپرد حوالات کریگا۔ اورہاں خوب یاد آیا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ صحاح میں شیعہ

کچھ چالاکی نہیں کرسکے۔ مولوی حیدر علی صاحب ازالۃ الغین میں حسب تصریح بالا لکھتے ہیں کہ دو سو دس حدیثیں مسلم و بخاری کی غلط ہیں۔ یہ سیکڑوں بے بنیاد احادیث صحیحین میں کسنے لکھدیں۔ نہ معلوم اِس اختلافِ بیان میں جھوٹ کا ستارہ کسکی پیشانی پر چمکیگا۔ شاہ صاحب یا حیدر علی صاحب کی۔ بہرحال اِن دونوں میں سے ایک کے چہرہ پر ضرور قشقۂ بدنامی لگایا جائیگا۔ المختصر یہ توہین جسکی اجمالی حالت میں نے عرض کی ایسی ہے کہ جو اہلبیتِ نبوی کے ساتھ علمائے مدعیان نے کی ہے۔ چند اور اہانتیں ایسی ہیں جنکا ذکر داخلِ طوالت ہے۔ سیّد سجاد حسین بارھوی نے رسالہ تقریر دلپذیر میں اُن کو بہت تشریح سے لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمالیا جائے۔ اہلبیت رسُول کو بعدِ آنحضرت مسلمان ایسی بیوقار نظروں سے دیکھتے تھے کہ پایان نہیں۔ پہلے عرض کرچکا ہوں کہ معاذ اللہ عمر نے مہاجرینِ اوّلین کے سامنے کہا کہ علیؑ کی بیٹی سے جماع کرادو۔ سب نے سنکر مطلق سرزنش نہ کی۔ خود عمر کے سامنے بدمعاش و زناکار لوگ اہلبیت کو ناسزا کہتے تھے اور وہ سُنکر ٹالدیتے تھے۔ وفیات الاعیان ابنِ خلکان میں ایک طولانی عبارت لکھی ہے جسکا ماحصل یہ ہے کہ خلیفہ عمر اور مغیرہ زناکار جسکا امِ جمیل سے زنا کرنا اور عمر کا مقدمہ سے بوجہ اتحاد مغیرہ کو بری کردینا تشئید المطاعن میں کتبِ اہلسنت سے بصفحہ ۵۹۶ لکھا گیا ہے۔ کعبہ میں وارد تھے۔ اتفاقات سے امِ جمیل معشوقۂ مغیرہ بھی بقولے "شتر حج ہے کھاکے بلی حج کو چلی" طوافِ خانۂ کعبہ کے لیے آئی۔ ایک روز مغیرہ زانی اور عمر فاروق ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے پھر رہے تھے کہ برابر سے امِ جمیلہ زانیہ گزری۔ خلیفہ عمر نے پہچانکر مغیرہ سے بطورِ تجاہلِ عارفانہ دریافت کیا کہ دوست اِس عورت کو بھی جانتے ہو؟ اُنھوں نے نہایت پُرمذاق لہجہ میں جواب دیا کہ ہاں خوب جانتا ہوں یہ امِ کلثوم بنتِ علیؑ ہے۔ عبارتِ وفیات الاعیان کا ایک مختصر ٹکڑا متعلق بہ معاملہ لکھتا ہوں قال نعم ھذہٖ امِ کلثوم بنت علی فقال لہ عمر اتتجاھل علیّ الی اٰخرہٖ۔ عمر نے یہ سنکر صرف اتنا فرمایا کہ آپ تجاہلِ عارفانہ سے ایسا فرماتے ہیں۔ مقامِ غور ہے کہ ایک زانی کا معصومہ کو زنِ زانیہ سے تشبیہ دینا اور عمر کا ہنسکر ٹالدینا کسدرجہ اہلبیت کی بیوقاری کو

ثابت کرنیوالا ہے۔ میں درباب اہانت اہلبیت جو کہ علمائے مدعیان نے کی ہے بہت کچھ گفتگو کرسکتا ہوں مگر خوف طوالت سے اس جگہ عنان زبان روک کر عرض کرتا ہوں کہ بعد سماعت حالات مصرحہ بالا عدالت نے ضرور یقین فرمالیا ہوگا کہ اس فرضی و قیاسی نکاح کے واقعی ثابت کرانے میں علمائے مدعیان نے خاندان رسالت کی کیسے الفاظ میں ذلت کی ہے۔ کوئی توہین وہتک آمیز واقعہ ایسا نہیں ہے جس کو اہلبیت نبوی سے منسوب نہ کیا ہو۔ مدعیان کا دعوے ہے کہ بلاجبر و کراہت طیب خاطر و خوشدلی سے علیؑ نے عقد کردیا تھا۔ روایات مذکورہ بالکل اس خیال کو بدلدینے والے ہیں۔ صاف ظاہر ہوگیا کہ حضرت علیؑ پر اسقدر دباؤ ڈالا گیا کہ پناہ بخدا۔ اُنہوں نے اپنی لڑکی کو پسند و غیر پسند کے لیے بھیجدیا۔ میں ان تمام واقعات کو بالکل غلط و بادر ہوا سمجھتا ہوں۔ حضرت عمر سے جسقدر باتیں نسبت دی گئی ہیں سب کو بناوٹی وغیر واقعی جانتا ہوں۔ ہرگز ہرگز کوئی اہانت ازجملہ مندرجہ صدر حضرت عمر سے واقع نہیں ہوئی وہ صرف مراتب حکومت سے اہلبیت کے گرانیوالے تھے نہ کہ اُنکی ذاتیات میں عیب پیدا کرنیوالے۔ البتہ متاخرین نے اُنکی تعلیم سے بہر نوع خاندان نبوت کو ذلیل و حقیر سمجھا۔

رائے عدالت

معائنہ کتب مدعیان پیش کردہ وکیل مدعا علیہم و نیز سماعت تقریر وکیل سے جو نتیجہ کہ برآمد ہوا اُس سے صاف طور پر سمجھا جاتا ہے کہ اگر فی الواقع عمر صاحب اُن حرکات کے مرتکب ہوئے تو وہ ہرگز مسلمان نہ تھے۔ جو شخص کہ خدا اور رسولؐ پر ایمان بصدق دل لایا ہو وہ کبھی ایسی حرکات نہیں کرسکتا جو کہ عمر سے معرض وقوع میں آئیں۔

تنقیح نہم

عمر صاحب نے یہ عقد کس عمر میں کیا۔ اور بعد عقد کتنے دنوں زندہ رہے اور اُمّ کلثوم کی بروقت نکاح کیا عمر تھی۔ اور بمقتضائے سنیت فریقین اولاد کا ہونا ممکن ہے یا محال؟

بیان غلام معاویہ وکیل مدعیان

میرے مذہب کے تمام علماء کا اسپر اتفاق ہے کہ بروقت خطبہ حضرت عمر کا سن شریف ساٹھ برس یا اس سے کچھ اوپر تھا۔ مولوی شہاب الدین دولت آبادی کتاب ہدایۃ السعداء میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت عمر نے ام کلثوم سے عقد کرنا چاہا تو فرمایا کہ میں بیکار محض ہوگیا ہوں۔ عورتوں کی خواہش مطلق نہیں رہی۔ بغرض حصول عزت آخرت خاندان رسالت میں عقد کرنا چاہتا ہوں۔ فاروق نے جن لفظوں میں اُسوقت اپنی عمر کا اظہار کیا تھا اُنکو مولانائے ممدوح اسطرح ادا کرتے ہیں۔ (عمر گفت من مرد پیرم عمرم از شصت سال بالا شدہ) اور اسماء الرجال کے صفحہ ۶ پر لکھا ہے قتل عمر اربع من ذی الحجۃ سنۃ ثلثۃ وعشرین ولہ من العمر ثلثۃ و ستون سنۃ۔ معنی یہ ہوئے کہ ۲۳ھ ہجری ۴ ذی الحجہ کو عمر قتل ہوئے۔ اور بروقت شہادت اُنکا سن مبارک ۶۳ سال کا تھا۔ اس حساب سے ۲۰ھ ہجری میں عقد ہوا۔ کیونکہ حضرت فاروق سنہ مذکور میں ساٹھ برس کے تھے۔ اور ۲۳ھ میں ۶۳ سال کے۔ عقد کرنے سے کچھ کم تین برس کے بعد قضا کر گئے۔ ام کلثوم کی عمر کا تذکرہ پہلے ہوچکا ہے کہ چار یا پانچ سال یا انتہا چھ سال کی تھی۔ مولانا حیدر علی صاحب درباب بحث عقد ام کلثوم ازالۃ الغین کے صفحہ ۹۳۳ پر عمر کا فیصلہ اس طرح کرتے ہیں (فکیف دختر پنج شش سالہ باشد) ہدایۃ السعداء کے صفحہ ۲۵۹ پر تحریر ہے (اربع سنین او ما بین الاربع الی خمس) یعنی چار سالہ تھی یا چار اور پانچ سال کے بیچ میں۔ سوائے ازایں ام کلثوم کی خوردسالی کا ہمارے علماء کو اعتراف ہے جسکا ثبوت وکیل مدعاعلیہم نے تنقیح ہشتم میں بہت صحت سے پیش کیا ہے۔ مولوی حیدر علی صاحب منتہی الکلام کے صفحہ ۴۴۲ پر رقمطراز ہیں فدعا ام کلثوم وھی یومئذ صبیۃ یعنی عمر کا ام کلثوم کو اپنے پاس بُلانا صرف بوجہ خوردسالی تھا۔ یہی مضمون صواعق محرقہ کے صفحہ ۱۰۴ پر ہے کہ (فرستادن اُم کلثوم بواسطہ صغر سن بود کہ ہنوز بحد شہوت نرسیدہ بود کہ حرام باشد اگر صغیرہ نمی بود پدرش علی او را بدیں طریق نمی فرستاد) علاوہ بریں حضرت امیر نے بھی عقد سے انکار کیا تھا۔ وہ بھی بوجہ صغرسنی تھا۔ ہر روایت میں حضرت علی کا جو قول درباب

عقدِ نکاح واقع ہوا ہے وہ کمسنی کا ثابت کرنیوالا ہے۔ لہذا میں بلا تردد کہتا ہوں کہ حضرت عمر بوقتِ خطبہ ساٹھ برس کے تھے اور اُمِ کلثوم چھ برس یا پانچ اور چار سال کے درمیان میں تھیں۔

تقریر سید نثار پنجتن وکیل مدعا علیہم

یہ تنقیح تمام مقدمہ کی اصل اصول ہے۔ عدالت کو اس موقع پر بہت توجہ فرمانی چاہیے مقدمہ کی اصلیت اسی پر کھل جائیگی۔ وکیل مدعیان کو بلا فکر و تردد و باعتبار روایات و تحقیقاتِ علمائے خود تسلیم ہے کہ اُمِ کلثوم چار یا پانچ سال یا انتہا درجہ چھ برس کی تھیں اور خلیفۂ دوم بوقتِ عقد ساٹھ اکسٹھ برس کے تھے۔ بعدِ عقد اڑھائی تین سال زندہ رہکر ۲۳ھ میں جبکہ اُنکی عمر ۶۳ سال کی تھی نہضت فرمائے دار القرار ہو گئے۔ لہذا بصورت بروے حساب اُمِ کلثوم کسی طرح لائقِ ہمبستری بھی نہ تھی۔ چہ جائیکہ دو بچے زید و رقیہ کا پیدا ہونا۔ آخر حصۂ حیاتِ عمریہ میں اُمِ کلثوم آٹھ برس کی ہو گی۔ پس کسی ملک کی عورت اتنی مدت میں مرد کی صحبت نہیں اُٹھا سکتی۔ العجب کل العجب۔ ۶۳ برس کا نامرد بوڑھا گور میں پیر لٹکائے بیٹھا ہے۔ آٹھ برس کی دُلھن اُسی پیر فرتوت سے دو بچے جن رہی ہے۔ بھلا یہ خیال پُلاؤ کیونکر پک سکتا ہے۔ اس معاملہ میں دو محال واقعے ہیں محالِ اوّل بوڑھے نامرد سے اولاد کا ہونا۔ محالِ دوم سات آٹھ برس کی لڑکی کا دو بچے جننا۔ جس اُمِ کلثوم کو مخطوبۂ عمر بتلایا جاتا ہے اور جس سے زید و رقیہ کا پیدا ہونا ظاہر کیا گیا ہے وہ حسبِ روایاتِ مدعیان و تسلیمِ وکیل صاحب ۲۰ھ میں جبکہ عمر ساٹھ برس کے تھے پنج سالہ تھی۔ اور اُمِ کلثوم دخترِ جناب امیرؑ اُسوقت عاقلہ و بالغہ و راشدہ و جوان تھیں۔ میں عدالت کو اس بات سے ایسا اطمینان دلاؤنگا جسکو ہر مذہب کا آدمی بلکہ خود وکیل صاحب مان لیں۔ باتفاقِ امت ۲ھ میں حضرتِ امیرؑ کی شادی جنابِ سیدہؑ سے ہوئی اور ۱۱ھ میں معصومہ نے وفات پائی۔ پس نو برس سے کچھ کم دونوں کا ساتھ رہا چنانچہ اہلبیت کے ایک معزز مداح نے فرمایا ہے ع ساتھ آٹھ برس تک رہا زہراؑ و علیؑ کا۔ اسی آٹھ نو سال کے عرصہ میں پانچ اولادیں ہوئیں حسنینؑ و زینبؑ و اُمِ کلثومؑ

و محسن سلام اللہ علیہم۔ ۱۵ ماہ رمضان شریف ۳ھ کو امام حسن علیہ السلام اور سوم شعبان ۴ھ کو امام حسین علیہا السلام اور ۶ھ میں ام کلثوم اور اگر زیادہ وسعت دیجائے تو ولادت امّ کلثوم کے پہلے ۸ یا ۹ھ ہو سکتا ہے۔ اس سے زیادہ کوئی زمانہ نہیں ملتا۔ ۶ھ سے ۲۰ھ تک ۱۴ سال کی عمر ہوتی ہے اور سات اور آٹھ سے بارہ یا تیرہ برس ہوتے ہیں۔ اس مستقل حساب سے بالاتر کوئی دوسری صورت ممکن نہیں ہو سکتی۔ پس جسقدر روایاتِ مدعیان متعلق بہ عمر عدالت نے سماعت فرمائیں وہ اس امّ کلثوم کے مقابلہ میں کوئی اثر نہیں رکھتیں۔ اگر کہا جائے کہ رواۃ نے اظہار عمر میں غلطی اٹھائی تو کیا سب کے سب غلطی میں پڑ گئے۔ ایک بھی جادۂ صحت پر نہ رہا۔ خیر میں تھوڑی دیر کے لیے اگر اس غلطی کو تسلیم بھی کرلوں تو اس حصۂ روایات کو کیا کہا جائیگا جس میں امّ کلثوم کا عمر کے پاس جانا اور اسکا گود میں بٹھانا اور سب بے ادبیاں کرنا درج ہے۔ کیونکہ ۱۳ یا ۱۴ برس کی عاقل و بالغ لڑکی کا کسی کے پاس بغرض پسند و غیر پسند بھیجنا بالکل ہی گناہ عظیم ہے میں پانچ چھ برس کی لڑکی کے واسطے پسند نہیں کرتا۔ چہ جائیکہ ۱۳ یا ۱۴ سال کی بالغہ کے واسطے۔ اس جگہ علی و عمر دونو ملزم قرار پاتے ہیں۔ علیؑ پر یہ الزام ہے کہ انہوں نے بالغ کو نابالغ بیان کر کے معاذ اللہ صریح جھوٹ بولا۔ دوم یہ کہ جوان بیٹی کو العیاذ باللہ شخصِ اجنبی کے پاس بغرضِ پسند و ناپسند بھیجدیا جو کہ قطعاً حرام ہے۔ حضرت عمر پر یہ الزام عائد ہوتا ہے کہ جناب امیرؑ کو مجبور کیا کہ لڑکی کو میرے پاس بھیجدو اور جوان عورت کے ساتھ وہ کارروائی کی جو کہ حرامِ محض ہے۔ مدعی یا کوئی کبھی یہ حق نہیں رکھتے کہ ایک جزو یا چند اجزائے روایت کو جھوٹا تبلائیں اور جسکو بجز خود نافع سمجھیں اسکو سچا باور کریں۔ شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفا کے مقصد ۲ صفحہ ۱۱۴ پر لکھتے ہیں کہ امامِ شافعی کا قول ہے کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ حدیث کے ایک حصّہ کو صحیح مانا جائے اور دوسرے کو جھوٹا۔ عبارت یہ ہے قال الشافعی فکیف یوخذ بعض الحدیث ویترک بعضہ۔ پس اب لازم آیا کہ اس جگہ تلاش کرنا چاہیے کہ وہ کون امّ کلثوم ہے جو ۲۰ھ میں پنج سالہ تھی۔ سو اسکی حقیقت یہ ہے

کہ یہ وہی ام کلثوم دختر ابوبکر ہے جسکی بابت تنقیح نمبر ۲ میں بحث ہوچکی ہے بلاحظہ ہو کہ کتاب اسماء الرجال کے صفحہ ۴ پر لکھا ہے وفات ابوبکر لیلۃ الثلثہ وقیل یوم الاثنین جمادی الاخر سنہ ثلثہ وعشر یعنی ابوبکر نے ۱۳ھ ہجری میں وفات پائی۔ کتاب اصابہ کے صفحہ ۳۴۳ پر لکھا ہے کہ بوقت وفات ابوبکر ام کلثوم شکم مادر میں تھی۔ عبارت یہ ہے ام کلثوم بنت ابی بکر الصدیق التیمیہ وتابعیہ مات ابوھا وھی فی حمل فوضعت بعد وفات ابیھا سوائے ازیں کتاب کشف الغطاء ترجمہ موطاء مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور کے صفحہ ۴۸۸ سطر ۲۰ پر لکھا ہے۔ حضرت ابوبکر نے عائشہ سے کہا کہ بعد ہماری وفات کے حبیبہ بنت خارجہ کے شکم سے ایک لڑکی پیدا ہوگی۔ چنانچہ پیدا ہوئی۔ اور اُسکا نام ام کلثوم رکھا گیا۔ جبکہ وفات ابوبکر ۱۳ھ میں واقع ہوئی تو ۱۳ھ میں ام کلثوم کی ولادت ہونی چاہیے۔ سنہ مذکور سے تا ۲۰ھ جس میں عمر نے عقد کیا چھ برس کا فاصلہ ہے۔ اِس موقع پر اگر کسی شخص کو یہ وہم ہو کہ عمر بڑھاپے میں کیا چھ برس کی لڑکی کا اچار ڈالتے اُنکو آنحضرت کے حال پر نظر کرنی چاہیے کہ عائشہ سے جب حضور انور نے نکاح کیا تھا وہ بھی خیریت سے چھ ہی سال کی تھیں۔ جو امر صغیرہ سے حضرت کو منظور تھا وہی عمر صاحب کو تھا۔ اس میں استبعاد کیا ہے۔ پس بلا اشتباہ واضح ہوگا کہ وہ یہی ام کلثوم دختر ابوبکر تھی۔ جسکا عمر نے منھہ چوما اور سینہ سے لپٹایا۔ ساق پا کھولی۔ سب کچھ کیا۔ خیر اُن کے محسن کی بیٹی تھی۔ جو کچھ اُنکی لڑکی کے ساتھ کیا حق احسان ادا فرمایا۔ جس لڑکی کو حیدر علی صاحب و دیگر علما نے پنج و شش سالہ لکھا تھا بحمد اللہ اُسکا پتہ چل گیا۔ دختر ابوبکر چونکہ بوجہ اسماء بنت عمیس حضرت امیر کے گھر پرورش پاتی تھی لہذا غلط نویسان فرقۂ مدعیان نے ایک طوفان بے تمیزی برپا کردیا تھا۔ نہ اسقدر چھان بین ہوتی نہ معاملہ کی اصلیت کھلتی۔ علاوہ برایں ملک العلماء دولت آبادی کا بیان اوّل نقل ہوچکا ہے کہ اسما بنت عمیس کے شکم سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ابوبکر کے نطفہ سے پیدا ہوئی لڑکی کا نام ام کلثوم تھا۔ اُسکا عقد عمر سے ہوا۔ چونکہ بعد وفات عمر اسما حضرت امیر

علیہ السلام کے عقد میں آئی لہٰذا وہ لڑکی اپنی والدہ کے ساتھ زیر حمایت امیر المومنین آگئی۔ اُسی کے بارے میں حضرت علیؑ نے عذر صغر سنی پیش کیا۔ رواۃ مدعیان نے دیدہ و دانستہ فی الواقع غلطی اُٹھا کر حضرت علیؑ کے انکار کو انکی اصلی بیٹی سے متعلق کر کے مضامین بیہودہ کا دریا بہا دیا۔ اصلی واقعہ چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرلی۔

رائے عدالت

اِس تنقیح سے تمام مقدمہ صاف ہوگیا۔ جیسا کہ پانچ چھ برس کی لڑکی سے ہم بستری و اولاد کا ہونا عقلاً محال ہے۔ ایسا ہی ساٹھ باسٹھ برس کے بوڑھے سے جو کہ بقول خود سُست و نامرد ہو زاد و ولد نا ممکن ہے۔ بایں وجہ یہ عقد محالاتِ عقلی میں داخل ہے۔ نیز یہ بھی واضح ہوگیا کہ اُم کلثوم دختر علیؑ سے اِس قصہ کو کچھ علاقہ نہیں۔ یہ مقدمہ دخترِ ابوبکر پنج سالہ سے تعلق رکھتا ہے مدعیان نے عدالت کو سخت دھوکا دیا کہ ایک بے بنیاد و خلافِ عقل دعویٰ دائر کر کے ہمارے وقتِ عزیز کو غارت و برباد کر دیا۔

تنقیح دہم

خلیفۂ دوم کی کتنی بی بیاں مسمّٰی بہ اُمِ کلثوم تھیں۔ اور زید کس بی بی سے پیدا ہوا۔ دختر علیؑ یا اور کسی سے۔

تقریر سید نثار پنجتن وکیل شیعہ

حضرتِ دوم کی تین بی بیوں کا نام اُمِ کلثوم تھا۔ اوّل اُمِ کلثوم بنت جرول خزاعیہ جن سے عبید اللہ و زید پیدا ہوئے۔ تاریخ کامل ابن اثیر کی جلد ۳ کا صفحہ ۲۲۔ اور کتابِ اصابہ کا صفحہ ۳۴۳ متضمن بواقعۂ مذکورہ پیش کرتا ہوں۔ احتیاطاً ہر دو کتب کی عبارت بھی پڑھ کر سُناتا ہوں تاکہ وکیل مدعیان بھی سُن لیں۔

عبارتِ کامل جلد ۳ صفحہ ۲۲۔ کانت امہ ام زید ام کلثوم بنت جرول خزاعی و کان الاسلام فرق بینھا و بین عمر۔

عبارت اصابہ صفحہ ۳۴۳۔ ام کلثوم بنت جرول خزاعیہ کانت زوج عمر ابن الخطاب وھی والدۃ عبید اللہ ابن عمر بالتصغیر وقع ذکرھا فی البخاری غیر مسماۃ وان عمر

طلقہا لما نزل لا تمسکو بعصم الکوافر وسماھا الطبری وقال تزوجہا بعد عمر ابوجہم بن حذافیۃ۔ ہردو عبارات کا مطلب یہ ہوا کہ عبید اللہ و زید ام کلثوم بنت جرول خزاعیہ کے شکم سے پیدا ہوئے۔ چنانچہ بخاری شریف میں بھی اسکا ذکر ہے۔ جب حضرت عمر مسلمان ہوئے اور بی بی صاحبہ نے شوکتِ عمریہ کو نہ مانا اور اپنے قدیم مذہب پر قائم رہیں تب اُنہوں نے طلاق دیکر گھر سے نکال دیا۔

دوسری زوجہ عمر ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط۔ تفسیر کبیر کی جلد ہشتم کا صفحہ ۱۹۱ ملاحظہ ہو۔ لکھا ہے کہ یہ مسماۃ پہلے عمرابن العاص کی بی بی تھی۔ عین عالم جوانی میں اُسکو چھوڑ کر چلی آئی اور عمر کی گلوگیر ہوئی۔ بخاری شریف کی جلد سوم میں صفحہ ۷۶ پر بھی اسکا خیال درج ہے۔ نیز قسطلانی مطبوعہ مطبع نولکشور کی جلد چہارم میں صفحہ ۳۴۹ پر یہی لکھا ہے۔

تیسری زوجہ ام کلثوم جمیلہ بن عاصم بن ثابت حمی الدین تھی۔ تاریخ خمیس مطبوعہ مصر کی دوسری جلد کا صفحہ ۲۵۱ ملاحظہ ہو۔ پس حسب تصریح علمائے مدعیان بخوبی تمام ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر کی تین زوجہ مسمے بہ ام کلثوم تھیں۔ اور ایک دختر ابوبکر جن سے نسبت ہو کر عقد ہوا یا چھوٹ چھٹا وا ہو گیا۔ ان ساڑھے تین ام کلثوم کے واقعات نے روایات مدعیان کو یہ مغالطہ دیا کہ ام کلثوم بنت علی سے بعض واقعات منسوب کرکے ایک غلط سلط بات بنا دی جس سے متاخرین دھوکے میں پڑ کر مستقل طور پر اس بات کے معتقد ہو گئے کہ دختر علیؑ سے ضرور عمر کا عقد ہوا تھا۔ زیادہ خرابی اس معاملہ میں ام کلثوم بنت ابوبکر کے کچے رشتے نے ڈالدی۔ اُسپر حضرت امیرؑ کا انکار بدلیل صغرسنی مدعیوں کے لیے اور بھی سونے پہ سہاگہ ہو گیا۔ بقولے ؎ اُسنے تو گل ارم بتایا ۔ لوگوں کو شگوفہ ہاتھ آیا جس سے جیسا کچھ ہو سکا بغرض اثبات فضائلِ عمر و استحکام مودت بخاندان نبوت ام کلثوم سے مضمون چسپاں کر دیا۔ اولاد مراد سب کچھ ہو گئی۔ مگر جھوٹ کے پاؤں کب ہوتے ہیں۔ کتنا ہی بات بناؤ کہیں نہ کہیں رخنہ رہ ہی جاتا ہے۔ ولادتِ زید وکم سنیِ ام کلثوم و نامردیِ عمر نے تمام دعوے کی حقیقت کھولدی۔ قصہ مختصر تاریخ کامل سے اوپر دکھا چکا ہوں کہ ام کلثوم بنت جرول خزاعی سے زید پیدا ہوا تھا۔ دارقطنی

و شاہ عبدالحق صاحب دہلوی نے بھی اسی کو تسلیم فرمایا ہے کہ عبید اللہ ابن عمر جو کہ جنگ صفین میں معاویہ کا طرفدار ہو کر حضرت امیرؑ کے ہاتھ سے قتل ہوا اور زید دو توام کلثوم مذکورہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ سوائے ازیں برکات حسین سجادہ نشین خانقاہ مارہرہ ضلع ایٹہ نے ایک رسالہ مسمّٰے بہ قولِ موثوق بہ ثبوت عقد اُمِ کلثوم لکھا ہے۔ وہ بھی رسالۂ مذکور کے صفحہ ۲۷ پر لکھتے ہیں کہ مسیّب و زید و عبید اللہ اُمِ کلثوم بنتِ جرول کے شکم سے پیدا ہوئے تھے۔ مروج الذہب مسعودی میں لکھا ہے کہ عبداللہ و حفصہ و عاصم و فاطمہ و زید ایک زوجہ سے تھے۔ اور ابو شحمہ جس پر حدِ شراب جاری ہوئی تھی اور دیگر لڑکیاں اور بی بی سے۔ تاریخ کامل کی جلد ۵ صفحہ ۲۴ پر بھی یہی درج ہے۔ صاحب روضۃ الاحباب لکھتے ہیں کہ امیر المؤمنین عمر شش زن در حبالۂ نکاح داشت ازآنجملہ یک اُمِ کلثوم بنتِ جرولِ خزاعی ہیں۔ ان سے دو بیٹے ایک زید اور دوسرا عبداللہ پیدا ہوا۔ عدالت غور فرمائے جبکہ عمر صاحب کا بیٹا زید بنت جرولِ خزاعی سے پیدا ہوا تھا تو زید کو اُمِ کلثوم دخترِ علیؑ کا بیٹا بیان کرنے سے مدعیان کس درجہ راہِ راستی سے دور ہو گئے۔ ملک العلماء دولت آبادی ہدایت السعداء کے صفحہ ۲۵۹ پر لکھتے ہیں کہ اُمِ کلثوم صغر سنی میں عمر کے گھر مر گئی۔ اور کوئی اولاد اُسکے نہ تھی۔ عبارت یہ ہے ام کلثوم ماتت فی الصغر عند عمر ابن الخطاب لا عقب لہما ملک العلماء نے مدعیوں کے سارے عرضیہ دعوے پر پانی پھیر دیا۔ کیونکہ عرضی دعوے میں لکھا ہے کہ اُمِ کلثوم اور زید نے بعہدِ معاویہ مع والدۂ خود ایک وقت میں وفات پائی۔ ملک العلماء اُمِ کلثوم کا بعہدِ عمر مرنا اور کسی اولاد کا نہ چھوڑنا بیان کرتے ہیں۔ اِس سے تمام کلیہ باطل ہو گیا۔

رائے عدالت

اس مقدمہ میں چند معاملے اہم ہیں۔ ازآنجملہ علیؑ کا بہ طیبِ خاطر و خوشدلی رغبتِ طبیعت سے عمر کو لائق رشتہ سمجھ کر اپنی لڑکی کا عقد کرنا۔ دوم اُمِ کلثوم کا لائق ازدواج و قابلِ اولاد ہونا۔ سوم زید کا بطنِ اُمِ کلثوم سے پیدا ہونا۔ ہر سہ امور و دیگر معاملاتِ تصفیہ طلب کی

حقیقت تنقیح ہذا و تنقیحات بالا کی تصریح سے ظاہر ہے۔ نہ عمر و علیؑ میں اتحاد تھا اور نہ خوشدلی سے رشتہ ہوا۔ بلکہ جبر شدید ثابت ہوتا ہے۔ نہ ام کلثوم قابل عقد تھی۔ نہ اولاد ہوئی۔ زید عمر کی اور زوجہ سے تھا۔ ثبوت اور دعوے میں مثل زمین و آسمان فرق ہے لہذا یہ تنقیح بھی بحق مدعا علیہم فیصل کی جاتی ہے۔

سوال عدالت از غلام معاویہ وکیل مدعیان

اسوقت تک عدالت کے سامنے دس تنقیحیں پیش ہوئیں۔ ہر تنقیح آپکے مضر اور مدعا علیہم کے مفید ثابت ہوئی۔ عقد داخل محالات ہے۔ آپ کوئی اور ثبوت پیش کرنا چاہتے ہیں یا اسی مواد پر جو اسوقت تک پیش ہوچکا ہے فیصلہ کر دینا اپنی حق رسی کا سبب سمجھتے ہیں۔

جواب وکیل مدعیان

ہر چند کہ اسوقت تک جسقدر تنقیحات پر بحث ہوئی ہے وہ سب میرے موکلوں کے حق میں غیر مفید ثابت ہوئی ہیں مگر میں اور بہت ثبوت رکھتا ہوں۔ عدالت اُسکو سماعت فرمائے۔ میں چند گواہوں کا اظہار کرانا چاہتا ہوں۔ مگر عرصہ ہوا کہ سب مر چکے ہیں مستدعی ہوں کہ بذریعہ مسمریزم اُنکی ارواح کو طلب فرما کر اظہار لیا جائے۔

حکم عدالت

حکم ہوا کہ گواہان مدعیان کی روح بذریعۂ مسمریزم طلب کی جائے۔ ناظر سر رشتہ تعمیل کرے۔

اظہار گواہ اول

سفیان:۔ سوال منجانب وکیل مدعی۔ آپکا بیان مولوی حیدر علی صاحب فیض آبادی مؤلف منتہی الکلام نے ازالۃ الغین کے صفحہ ۹۲۶ پر بحوالہ کتاب اصابہ یہ ظاہر کیا ہے کہ جسوقت حضرت عمر نے ام کلثوم سے منگنی کرنی چاہی تو اُنکی درخواست پر علیؑ نے جواب دیا کہ لڑکی کم سن ہے۔ قابلیت عقد نہیں رکھتی۔ اس عذر پر لوگوں نے عمر کے کان بھرے اور برانگیختہ کیا کہ علیؑ نے تمہاری درخواست پر کچھ اعتنا نہ کی۔ اور اُس کو فضول و بے وقعت سمجھ کر رد کر دیا۔ دوبارہ عمر نے باصرار خواہش ظاہر کی۔ تب حضرت امیرؑ نے

اُس لڑکی کو خلیفہ کے پاس بھیجکر کہلا بھیجا کہ اگر آپ رضامند ہیں تو وہ آپکی زوجہ ہے جب ام کلثوم عمر کے پاس آئیں انہوں نے چادر کھینچی۔ مُنہ چوما سینہ سے لگایا۔ ران کھولی۔ اُسپر ہاتھ پھیرا۔ وہ لڑکی یہ حرکات دیکھکر کہنے لگی کہ اگر تو امیرالمؤمنین نہوتا تو میں تیری ناک توڑ ڈالتی۔ اور آنکھ پھوڑدیتی۔ آپ اسکو تصدیق کرتے ہیں کہ ابن حجر عسقلانی نے تمہارے حوالہ سے یہ بات سچ لکھی ہے؟۔

جوابِ گواہ۔ میں حرف بحرف تسلیم کرتا ہوں۔

سوالِ وکیلِ شیعہ

سفیان دو گزرے ہیں۔ ایک سفیان بن عینیہ۔ جن کی تفسیر ہے۔ دوسرا سفیان ثوری۔ آپ کونسے سفیان ہیں۔

جواب مظہر۔ سفیانِ ثوری ہے جسکو مدعی اپنا بڑا ثقہ و معتمد عالم جانتے ہیں۔

جرح وکیل مدعا علیہم

اِس سچے اور سخت ایماندار کا وہی بیان ہے جسکا ذکر پہلے آچکا ہے۔ کتاب اصابہ میں انہی حضرت سے یہ طوفان بے تمیزی برپا ہوا ہے کہ معاذ اللہ پناہ بخدا۔ حضرت علیؑ نے اپنی لڑکی کو پسند و ناپسند کے لیے بھیجدیا۔ اور عمر نے اُس صاحبزادی سے معاذ اللہ ارتکاب حرکاتِ ناشائستہ کیا۔ اِنہی کے بیان سے نادم ہوکر مولوی حیدر علی صاحب کو یہ کہنا پڑا کہ روایت کشفِ ساق وغیرہا شیعہ نے اضافہ کردی۔ ابن جوزی نے انہی حضرت کے بیان کو نامعتبر سمجھ کر لکھدیا کہ مُنہ چومنے اور چادر کھینچنے کی روایت سر تا سر غلط ہے اِس گواہ کو مدعی بڑا ثقہ اور عادل جانتے ہیں۔ مگر مُلا علی قاری نے شرح الشرح نخبۃ الفکر میں لکھا ہے کہ چار شخص سفیانِ ثوری و سفیان بن عینیہ اعمشؔ ابن اسحاق و اسحاق تدلیس کیا کرتے تھے۔ یعنی کہیں کا مضمون کہیں ملاویا کرتے تھے۔ مثلاً زید کے حالات بکر کے واقعات سے ملادیتے تھے۔ واقعہ میں مُلا علی قاری کا کہنا نہایت ہی سچ ہے اِسی قصۂ عقد میں آپ کی گھڑت اور تدلیس نے اسلامی دنیا میں ایک قیامت برپا کردی۔ ابن جوزی تدلیس کو فعل شیطانی بتلاتے ہیں۔ اور علامۂ سیوطی کتاب تدریب

میں یہ تراز نہ فرماتے ہیں۔ سب سے بالاتر یہ کہ گواہ صاحب اہلبیتؑ کے کھلے ہوئے دشمنوں میں ہیں۔ مدام ائمہؑ اطہار پر اعتراض کرتے رہتے ہیں۔ لواقع الانوار کے صفحہ ۴۲۔ اور حلیۃ الاولیا کی جلد دوم صفحہ ۱۰ و تہذیب التہذیب کے صفحہ ۸۸۔ اور مطالب السئول کے صفحہ ۲۳۴۔ اور تذکرہ خواص الائمہ ابن جوزی کے صفحہ ۳۴۵۔ اور فصول المہمہ کے صفحہ ۲۱۳ پر لکھا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس کو اپنی مجلس سے نکلوا دیا تھا کیونکہ صادقؑ آل محمدؐ سے مدام برسر پرخاش و مخالفت رہتا تھا۔ تمام کتب متذکرہ صدر بجہت ملاحظہ عدالت پیش کر کے لواقع الانوار کا مطلب اُردو میں بیان کیے دیتا ہوں تاکہ جملہ حاضرین کچہری سُن لیں۔ یہ حضرت ایک روز امام جعفر صادق علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوئے۔ اُسوقت وہ جناب لباس پشمین پہنے ہوئے تھے۔ اور گواہ صاحب ایک پرانا سڑیل پھٹا گھٹا جُبہ ڈانٹے تھے۔ لوگوں کی نگاہ میں وقارِ امام گھٹانے اور اپنا زہد جتانے کی غرض سے فرمایا کہ آپ اہلبیتِ رسولؐ ہو کر ایسا لباس زیبِ بدن فرماتے ہیں جس سے روح کو راحت اور جسم کو آرام پہنچے حضرت نے فرمایا کہ یحکم الناس مع اللباس۔ یہ پارچہ ہم بحسب ظاہر پہنے ہوئے ہیں لیکن ہمارے بدن سے جو کپڑا ملحق ہے وہ بہت موٹا اور خشن اور کھراہی۔ یہ فرما کر اپنے تکمہ گریبان کھولکر اُس کو رباطن کو دکھلا دیا۔ بعد ازاں حضرتؑ نے حکم دیا کہ اسکی گدڑی جسپر جابجا پیوند لگے ہوئے ہیں اُتاریں۔ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ سب سے اندر ایسا راحت رسانِ جسم لباس حریر پہنے ہوئے ہے کہ جسکی نرمی و نازکی پوستِ اندرونِ بیضہ کو شرما رہی ہے۔ عدالت کو توجہ فرمانی چاہیے کہ جو گواہ روایات میں دیدہ و دانستہ تدلیس کرتا ہو جو کہ کارِ شیطان و مثل زنا ہے اور جسکو عدالت اہلبیتؑ اس درجہ ہو کہ ائمہؑ پر ایراد و اعتراض کرے اور دربارِ امام سے نکلوا دیا جائے خلقت کو دھوکا دینے کے لیے فقیرانہ لباس پہنکر گندم نمائی و جو فروشی کرے۔ آلِ رسولؐ کے باب میں ایسی بیہودہ روایات نقل کرے جسکو سُنکر شرفا بجائے خود رہے رزیلوں کا جگر کانپ اُٹھے۔ ایسے شخص کا بیان کب قابلِ اعتبار ہو سکتا ہے۔ ذی علم وکیل کو ایسے مجروح

وبقدوح گواہ کے پیش کرنے سے سوائے اہانتِ اہلبیتؑ وسفاہت وبے تمیزی عمر نہ معلوم اور کیا مقصود تھا۔

دوسرا گواہ۔ زید بن اسلمہ

سوالِ وکیلِ مدعی۔ مولوی حیدر علی صاحب نے ازالۃ الغین کے صفحہ ۹۲۷ پر کتاب اصابہ فی معرفۃ الصحابہ کے صفحہ ۴۴۳ سے تمہارا یہ بیان نقل کیا ہے کہ بہ تعین چالیس ہزار مہر عمر نے امِ کلثوم سے عقد کیا۔ آپ اسکو تصدیق کرتے ہیں؟

جواب۔ بے شبہ میرا ایسا ہی بیان ہے۔

جرحِ وکیلِ مدعا علیہم

وکیل صاحب نے جو گواہ پیش کیا وہ صرف یہ بیان کرتا ہے کہ امِ کلثوم کا عقد اسقدر مہر پر ہوا۔ نہ معلوم دخترِ علیؑ سے اسکو کیا علاقہ۔ محض لفظِ امِ کلثوم سے دخترِ علیؑ سمجھ لینا کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا۔ پہلے ثابت ہوچکا ہے کہ عمر کی تین بی بیوں کا نام امِ کلثوم تھا۔ اگر یہ رقم صحیح بھی جائے تو ان تین میں سے کسی کے ساتھ علاقہ رکھتی ہوگی۔ امِ کلثوم دخترِ علیؑ کا مہر کبھی نہ چالیس ہزار روپیہ ہوسکتا ہے اور نہ عمر اتنے دولتمند تھے کہ اسقدر روپیہ جیب خاص سے ادا کرسکتے۔ بلکہ انکی کوشش یہ تھی کہ عورتوں کا مہر کم ہو۔ ہر ایک بات کو بصراحت عرض کیا جاتا ہے۔

امرِ اول۔ امِ کلثوم کا مہر کثیر بہ تعداد چالیس ہزار کیوں نہ ہوسکتا تھا؟

رسالت مآب نے بہ خیالِ سہولتِ امت اپنی صاحبزادی جناب سیدہ کا مہر بہت ہی قلیل جسکی مقدار بحساب ہندوستان ایک سو سات روپیہ ہوتی ہے مقرر فرمایا۔ آنحضرتؐ نے اپنے فعل سے امت کو سبق دیدیا کہ وہ بھی اپنی لڑکیوں کا ہلکا اور کم مقدار مہر مقرر کریں۔ پس ہرگز نہیں ہوسکتا کہ جناب امیرؑ خلافِ سنتِ رسول اللہ کرتے۔ یہ خاندان مروج شرایع اسلام واحیا کنندۂ سنتِ نبوی تھا نہ کہ اسکی مخالفت کرنیوالا۔ مہر کا بمثل ہونا بھی شرائطِ مہر میں گو وجوباً نہو مگر استحباباً داخل ہے۔ مہر بالمثل اسی کو کہتے ہیں کہ جو ماں بہن کے مہر کی تعداد سے ملتا ہوا ہو۔ جبکہ سیدہؑ کا مہر ایک سو سات روپیہ کا تھا تو بیٹی کا

چالیس ہزار ہزاروں درجہ کیونکر بڑھ سکتا ہے

امرِ دوم۔ عمر اربابِ دولت و ثروت سے تھے یا کہ مفلس و قلاش؟

کتب مدعیان میں وارد ہوا ہے کہ حضرت عمر ابن الخطاب نے بیت المال سے روپیہ لیکر خانگی ضرورتوں میں صرف کر لیا تھا۔ مرتے مرتے مرگئے مگر ادا نہ ہوا۔ مرتے وقت بیٹے سے کہہ گئے کہ بیت المال کا روپیہ ادا کرکے مجھ کو سبکدوش کر دینا۔ چنانچہ تاریخ الخلفا میں لکھا ہے کہ عمر رقعہ بھیجکر داروغہ بیت المال سے ذاتی ضرورت کے لیے روپیہ منگا لیتے تھے۔ جب خزانچی تقاضہ کرتا تو ٹال جاتے اور کبھی کبھی کچھ دے بھی دیتے۔ اخیر حساب پر چھیاسی۸۶ ہزار روپیہ برآمد ہوا۔ عبداللہ پسر خود سے ارشاد فرمایا کہ بیت المال کے اس گھاٹے کو پورا کر دینا۔ اگر کسی طرح ادائیگی ممکن نہو تو قریش سے چندہ کرکے۔ فتح الباری شرح بخاری میں بھی یہی لکھا ہے کہ خلیفہ نے جو قرضہ چھوڑا وہ بیت المال کا تھا۔ حضرت عمر قرضہ لینے اور اُسکے واپس نہ دینے پر بڑے جری تھے۔ مناقب شہر آشوب میں لکھا ہے

اورد الشافعي عن ابي حنيفة باسنادہ عن عبد الله بن ابی لیلی ان فی عہد عمر اتی مال کثیر من فارس وشوش والاهواز فقال یا بني هاشم لو افرضتموني حقکم من هذا الغنائم لاعوض علیکم مرة اخری فقال علیہ السلام یجوز فقال العباس اخاف فوت حقنا فکان کما قال مات عمر وما ردّ علی بنی هاشم حقهم (امام شافعی ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ عبداللہ بن ابی لیلیٰ سے کہ عمر کے زمانہ میں فارس و شوش و اہواز سے مال کثیر آیا تھا اُسوقت خلیفہ دوم نے بنی ہاشم سے فرمایا کہ اگر اس مال سے بطورِ قرض مجھ کو دو تو دوسرے وقت پر ادا کرونگا۔ جناب امیرؑ نے فرمایا کہ کیا مضائقہ۔ مگر جنابِ عباسؓ نے فرمایا کہ ہمکو اپنے مال کے ضایع ہونیکا احتمال ہے۔ بالآخر وہی ہوا جو عباسؓ نے کہا تھا عمر مر بھی گئے مگر ایک کوڑی نہ دی۔ ایس جس شخص کا یہ حال ہو کہ خدا و بندگانِ خدا کا مال ہضم کر جانے اور ڈکار تک نہ لے وہ ایک بی بی کا اتنا بڑا مہر کہاں سے دے سکتا تھا۔

حضرت عمر کی کوشش در بابِ تعینِ مہر کیا تھی؟

شاہ عبدالعزیز صاحب نے تحفہ میں لکھا ہے کہ عمر نے حکم دیا کہ جو عورت اپنا مہر زیادہ قرار دیگی

اُسکو تادیب کیا جائیگا۔ اور زرِ مہر داخل بیت المال ہوگا۔ ایک عورت نے یہ سنکر آیہ قرآنی سے استدلال کیا کہ عورتوں کو دربابِ مہر اختیار ہے جسقدر چاہیں مقرر کریں۔ عمر نے متنبہ ہوکر انتہائے انصاف سے فرمایا کل الناس افقہ من عمر حتی المخدرات فی الحجاب (پردہ نشین عورتیں مسائل فقہ میں عمر سے بالاتر ہیں) اس تقریر سے میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ جو شخص مقدارِ معمولی سے زیادہ مہر مقرر کرنا پسند نہ کرتا تھا وہ اپنا مہر اسقدر کیوں تجویز کرتا جسکے لیے ریل گاڑی کے ایک بریک کی ضرورت ہوتی ہے۔ اندریںصورت یہ تعداد گواہ صاحب کی گھڑت ہے۔ علاوہ بریں گواہ صاحب عمر کے غلام بھی ہیں۔ چنانچہ مولوی حیدر علی صاحب اسی قضیۂ عقد میں ازالۃ الغین صفحہ ۹۲۴ پر فرماتے ہیں کہ زید ابنِ اسلم غلامِ عمر تھا۔ یہ وہی قصہ ہے کہ لومڑی کی گواہ اُسکی دُم۔ آقا کے نکاح میں غلام گواہ۔ اور وہ بھی ایسے ذی عزت جنکو اہلِ مدینہ جھوٹا جانتے ہیں۔ اور عبداللہ ابنِ عمر کا قول تھا کہ یہ شخص تفسیر قرآن اپنی رائے سے کرتا تھا۔ میزان الاعتدال جلد اوّل کا صفحہ ۱۵۲ ملاحظہ ہو۔ خود حیدر علی صاحب منتہی الکلام کے صفحہ ۸۲ پر لکھتے ہیں کہ روایت زید ابنِ اسلم البتہ لائق احتجاج نخواہد بود۔ عدالت کو غور فرمانا چاہیے کہ اوّل تو ایسی بے جوڑ روایت اور وہ بھی عمر صاحب کے غلام کی۔ اور غلام بھی کیسے جنکو اہلِ مدینہ جھوٹا سمجھیں۔ اور جو قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرے۔ حیدر علی صاحب جسکو معتمد نہ سمجھیں اُسکی شہادت ایسے پیچیدہ مقدمہ میں کب لائقِ اعتبار ہوسکتی ہے

تیسرا گواہ۔ زبیر ابنِ ابکار

سوالِ وکیل مدعی۔ مولوی حیدر علی صاحب نے کتاب اصابہ سے بحوالۂ جناب ازالۃ الغین کے صفحہ ۹۲۷ پر اس مقدمہ کے متعلق آپکا یہ بیان نقل کیا ہے کہ اُمِ کلثوم کے بطن سے زید پسر و رقیہ دختر پیدا ہوئی۔ اور اُمِ کلثوم و زید نے ایک وقت وفات پائی۔ آپ کے حوالے سے جو روایت اصابہ میں لکھی گئی ہے کہاں تک اُسکو صحیح سمجھتے ہو؟

جواب۔ بالکل درست ہے۔ میں اُسکو حرف بحرف تسلیم کرتا ہوں۔

جرح وکیل مدعا علیہم

یہ تیسرا گواہ بھی مثل دوسرے گواہ کے بے پتہ بات کہتا ہے۔ وہ تھے اُستاد ہی نکلے۔ اُنہوں نے تعداد مہر ظاہر کی تھی۔ یہ اولاد بھی گنوانے لگے۔ اور پھر ایک دفعہ سب کا خاتمہ ہی کر دیا۔ ساری زلیخا پڑھ گئے مگر یہ نہ سمجھے کہ بی بی زلیخا مرد تھیں یا عورت۔ نہ معلوم وکیل صاحب بہ ایں طمطراق وقانون دانی ایسی فضول و لاطائل شہادت پیش کرکے کیوں عدالت کا وقت رائگاں کرا رہے ہیں۔ دعوٰے یہ ہے کہ دخترِ علیؑ سے عقد ہوا۔ اور ثبوت میں کہیں اُسکا پتہ نہیں۔ نہ معلوم کس اُمِّ کلثوم سے یہ دو بچے پیدا ہوئے۔ گواہ صاحب حضرت امیرؑ کے دشمنوں میں اعلےٰ درجہ پر شمار کئے گئے ہیں۔ علامہ ذہبی نے جھوٹی حدیث بنانیوالوں میں انکا شمار فرمایا ہے۔ میزان الاعتدال کا صفحہ ۱۴۵ کھولکر دکھلاتا ہوں۔ یہ حضرت عجیب دل و دماغ کے تھے۔ بخوشامدِ عائشہ لکھدیا کہ جب اُمِّ رومان والدۂ عائشہ نے قضا کی تو آنحضرتؐ اپنی خوشدامن کی قبر میں اُترے۔ اور اُنکے لیے ہاتھ اُٹھا کر دعا کی۔ اور فرمایا جسکو حور العین کے دیکھنے کا شوق ہو وہ اُمِّ رومان کو دیکھے۔ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری کے صفحہ ۲۵۰ پر لکھدیا کہ دعائے آنحضرتؐ بہ قبر اُمِّ رومان بالکل غلط ہے۔ پس ایسا بے پتہ بیان ایک جھوٹے اور دشمنِ حضرتِ امیرؑ کا اس مقدمہ میں لائق التفات نہیں ہوسکتا۔

چوتھا گواہ۔ ابن اسحاق

سوالِ وکیل مدعی۔ مولوی حیدر علی صاحب نے ازالۃ الغین کے صفحہ ۹۲۷ پر کتاب اصابہ سے آپکا بیان بحوالۂ ابو بشر دولابی اس طرح نقل کیا ہے کہ جب اُمِّ کلثوم بنت علیؑ عمرؓ سے بیوہ ہوئیں تو عون بن جعفرؓ سے اُنکا عقد ہوا۔ آپ اسکو تصدیق کرتے ہیں؟

جواب۔ مجھ کو تسلیم ہے۔

جرح وکیل شیعہ

تعجب ہے اس گواہ کے بیان پر۔ ابن حجر صواعق محرقہ میں اور ابن عبد البر استیعاب میں لکھتے ہیں کہ عون بن جعفر جنگِ تستر میں بعہد عمر ابن الخطاب شہید ہوئے۔ ذخائر العقبےٰ والے

بھی اِس بات کے ناقل ہیں۔ جبکہ حسبِ روایاتِ راویانِ مدعیان عون بہ عہدِ عمر شہادت پا چکے تھے تو گواہ صاحب کا یہ کہنا کہ بعد وفاتِ عمر عون سے عقد ہوا کس درجہ لائقِ استبعاد ہے۔ اِس سے بڑھکر سُنیئے۔ ملک العلمائے دولت آبادی ہدایت السعدا کے صفحہ ۲۵۹ پر لکھتے ہیں کہ اُمِ کلثوم صغر سنی میں عمر کے گھر مرگئی۔ چنانچہ جس جگہ میں نے عمر کی تین بی بیوں کا اُمِ کلثوم ہونا ظاہر کیا ہے وہاں دولت آبادی کی عبارت کو نقل کر دیا ہے۔ اس سے تمام دفتر گاؤ خورد ہوگیا۔ جبکہ اُمِ کلثوم زندہ ہی نہ تھی تو بیوہ کون ہوئی اور عون سے کس کا عقد ہوا۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ علمائے مدعیان نے اختلاف بیان کرکے اس درجہ اظہار واقعات میں غلطیاں کی ہیں کہ صحیح پتہ چلنا دشوار ہوگیا۔ گواہ صاحب کے نفسِ بیان کا اقتدار تو دکھا چکا۔ اب اُنکی دیانت کا اظہار کرتا ہوں۔ میزان الاعتدال کے صفحہ ۲۴ پر لکھا ہے کہ ابو داؤد نے اِس گواہ کو قدری کہا ہے۔ ہشام بن عروہ و یحیےٰ ابن سعید نے بڑا بھاری جھوٹ بولنے والا بیان کیا ہے۔ امام مالک نے اِسکو دجّال امت محمدی سمجھا ہے۔ گواہ صاحب بڑے رتبہ کے آدمی ہیں۔ ایک روز مسیّب درآوردی آپ سے سبق پڑھ رہا تھا جناب کو پڑھاتے پڑھاتے کچھ غنودگی سی آگئی۔ دیکھا کہ ایک شخص اسکے مدرسہ میں آیا اور ایک گدھے کی گردن میں رسّی باندھکر کھینچتا ہوا لے گیا۔ چونک کر شاگرد سے کہا کہ میاں ہمنے ابھی ایسا ایسا دیکھا ہے۔ تھوڑی دیر بعد ایک شاہی ملازم آیا اور گواہ صاحب کو رسن بستہ کرکے دربار میں لے گیا۔ وہاں لات گھونسے وغیرہ سے خوب استرکاری کی۔ عدالت انصاف فرمائے کہ ایسے شخص کا بیان جوکہ محض جھوٹا اور دجّال ہو امرِ نزاعی میں کیا اعتبار رکھتا ہے۔

پانچواں گواہ۔ ابو حنیفہ معروف بہ امام اعظم

سوالِ وکیلِ مدعی۔ ازالۃ الغین کے صفحہ ۹۳۹ پر یہ عبارت لکھی ہے (نور الدین حسینی از رئیس المحدثین دار قطنی روایت می نماید کہ ابو حنیفہ در مدینہ بشرفِ خدمتِ امام باقر مشرف شد و روقتیکہ باشندگان کوفہ را بسوئے خود راہ می داد و آنہا را نزدِ خود می نشانید۔ ابو حنیفہ گوید کہ من مطلبِ امام را فہمیدم و بہ سوئے آنجناب نشستم و گفتم در حقِ ابوبکر و عمر چہ می فرمائی۔ فرمود کہ

خدا رحمت کند برایشاں۔ عرض کردم کہ اہل کوفہ می گویند کہ تو از شیخین بیزاری۔ فرمود کہ برب کعبہ قسم می خورم کہ آنہا برمن افترا می کنند آیا تو نمی دانی کہ حضرت علیؑ ابن ابیطالب دختر خود را کہ نامِ او ام کلثوم بود از بطنِ مبارکِ حضرتِ فاطمہؑ زہرا پیدا شدہ بہ نکاحِ عمرؓ آورد جدِ او حضرتِ پیغمبرؐ خاتم المرسلین است وجدۂ او خدیجۃ الکبریٰ سیدہ اہل الجنۃ و برادرش حسنؑ و حسینؑ سردارانِ اہلِ بہشت وعم او حمزہ وجعفر ابنِ ابیطالب۔ اگر علیؑ عمر ابن الخطاب را مستحق تزویج نمی دانست زینہار دخترِ خود را کہ حالش دانستی بہ نکاحِ عمر نمی سپرد۔ ابوحنیفہ گوید کہ بعد از آں عرض کردم کہ کاش ایں مضمون را بہ اہلِ عراق در مکتوبے می نوشت کہ تو از آں تہمت مبرا ہستی۔ فرمود کہ اہلِ عراق اطاعتِ من نمی کنند ترا گفتم کہ نزدِ من منشیں برگفتۂ من عمل نہ کردی آنہا کہ سر از شریعت می تابند سخنِ مرا کے گوش می کنند۔

جرحِ وکیلِ مدعا علیہم

آپ غلام ہیں یا آزاد۔ وطنِ شریف کہاں ہے۔ جناب کی قوم کیا ہے؟

جواب ابوحنیفہ۔ میں غلام ہوں۔ چنانچہ اسی وجہ سے امام فخر الدین رازی نے شافعی سے میرا رتبہ کم سمجھا ہے۔ مولوی محمد شبلی صاحب پروفیسر مدرسہ علی گڑھ نے جو ایک کتاب میرے حالات میں مسمیٰ بہ سیرۃ النعمان لکھی ہے اُسکے صفحہ ۱۷ پر میرا غلام ہونا ظاہر کیا ہے۔ باشندگی کی یہ حالت ہے کہ کسی نے مجھ کو کابلی لکھا ہے اور کسی نے عجمی و عربی بیان کیا ہے۔ مگر در اصل میرا دادا زوطی نام کابل سے گرفتار ہو کر آیا تھا۔ اور عرب میں قبیلۂ بنی تیم میں ایک عورت کا غلام رہا۔ قوم خزبافی ہے۔

سوال وکیل شیعہ۔ یہ تو معلوم ہوا کہ آپ غلام ہیں اور نیز عرب کے رہنے والے بھی نہیں بلکہ کابلی ہیں۔ مگر خزباف کو میں نہیں سمجھ سکتا۔ صاف لفظوں میں اپنی قوم بیان کیجیے۔

جواب۔ نورباف۔

وکیل شیعہ۔ حضرت ایچ پیچ نہ کیجیے۔ میں ہندی ہوں۔ اس ملک میں جو آپکی قوم کو

بولتے ہیں وہ فرمائیے۔

جواب۔ جولاہہ۔

آہا آپ مومن مسلمان ہیں جب ہی بحکم الجنس یمیل الی الجنس تمام دنیا کی چھوٹی قومیں آپ کو اپنا امام جانتی ہیں۔ آج ثابت ہوا کہ جناب تلی جنگ بہادر ہیں۔

گزارش وکیل شیعہ درباب ابو حنیفہ از عدالت

اس روایت کے ناقل نور الدین حسینی ہیں جنکو سمہودی بھی کہتے ہیں۔ اُنہوں نے دار قطنی سے مضمون نقل کیا ہے۔ پہلے میں نور الدین کی حقیقت بیان کرونگا کہ کس پایہ کے آدمی تھے۔ پس ازآں دار قطنی کی کیفیت عرض کرونگا۔ زآں بعد جولاہے صاحب کے حالات پختہ روشنائی سے لکھونگا۔

حالات نور الدین

اِنکی تصنیف سے تاریخ مدینہ وجواہر العقدین ہے۔ مولوی رشید الدین شاگرد شاہ عبد العزیز صاحب مؤلف شوکت عمریہ لکھتے ہیں کہ کتاب جواہر العقدین را نمی دانیم و مصنف آنرا نمی شناسیم۔ ذکر ایں قسم مجہولین بجز اظہار حمق فائدہ نمی بخشد۔ مقام انصاف ہے جس شخص کو اُسی کے مذہب کا عالم جاہل بتلاتا ہو وہ ہمارے مقابلہ پر کیا اعتبار حاصل کر سکتا ہے۔ رہے دار قطنی صاحب۔ اُنکی نسبت کتاب سعی مشکور کے صفحہ ۳۲۰ پر لکھا ہے کہ اُسنے روایات ضعیف و منکرہ سے اپنی کتاب کو بھر دیا ہے۔ جناب مولوی عبد الحی صاحب ساکن فرنگی محل واقعہ لکھنؤ نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ موضوعات و منکرات و غرائب سنن سے دار قطنی نے اپنی کتاب کو مزین کیا ہے۔ عدالت غور فرمائے کہ جس شخص کو اپنے گھر میں یہ عزت ہو وہ خصم کے نزدیک کیونکر قابل وثوق سمجھا جا سکتا ہے۔

حالات جولاہے صاحب

یہ عجیب مزاج کے شخص معلوم ہوتے ہیں۔ امام مفترض الاطاعت تو اہل کوفہ کو حکم دیں کہ میری مجلس میں نہ آؤ۔ اور یہ حضرت باوصف ممانعت وہیں ڈٹ کر بیٹھ جائیں اور کچھ

بجوائے اتما نفث نہ کریں۔ آپ کا بیان عجیب نور بھرا ہے۔ خوب تانا بانا تیار کیا ہے جسکا
ہر دھاگا ادنے تکان سے ٹوٹا جاتا ہے۔ اتحاد و موالاتِ جناب امیرؑ و شیخین کے ثبوت
میں امام محمد باقر علیہ السلام کو سوائے عقدِ امّ کلثوم اور کوئی مضمون ہی نہ سوجھا۔ تعجب ہے
کہ ابو حنیفہ دو شخصوں کی نسبت امام کا اعتقاد دریافت فرمائیں اور وہ صرف عمر کے
بارے میں ایک طولانی گفتگو کریں۔ اور ابوبکر کے باب میں مطلق لب نہ ہلائیں۔ عمر کی فضیلت
بھی ابوبکر کیا فائدہ دے سکتی ہے۔ آپ کا طرزِ بیان قابلِ نظر ہی جناب امام محمد باقر نے
محض اتنا ہی فرمایا تھا (آیا تو می دانی کہ حضرت علیؑ ابن ابیطالب دخترِ خود را الیٰ آخرہ)
اِسکو استفہام کہتے ہیں۔ یعنی امام نے فرمایا کہ تو نہیں جانتا یعنی حقیقت میں جانتا ہے۔
پس تعجب ہے کہ ایسے دانندہ کے سامنے امام صاحب نے امّ کلثوم کا ایسا پتہ دیا کہ کوئی
حالت منتظرہ باقی نہ رہی۔ یعنی فلاں کی بیٹی اُسکی پوتی۔ اُسکی نواسی۔ اُسکی بھانجی۔ اُسکی بھتیجی۔
اُسکی بہن وغیرہ وغیرہ۔ یہ طرزِ بیان بالکل ساختہ معلوم ہوتا ہے۔ ہر ہر بات سے بوئے
موضوعیت آرہی ہے۔ گواہ صاحب نے جو فرمایا ہے کہ اگر علیؑ مرتضےٰ عمر ابن خطاب را
مستحقِ تزویج نمی دانست زینہار دختر خود را بہ نکاحِ عمر نمی سپرد۔ واقع میں یہ بہت سچا
کلام ہے۔ اور ما بین مدعیان و ما بندگان ہی امر نزاعی ہے کہ آیا علی و عمر میں ایسا اتحاد
تھا کہ جس سے علیؑ کے نزدیک عمر مستحقِ رشتہ و تناسب بہ خاندانِ رسالت تھے۔ بحمد اللہ
تنقیحاتِ ماقبل میں عدالت نے خود تجویز فرما دیا ہے کہ اہلبیتِ نبوی و شیخین میں مطلق
اتحاد نہ تھا۔ بلکہ باہم گر سخت عداوت تھی۔ اور عمر باعتبارِ نسب کبھی یہ منزلت نہ رکھتے
تھے کہ کسی حقیر گھرانے میں بھی اُنکا رشتہ ہو سکے۔ چہ جائیکہ خاندانِ نبوت۔ یہ بیان
سراسر غلط معلوم ہوتا ہے۔ درحالیکہ علیؑ حسب اندراجِ مسلم و بخاری ابوبکر و عمر کو کاذب
و غادر و خائن جانتے تھے تو امام محمد باقرؑ بخلافِ جدِ خود کیوں ایسا فرماتے۔ سب سے زیادہ
مجھکو اسپر تعجب آتا ہے کہ گواہ صاحب نے عمر کے باب میں کیوں دریافت کیا اسلیے کہ یہ خود حضرت
شیخین کو اچھا نہ جانتے تھے۔ بلکہ ایمانِ ابوبکر مثلِ ایمانِ شیطان تبلاتے تھے۔ اور اقوالِ عمر کو
قولِ شیطانی فرماتے تھے۔ تاریخ بغداد مؤلفہ خطیب بغدادی میں درج ہے ان ایمان ابوبکر

الصدیق واحد جامع الصغیر میں لکھا ہے عن عبد الصمد عن ابیہ قال ذکر لابی حنیفۃ
قول قالہ عمر فقال قول شیطان العجب خود تو شیخین کے ایمان و اقوال کو شیطان سے
تعبیر فرمائیں اور امام سے کوفیوں کے نام سفارشی رقعہ لکھائیں۔ اب گواہ صاحب کی وہ
عزت دکھلاتا ہوں جو کہ علمائے مدعیان کے نزدیک انکی ہے۔ امام غزالی نے اپنی کتاب
منخول میں ظاہر کیا ہے کہ اِس شخص نے اسلام میں فساد ایسا پھیلایا کہ شریعت رسول
کو مضحکۂ اطفال بنا دیا۔ امام موصوف فرماتے ہیں کہ اگر دین کے دس حصّے فرض
کیے جائیں تو نو حصّوں کو اُنہوں نے بالکل تباہ کر دیا۔ اور دسویں حصّہ کو بلا غارت
نہیں چھوڑا۔ زمانۂ حال کے محقّق کامل مولوی شبلی نعمانی بھی سیرۃ النعمان میں لکھتے
ہیں کہ ابو حنیفہ نے رومیوں کے قانون سے بہت کچھ مدد لی ہے جس سے بآسانی
قولِ غزالی کی تائید ہوتی ہے۔ کجا دینِ محمدی اور کہاں قانونِ روم۔ اِس گواہ کے
چند مسائل عدالت کو دکھلاتا ہوں جن کے ملاحظہ سے ظاہر ہو جائیگا کہ یہ بزرگوار
کس حیثیت اور مرتبہ کے شخص ہیں۔ اور شریعتِ رسول اللہ کو انکی ذات نے کیا عزت
دی ہے۔ کتاب ہدایہ کے باب الحدود میں لکھا ہے ومن تزوج امراۃ لا یحل نکاحہا
فوطیہا لا یجب علیہ الحد عند ابو حنیفۃ یعنی اگر کسی ایسی عورت سے عقد کیا جائے
جس سے کرنا حلال نہو مثل ماں۔ بہن۔ پھوپھی۔ خالہ وغیرہ کے اور پھر اُسکے ساتھ صحبت
کی جائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایسے کرانیوالے پر کوئی حدِّ شرعی قائم نہیں ہو سکتی
ترجمۂ کنز الدقائق معروف بہ تحفۃ النعیم مطبوعہ مطبع نولکشور کے صفحہ ۱۷۵ سطر ۸ پر لکھا
ہے کہ اگر اپنی محرم عورت سے نکاح کیا اور صحبت کی یا اجنبی عورت سے مقام معیّن
کے سوا اور جگہ سے کام نکالا۔ یا کسی کے ساتھ لواطت کی۔ یا کسی جانور کے ساتھ حرکت
کی۔ یا دار الحرب میں باغیوں کے ملک میں زنا کیا تو حد نہ آئیگی۔ کیا اچھا مذہب ہے کہ
ہر قسم کی منہیات کرو اور سزا ندارد۔ فتاوائے قاضی خاں مطبوعہ مطبع مصطفائی کے
صفحہ ۲۰۷ میں درج ہے لو تزوج بذات رحم محرم البنت والاخت والام والعمۃ
والخالۃ وجامعہا لا حد فی قول ابی حنیفۃ شرح وقایہ اردو مطبوعہ مطبع احمدی کانپور

کا صفحہ ۲۳۳ سطر ۱۱ کو بھی دیکھنا چاہیے۔ یہی مضمون لکھا ہوا ہے کہ محرماتِ شرعیہ کے زیرِ ران کرنے سے کوئی جرم قابلِ سزا پیدا نہیں ہو سکتا۔ بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں تحریر ہے ولو جامعہا بخرقۃ علی ذکرہ لم یثبت الحرمۃ یعنی کپڑا لپیٹ کر جماع کرنا حرام نہیں ہے۔ شرح ہدایہ کی جلد ۲ صفحہ ۶۷۸ پر لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کنیز یا غلام کی دبر میں دخول کرے تو اُس پر کوئی حد یعنی سزائے شرعی نہیں ہے۔ فتاوائے عالمگیری مطبوعہ دہلی جلد ۵ صفحہ ۱۵۲۔ وفتاوائے سراجیہ جلد ۴ صفحہ ۲۰۷ پر تحریر ہے کہ اگر نو پیالے شراب کے کوئی شخص پیاپے نوش کرے اور نشہ پیدا نہ ہو تو ایسے شخص کو کوئی شرعی سزا نہیں دی جا سکتی۔ آپ کے نزدیک نماز کی جو کہ اسلام میں افضل العبادات ہے عجیب عزت ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نبیذ سے (ایک قسم کی شراب ہے) وضو کرے اور دباغت دیے ہوئے پوستِ سگ کا لباس پہنے اور سورتہائے قرآنی کے بدل اللہ بزرگ است یا دو برگِ سبز کہکر سجدے میں کوّے کی طرح ٹھونگیں لگائے۔ اور بجائے سلام گوز دانی سے فیر کر تو نماز درست ہو جائیگی۔ (اے سبحان اللہ!) ظفر المبین کا صفحہ ۲۰۵ ملاحظہ ہو۔ یہ گواہ بجرم تغییرِ شریعت سزائے بید و جیلخانہ بھی پا چکا ہے۔ سیرۃ النعمان مؤلفہ محمد شبلی صاحب کے صفحہ ۵۷ پر لکھا ہے کہ گورنر کوفہ نے حکم دیا کہ ہر روز دس بید لگائے جائیں۔ تاریخ بغداد جامع المسانید میں مندرج ہے کہ سنہ ۱۴۶ ہجری میں یہ قید ہوا اور وہیں جیلخانہ میں سڑ کر مر گیا۔ خطیبِ بغدادی نے اسکو دجّال کہا ہے۔ اور حضرت پیرِ دستگیر غوث الاعظم نے مرجی یعنی راندۂ درگاہ بتلایا ہے۔ سوائے اِن تمام صفاتِ بالا کے یہ دشمنِ اہلبیتؑ بھی تھا۔ عبقات الانوار کے صفحہ ۷۸۲۔ اور استقصار الافحام کے صفحہ ۲۳۷ پر بحوالہ قاضی القضاۃ ابو المؤید محمد بن محمود خوارزمی لکھا ہے کہ ابو جعفر خلیفہ عباسی نے ان سے فرمائش کی کہ تم چند مسائلِ مشکلہ امام جعفرِ صادق علیہ السلام سے ایسے پوچھو کہ امام جواب سے عاجز ہو کر لوگوں کی نظروں سے گر جائیں۔ اُنہوں نے اِسکا مطلق خیال نہ کیا کہ اولادِ رسولؐ منبعِ علوم و پیشوائے اُمّت ہیں۔ اُنکے سامنے مکابرہ و مجادلہ حرام

ہے۔ فوراً چالیس سوال ایسے تجویز کیے جنکو بد انسبت خود لا جواب سمجھ لیا۔ ایک روز بموجودگی منصور مذکور وہ لاحل سوالات پیش کرکے طالب جواب ہوئے۔ وہاں کیا دیر تھی۔ ہر ایک کا جواب ایسا مسکت ملا کہ سوائے ندامت کوئی چارہ نہ رہا۔ تمام واقعاتِ صدر پر نظر فرماکر عدالت انصاف فرمائے کہ جو شخص باوصفِ ممانعتِ امام اُنکی مجلس میں درّانہ چلا جائے۔ اور امام معصوم سے ایسی روایت بیان کرے جسکی ہر لفظ سے بوئے بناوٹ آرہی ہے جس کو امام غزالی برہم کنندۂ شریعت سمجھیں۔ جسنے ماں بہن کے ساتھ وطی کرنیوالے کو حدِ شرعی سے بچایا ہو۔ جو کہ مرجی یعنی نامسلمان ہو۔ جسکو بجرم اجرائے مسائلِ بیہودہ سلاطینِ وقت کی کچہری سے سزائے تازیانہ وجیلخانہ ملی ہو۔ جس نے نماز کو کُتّے کی کھال پہنکر پڑھا اور جائز تبلایا ہو۔ جسنے بخوشامدِ سلاطین اپنی آبرو بڑھانے اور صادقِ آلِ محمدؐ کی عزّت گھٹانے کی تجویز کی ہو جو کہ دشمنِ علیؑ و اولادِ علیؑ ہو۔ اُسکا بیان اِس مقدمہ میں کیا اثر دے سکتا ہے۔

چھٹا گواہ۔ ابو صالح

مولوی حیدر علی صاحب فیض آبادی نے ازالۃ الغین کے صفحہ ۹۴۰ پر آپ کا یہ بیان حوالۂ قلم کیا ہے کہ علیؑ سے جنابِ عمرؓ نے درخواست کی کہ اپنی بیٹی اُمِّ کلثوم سے میرا عقد کردو۔ اِس لیے کہ میں نے رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے سُنا ہے کہ کل حسب ونسب قیامت میں منقطع ہوجائینگے مگر میرا ذریعہ قطع نہوگا۔ چاہتا ہوں کہ اِس سلسلۂ آلِ رسول میں داخل ہوکر شرفِ آخرت حاصل کروں۔

جوابِ گواہ۔ میں تصدیق کرتا ہوں۔

جرح وکیل مدعاعلیہم

یہ گواہ بھی مثل اپنے پہلے بھائیوں کے کچھ بہت سچّا نہیں۔ علامۂ ذہبی میزان الاعتدال کے صفحہ ۲۲۱ میں اِسکو کاذب فی الحدیث لکھتے ہیں۔ امام نسائی ثقہ ومعتمد نہیں جانتے۔ بلکہ یحیےٰ بن ابوبکر کو اِن سے اچّھا کہتے ہیں۔ ابنِ مدینی کسی درجہ میں اِسکو شمار نہیں کرتے۔ اِس حیثیت کا گواہ ہمارے مقابلہ میں کیا وقار رکھتا ہے۔

ساتواں گواہ لیث بن سعد

آپکا بیان ازالۃ الغین میں صفحہ ۹۴۲ پر بحوالۂ دار قطنی ہم مضمون ابو صالح گواہ ششم درج ہوا ہے۔

جواب - ہاں صاحب۔

جرح وکیل شیعہ

امام نودی نے شرح مسلم میں اس گواہ کو مجہول لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ چودہ[14] آدمی رواۃ مسلم سے مجہول ہیں۔ از آنجملہ یہ صاحب بھی ہیں۔ ایسے مجہول کا بیان کوئی عزت نہیں رکھتا۔

آٹھواں گواہ عاصم بن عمر

سوال وکیل مدعی - ازالۃ الغین کے صفحہ ۹۴۳ پر آپکا بیان بہ مثل گواہان ششم و ہفتم لکھا گیا ہے۔

جواب - میں تسلیم کرتا ہوں۔

جرح وکیل شیعہ

ابن معین اس گواہ کو ضعیف القول بتلاتا ہے۔ بلکہ یہانتک ترقی کی ہے کہ ہر اُس شخص کو جسکا نام عاصم ہو ضعیف کہا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کل عاصم فی الدنیا ضعیف۔ محمد طاہر گجراتی نے کتاب الضعفا میں انکا نام لکھا ہے۔ میزان الاعتدال کے صفحہ ۱۸۶ پر لکھا ہے شریک ابن عبداللہ ابن سنان النخعی کوفی کو یحییٰ بن سعید نے ضعیف القول لکھا ہے۔ ابن معین کہتا تھا کہ اسکا دادا سنان قاتل جناب شہید الشہدا علیہ السلام تھا۔ نیز ابن مبارک و جوزجانی نے اسکو نامعتبر جانا ہے۔ جو گواہ سوائے ضعف و بے اعتباری قاتل حسینؑ کا پوتا بھی ہو وہ توہین اہلبیت کی روایت بیان کرنے میں کہاں تک زور طبیعت دکھلا سکتا ہے۔

دسواں گواہ - زہری

سوال وکیل - تاریخ خمیس جلد دوم کے صفحہ ۲۰۴ پر آپکا یہ بیان قلمبند ہوا ہے کہ

پہلے امِ کلثوم کا عقد حضرتِ عمر سے ہوا اور زاں بعد عون سے۔ یہ سچ ہے؟
جواب۔ بالکل درست۔

جرحِ وکیلِ شیعہ

یہ گواہ جنابِ امیر علیہ السلام کا سخت دشمن تھا۔ تمام لوگوں کو اتفاق ہے کہ سب سے اوّل آنحضرت پر جنابِ امیر علیہ السلام ایمان لائے۔ مگر گواہ صاحب بجوشِ عداوتِ مرتضوی جمہورِ اسلام کی مخالفت فرماتے ہیں کہ نہیں اوّل ایمان لانیوالا زید بن حارثہ ہے۔ عبدالرزاق لاسیجی لکھتے ہیں کہ سوائے زہری کے زید کی سابق الاسلامی کا اور کوئی ناقل نہیں ہے۔ امام ذہبی اسپر تدلیس کا بھی الزام لگاتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی کتابِ اسماء الرجال کے صفحہ ۶۲ پر لکھتے ہیں کہ یہ شخص خلفائے بنی امیہ کی صحبت میں رہتا تھا۔ اور اُنکی خوشامد سے وہ کام کرتا تھا جسکے وہ خواہاں ہوتے تھے۔ ابنِ ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں لکھا ہے کہ یہ شخص حضرتِ امیر علیہ السلام سے برگشتہ تھا۔ اور اُنکو گالیاں دیا کرتا تھا۔ جائے انصاف ہے کہ جو شخص حضرتِ امیرؑ کی صفت سابق الاسلامی سے بخلافِ جمیع اہلِ اسلام انکار کرتا ہو۔ خلفائے بنی امیہ کا خوشامدی ہو۔ حضرتِ امیر علیہ السلام کو ناسزا کہتا ہو۔ اُسکا بیان ایسے مقدمہ میں کہاں تک لائقِ تسلیم ہو سکتا ہے۔

گزارشِ وکیلِ شیعہ از عدالت

وکیل صاحب نے کوئی نیا ثبوت نہیں پیش کیا۔ وہی پرانا رونا گواہوں نے رویا ہے جسکی بحث تنقیحاتِ صدر میں بہت تفصیل سے گزر چکی ہے۔ کوئی گواہ یہ بیان نہیں کرتا کہ حضرتِ امیرؑ نے بخوشدلی و رضامندی خواہشِ طبیعت سے یہ عقد کیا ہو۔ جسقدر روایات پیش ہوئے سب جبرِ عمر و نارضامندیِ علیؑ بلا وہم وخدشہ ثابت کرا رہے ہیں۔ چنانچہ تذکرہ سبط ابنِ جوزی کے باب ۱۱ میں لکھا ہے کہ دربارہ عقد عمر کا اصرار اور علیؑ کا انکار حد سے متجاوز ہوا تو عمر نے حضرتِ عباس سے جو کہ علیؑ کے چچا اور بزرگ خاندان تھے کہلا بھیجا کہ آپ سیدھی اُنگلیوں میرا رشتہ کر دیں ورنہ ایسے پچتاؤ گے کہ تمام عمر کفِ افسوس

ملنے سے بھی دُرِ مطلب ہاتھ نہ آئیگا۔ اور وہ یہ ہے کہ میں عہدۂ سقایتِ حرم جوکہ تمہارے
خاندان میں قدیم سے چلا آتا ہے اور جسکی وجہ سے ہر سال چاندی روپئے ہو چھین لونگا
تب مضطر ہوکر عباس نے علیؑ سے کہاکہ اب نکاح کر دینا مناسب ہے۔ کیونکہ میرے پاس
منجانبِ عمر ایک خبر متضمن بہ تہدید شدید پہنچی ہے۔ اگر کہیں خدانخواستہ خلیفہ صاحب
غصہ ہوکر ہم سے اُس خدمت کو لے لینگے تو ہم کہیں کے بھی نہ رہینگے۔ حضرتِ علیؑ اس حق لناک
اور مضرت رساں خبر سُننے سے بھی متاثر نہوئے۔ تب حضرتِ عباسؓ نے بطورِ خود نکاح
کر دیا۔ میں بفرضِ محال عرض کرتا ہوں کہ اگر عباس نے عمر کی دھمکی سے ایسا کر بھی دیا
تو خلیفہ صاحب کو کیا دینی فائدہ ملا۔

کیا اِس عنوان کا عقد یہ اثر رکھتا ہے کہ حسب دادرسی مندرجۂ عرضی دعوےٰ عمر صاحب
کو ہم اپنا ہادی و پیشوائے دین سمجھیں۔ اور دامادِ علیؑ سمجھ کر اُن سے متحدانہ تعلّقات
پیدا کریں۔

سوالِ عدالت از غلام معاویہ

آپ کی جانب سے دس شہادتیں میرے سامنے پیش ہوئیں۔ گواہان کے بیانات
وہی ہیں جنکا تذکرہ پہلی تنقیحات میں بخوبی پیش ہوکر مردود ہوچکا ہے۔ علاوہ ازیں کوئی گواہ
ثقہ و عادل نہیں۔ کاذب و مفتری و دجّالِ امتِ محمدؐی و دشمنانِ حضرتِ امیرؑ ہیں۔
بالخصوص ابوحنیفہ اس قطع کا گواہ ہے جس نے شریعت کو درہم و برہم کرکے لواطت
و زنا و شراب سب کو جائز کر دیا۔ اِس سامانِ حرب پر جوکہ فی المثل ٹوٹی ہوئی کمان
کا تیر ہے آپ یہ چاہتے ہیں کہ عمر کو سارٹیفکٹ ایمانداری دیدوں۔

التماسِ غلام معاویہ

میں نے ثبوت پیش کرنے میں کوئی غلطی نہیں اُٹھائی۔ میرے اہلِ مذہب کا دارومدار
اِسی ثبوت پر ہے اور تمام لوگوں کا انہی اندراجات کے بھروسہ پر نہایت استحکام کے
ساتھ یہ عقیدہ ہے کہ عقد ہوا۔ ہماری غرض عقد کے ہوجانے سے ہے گو نارضامندی اُسمیں
شامل ہو میں اِسوقت ثبوتِ مزید دینے پر بھی تیار ہوں۔ عدالت سماعت فرمائے۔

غلامِ معاویہ کا ثبوتِ مزید

مولوی حیدر علی صاحب ازالۃ الغین میں لکھتے ہیں کہ (چوں امِ کلثوم بمقتضائے سن عدم علم بوقوع نکاح شکایتے از معاملۂ فاروق کرد و کردستِ خود را برامِ کلثوم نہادہ بود پیشِ جنابِ مرتضوی بر حضرتِ امیرؓ عمل فاروق ملامتے نفرمود بلکہ بہ امِ کلثوم ارشاد نمود کہ اے دختر چنیں مگو و شکایتِ او درایں باب مکن کہ او شوہر تست) اِس عبارت سے میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ عقد واقع ہو گیا تھا۔ مگر امِ کلثوم بہ تقاضائے سنیت اُس سے اطلاع نہ رکھتی تھی۔ عمر نے جو حرکات اُن کے ساتھ کیں وہ غمزۂ شوہری تھا۔ کوئی بے ادبی نہ کی تھی۔ ہر شخص کو اختیار ہے کہ جسطرح چاہے اپنی زوجہ سے پیش آئے۔ اسمیں الزام کیا ہے۔

تقریرِ نثار پنجتن وکیلِ شیعہ

حیدر علی صاحب نے اس تحریر میں بڑی چالاکی اور دوراندیشی سے دھوکا دہی کا سامان تیار کیا ہے۔ انشاء اللہ کفش دوز صاحب کے ایسے ٹانکے اُدھیڑونگا کہ نوک تلا ایک ثابت نہ رہیگا۔ راویانِ مدعیان نے حسبِ صراحتِ بالا یہ بات بیان کی ہے کہ عمر نے جب علیؑ کو مجبور کیا کہ اپنی لڑکی سے میرا نکاح کر دو تو اُنہوں نے عذرِ صغر سنی کیا۔ تب خلیفہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر آپ کی لڑکی فی الواقع کم عمر ہے تو آپ اُسکو میرے پاس بھیجدیں تاکہ میں خود دیکھ لوں کہ وہ قابلیتِ عقد رکھتی ہے یا نہیں۔ تب علیؑ نے مجبوراً اُسکو بھیجدیا۔ عمر نے چادر کھینچی۔ مُنہہ چوما۔ سینہ سے چمٹایا۔ ساق پا کھولی۔ لڑکی نے واپس آنکر باپ سے شکایت کی۔ سوائے بیان علمائے متذکرۂ بالا شیخ شہاب الدین حنفی کا بیان عدالت کو دکھلاتا ہوں جسکو اُنہوں نے خصاف سے لکھا ہے (عمر بہ علیؑ پیغام داد کہ امِ کلثوم را مرا بزنی دہ امِ کلثوم چہار سالہ بود و عمر شصت سالہ بود۔ علیؑ بعذرش پیش آمد و گفت دختر خویش را بہ سرم اگر براضی باشد بتو تسلیم کنم عمر عذرش دریافت و گفت یا علیؑ مرا بازناں اکنوں حاجت نماندہ زیرا کہ شیخ فانی گشتہ ام و لکن ابتغی الوسیلۃ) یعنی می خواہم مرا وسیلے باشد سوئے پیغمبرؐ پس امیر المومنین امِ کلثوم را تسلیم کرد۔ مہرِ امِ کلثوم چہل ہزار درہم بود۔ پس عمر آنرا بزانوئے خود نشاند و مقنع کہ بر سرِ او بود آنرا دور کرد و دست بر سرش آورد و جامہ از ساقش

برداشتہ اُم کلثوم دست بر داشت و خواست کہ طمانچہ زند و گفت اگر امیر مؤمناں نمی بودی طمانچہ بر روئے تو می زدم۔ عمر گفت نہ می باید کہ کسے سخن او را در دل گیرد۔ بگزارید۔ این از نسب و نسل ہاشم قریش است) اِس روایت میں چند امر قابلِ غور ہیں اوّل علیؑ کا چار برس کی لڑکی کے باب میں یہ کہنا کہ میں اُس سے پوچھ لوں۔ کوئی عقل تجویز کر سکتی ہے کہ ایسی کم سن امورِ اہم کے مشورہ میں رائے زنی کا کوئی حق رکھ سکتی ہے۔ دوم عمر صاحب کا اُس لڑکی سے جلسۂ عام میں بد حرکتی کرنا اگر عام منظر پر ایسا نہ کیا گیا تھا تو لوگوں کو یہ ہدایت کیوں کی گئی کہ دیکھو بھائی اِس لڑکی کی اِن حرکات کو جو کہ مثل طمانچہ وغیرہ اُس سے وقوع پذیر ہوں اپنے دل میں جگہ نہ دینا کیونکہ وہ ہاشمیہ و قریشیہ ہے۔ سوم چار برس کی لڑکی نے کیونکر یہ سمجھ لیا کہ عمر صاحب امیر المؤمنین ہیں۔ اُنکے مُنہہ پر تھپڑ نہ مارنا چاہیے۔ چہارم وہ معصوم بچی عمر کی حرکات کو نازیبا سمجھ کر کیونکر مارنے پر آمادہ ہوئی۔ کیا چار برس کی لڑکی کو ایسے امور میں عقلِ ممیز حاصل ہوتی ہے۔ پنجم سوائے عمر کے آج تک کسی داماد نے خسر کے سامنے یہ نہیں کہا کہ مجھ میں قوتِ مباشرت نہیں رہی خلیفہ صاحب بڑے ہی باتہذیب اور شائستہ شخص تھے۔ چونکہ یہ واقعہ ایسا ہے کہ ہر دیکھنے اور سننے والا سوائے موالیانِ عمر عمر کو بجز نفرین کے اور کچھ نہ کہیگا لہذا علمائے سنیہ کو فکر ہوئی کہ اچھا ادعائے عقد کیا۔ عمر کی پہلی عزت بھی گئی گزری ہوئی۔ لہذا بطرفداریِ عمر باتیں بنانی شروع کیں۔ ابنِ جوزی نے یہ کہا کہ ایسی حرکات عمر کبھی خاندانِ نبوت کی لونڈی سے بھی نہ کرتے۔ خود حیدر علی صاحب نے فرطِ ندامت و شرم سے لکھا کہ شیعہ نے کشفِ ساق وغیرہ کے مضامین ہماری کتب میں درج کر دیے۔ اِن جملہ معاملات کا ذکر پہلے نہایت شرح سے ہو چکا ہے۔ بالآخر حیدر علی صاحب کو فکر ہوئی کہ کوئی دنیا کا عقلمند اسکو نہ مانیگا کہ شیعہ نے یہ بات سنیوں کی کتاب میں بغرض منقصتِ عمر لکھدی ہے۔ لہذا اُنہوں نے تقریر کا پہلو دوسری طرح بدلا کہ دستِ خود را بر اُم کلثوم نہادتا کہ ہر دیکھنے والے کو یقین ہو جائے کہ مشفقانہ و مربیانہ طور پر فقط سر پر ہاتھ رکھا تھا اور کوئی کارروائی متعلق بہ بوسہ بازی وغیرہ نہ کی تھی۔ چونکہ اُم کلثوم

بقولِ جمیع علمائے مدعیان کم سن یعنی پنج سالہ تھیں تو ہر شخص خواہ یگانہ ہو یا بیگانہ بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرا کرتا ہے۔ نہایت تعجب دلانیوالی بات ہے کہ معصوم بچی کے سر پر ایک بوڑھا خرانٹ شخص جو کہ کسی قدر اُلٹ پھیر سے بتوسط امّ المؤمنین حفصہ نانا بھی ہوتا تھا الطافِ بزرگانہ سے ہاتھ پھیرے اور وہ لڑکی اِس محبت بھری حرکت سے ایسی ناراض ہو کہ منہہ نوچ ڈالنے اور ناک توڑنے پر آمادہ ہو جائے۔ اور باپ سے شکایت کرے کہ واہ ابّا جان آپنے کسکے پاس مجھ کو بھیجدیا تھا۔ امّ کلثوم کا بایں شدّت ناراض ہونا جیساکہ روایات سے معائنہ عدالت میں آچکا ہے صاف طور پر دلالت کرتا ہے کہ عمر سے حرکاتِ ناشائستہ جنپر حیدر علی صاحب پردہ ڈالنا چاہتے ہیں ضرور معرضِ وقوع میں آئیں۔ چونکہ دروغ کو فروغ نہیں ہوتا خود حیدر علی صاحب کے قلم سے اِس بناوٹی عبارت میں نکل گیا کہ حضرت امیرؑ بر عمل فاروق ملامتے نکرد بلکہ بہ امّ کلثوم ارشاد نمود کہ اے دختر چنیں مگو و شکایت او درایں باب مکن کہ او شوہرِ تست۔

عبارتِ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ امّ کلثوم نے ایسے گرم الفاظ میں اپنے والد سے عمر کی شکایت کی تھی کہ اگر واسطۂ شوہری نہوتا تو ضرور قابلِ ملامت تھے۔ یہ مقام غور طلب ہے کہ اگر عمر نے صرف سر پہ ہاتھ ہی رکھا تھا اور کوئی حرکت ایسی نہ کی تھی جو کہ مرد اپنی منکوحہ سے کرتا ہے تو حضرت امیرؑ نے یہ کیوں کہا کہ او شوہرِ تست۔ یہ کلمہ صاف طور پر اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ جو کچھ روایات میں وارد ہوا ہے وہ سب عند الشیعہ صحیح ہے۔ حضرت امیرؑ نے اپنی لڑکی کو سمجھا دیا کہ تمکو اُسکی دست درازی کا شکوہ نہ کرنا چاہیے۔ وہ تمہارا خاوند ہے اور تم اُسکی زوجہ۔ اُسنے جو کچھ خوش فعلی اور دست بازی کی بوجہ شوہر ہونیکے اُسکا حق رکھتا تھا۔ امّ کلثوم جب بیاہی گئی ہوگی حسبِ رسومِ مروجہ عرب گھر میں شادی کا سامان ہوا ہوگا۔ اپنے پرائے اس نادرِ روزگار برات کو دیکھنے آئے ہونگے کہ ایک بوڑھا آدمی گور میں پیر لٹکائے ہوئے نادان بچی کو لیجا رہا ہے۔ امّ کلثوم بہر حال عروس بنائی گئی ہوگی۔ مشاطہ نے بنا سنوار کر لباسِ عروسی پہنایا ہوگا۔ دولھا میاں نورانی ڈاڑھی لٹکائے ہوئے دروازہ پر آئے ہونگے۔ محافہ سے اُترتی وقت

اہلِ سسرال نے اُسکا خیر مقدم کیا ہوگا۔ ضرور ہے کہ یہ چند نئی باتیں دیکھ کر لڑکی نے سمجھ لیا ہوگا کہ یہ کوئی خاص بات ہے جو آج مجھ پر گزر رہی ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لڑکی باوجود صغر سنی عقل و تمیز رکھتی تھی۔ اگر سمجھ دار نہوتی تو حضرت علیؑ یہ نہ فرماتے کہ وہ تیرا شوہر ہے اندریںصورت مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ امِ کلثوم بہ مقتضائے سِن و عدمِ علم بوقوعِ نکاح الیٰ آخرہ بالکل برباد ہوا جاتا ہے۔ ضرور ہے کہ امِ کلثوم فی الجملہ علم رکھتی تھی۔ دیکھو وہ ایسی عاقلہ و فہیمہ تھی کہ جب اُسکے باپ نے کہا کہ وہ تیرا شوہر ہے اُس کی کوئی شکایت نہ کرنی چاہیے اُسی وقت وہ سمجھ گئی اور چپ ہو رہی۔ اور جان لیا کہ میرے ساتھ جو حرکتیں عمر نے کیں۔ بوجہ شوہر ہونیکے اُسکو سب زیبا تھیں۔ اتنی عمر کی بچی جو پانی کو پاپا کہا کرتی ہے اور دہنے بائیں ہاتھ میں تمیز نہیں کرسکتی چہ جائیکہ حرکاتِ شوہری کا پہچان لینا۔

شاید یہ بات خصائصِ خاندانِ نبوت میں داخل ہو۔ استغفر اللہ علمائے مدعیان کو شرم نہیں آتی۔ ایسی باتیں زبانِ قلم پر لاتے ہیں کہ جس سے اقتدار اسلام کافور ہو جائے۔ بارہ برس کی لڑکی سے کوئی شخص ارتکاب کرے تو بروئے تعزیرات ہند جہنمِ ہندوستان یعنی جزیرۂ انڈمان میں بھیجا جائے۔ پانچ برس کی لڑکی سے مثلِ عمر حرکت کریں تو الاعجب نہیں کہ شکاری کتوں کے سامنے ڈلوا دیا جائے۔ لاحول ولا قوۃ کیا دین و ایمان ہے قبل از نکاح کسی عورت سے بوسہ بازی کرنا چونکہ شرعاً حرام ہے لہذا اُس عیب کا دفعیہ من گھڑت مضمون سے حیدر علی صاحب نے یہ کیا کہ بعدِ نکاح عمر نے ایسا کیا تھا۔ حالانکہ تمام روایتیں بہ آوازِ بلند کہہ رہی ہیں کہ قبل از نکاح بلوغ و غیر بلوغ کی جانچ کے لیے عمر نے بلوایا تھا۔ خیر میں نفس پر جبر کرکے مانے لیتا ہوں کہ بعدِ عقد خلیفہ صاحب نے ایسا کیا مگر ایک مہذب آدمی عمر سے عالیقدر کا جب فوٹو اس حیثیت سے دیکھیگا کہ ایک بوڑھا آدمی سوا ہاتھ کی ڈاڑھی لگائے ہوئے۔ منہہ میں دانت ندارد۔ رعشہ سے ہاتھ پیر کانپ رہے ہیں۔ گردن سنبھالے نہیں سنبھلتی۔ ایک پانچ برس کی لڑکی کو گود میں لیے ہوئے حرکات مجنونانہ کر رہا ہے۔ کبھی اُسکا منہہ چومتا ہے۔ گاہے سینے سے چمٹاتا ہے۔ کبھی اُسکو

ننگا کرکے ران پر ہاتھ پھیرتا ہے۔ تو وہ دیکھنے والا سوائے اسکے کہ تصویر پر تھوک دے اور کیا کرسکتا ہے۔ تھوڑی سی ذہنی فضیلت کے لیے حضرت عمر جیسے ذی عزت خلیفہ کی علمائے مدعیان نے وہ مٹی خراب کی کہ پناہ بخدا۔ سچ ہے۔ نادان دوست سے عذر کرنا چاہیے۔ عجب نہیں کہ ہنگامۂ محشر میں اِن علماء کی شکایت کرکے حضرت عمر خدا سے ملتجی ہوں کہ انکو وہاں بھیجدے جہاں مفتری جاتے ہیں۔ حیدر علی صاحب نے چونکہ دعویٰ کیا ہے کہ بعد از عقد عمر نے امِ کلثوم سے شتر غمزے کیے لہذا میں عدالت کی سامنے وہ روایات پیش کرتا ہوں جن سے قبل از نکاح عمر کی بدحرکتی ثابت ہوتی ہی اس سے پہلے بہت کچھ مدعیان کی کتب سے دکھایا گیا ہے۔ بنظرِ اطمینان اب اور مزید برآں دکھلاتا ہوں۔

ثبوت اِس امر کا کہ عمر نے قبل از نکاح بوسہ بازی کرکے ارتکاب فعلِ حرام کیا

ثبوتِ اوّل۔ ابن حجر مکی کی صواعق محرقہ کا جو فارسی میں ترجمہ ہوا ہے اُس کے صفحہ ۱۶۰ پر لکھا ہے کہ علیؑ نے ام کلثوم کو عمر کے پاس اس واسطے بھیجدیا تھا کہ (بحدِ شہوت نرسیدہ بود کہ حرام باشد اگر صغیر نمی بود پدرش علیؑ اورا باینطریق نمی فرستاد)

ثبوتِ دوم۔ خود مولوی حیدر علی صاحب ازالۃ الغین کے صفحہ ۹۲۶ پر ایک طولانی مضمون نقل کرتے ہیں جسکا ماحصل یہ ہے کہ ابن مقدسی نے سفیان کو خبر دی کہ جب خلیفہ عمر نے حضرت علیؑ سے کہا کہ تم اپنی بیٹی امِ کلثوم کا عقد مجھ سے کردو تو علیؑ نے جواباً کہلا بھیجا کہ وہ کم سن ہے۔ قابلیتِ عقد نہیں رکھتی۔ اِس جواب پر بعض لوگوں نے عمر کو جوش دلایا کہ علیؑ نے بعذرِ باطل آپکی درخواست کو مسترد کردیا۔ عمر نے پھر اصرار کیا کہ نہیں ضرور میرا عقد کردو۔ تب علیؑ نے کہا کہ میں تمہارے پاس اُسکو بھیجے دیتا ہوں اگر تم رضامند ہو تو وہ تمہاری زوجہ ہے۔ جب امِ کلثوم عمر کے پاس آئی تو اُس نے ساق پا کھولی۔ امِ کلثوم نے کہا کہ اگر تو امیر المومنین نہوتا تو ایک طمانچہ مار کر تیری آنکھیں پھوڑ ڈالتی۔

ثبوتِ سوم۔ صواعق محرقہ میں لکھا ہے قال صح عن عمر انہ خطب ام کلثوم من علی فاعتل لصغرھا و بانہ اعدھا لابن اخیہ جعفر فقال ما اردت الباہ ولکن سمعت رسول اللہ یقول کلّ سبب ونسب ینقطع یوم القیمۃ ما خلا سببی ونسبی یعنی حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ حضرت عمر نے علیؑ سے عقد ام کلثوم کی خواہش کی تو حضرت امیرؑ نے یہ عذر کیا کہ وہ صغیر سن ہے اور میں نے اُسکی نسبت اپنے برادرزادہ جعفرِ طیار کے بیٹے سے کی ہے۔ عمر نے کہا کہ میں یہ درخواست اس خواہش کی راہ سے نہیں کر رہا جو مردوں کو عورات سے ہوتی ہے۔ بلکہ یہ استدعا محض اس غرض سے ہے کہ میں نے رسولِ خدا سے سُنا ہے کہ بروزِ قیامت کل سبب ونسب قطع ہو جائینگے۔ مگر میرا نسب منقطع نہ ہوگا۔ چاہتا ہوں کہ یہ رشتہ میری آمرزش کا سبب ہو جائے۔

ثبوتِ چہارم۔ ذخائر العقبےٰ میں یہ عبارت درج ہے فاقبل علی وقال انھا صغیرۃ فقال عمر لا واللہ ما ذٰلک بک ولکن اردت منعی یعنی عمر نے جب خواہش ظاہر کی تو علیؑ نے عذر کیا کہ وہ کم سن ہے۔ خلیفہ نے کہا یہ بالکل غلط ہے۔ آپ مجھ سے رشتہ کرنا نہیں چاہتے۔ بحیلۂ صغر سنی ٹالنا چاہتے ہیں۔

ثبوتِ پنجم۔ عسقلانی شارحِ بخاری لکھتے ہیں ان علیاً لما ابی عن نکاح ابنتہ بعمر واستعذر بصغرھا لم یکن یقبل منہ ذٰلک العذر حتی الجاء ان یراھا ایاہ فارسلھا الیہ فلما راھا عمر اخذھا وضمھا الیہ وقبلھا یعنی جبکہ علیؑ نے بعذرِ کم سنی عقد کر دینے سے انکار کیا تو عمر نے اُسکو قبول نہ کیا اور علیؑ کو مضطر کیا کہ اچھا تم مجھ کو دکھا دو تاکہ میں اُسکو دیکھ کر سمجھ لوں کہ آپکا عذر کہاں تک صحیح ہے۔ علیؑ نے اپنی لڑکی کو عمر کے پاس بھیجدیا۔ اُنہوں نے اُسکو چھاتی سے لگایا اور بوسے لیے!

ثبوتِ ششم۔ ابنِ عبدالبر نے استیعاب میں لکھا ہے خطبھا عمر الی علی فقال انھا صغیرۃ الی ان قال وضع یدہ علی ساقھا فکشف فقال ما تفعل ھذا لولا انک امیر المؤمنین لکسرت انفک ثم خرجت یعنی امِّ کلثوم کی عمر نے جب خواستگاری کی تو علیؑ نے کہا کہ وہ صغیر ہے۔ یہاں تک کہ جب علیؑ نے اُسکو عمر کے پاس

بھیجدیا تو اُسنے ساق پا کھولی۔ اُمّ کلثوم نے غصّہ ہوکر کہا کہ اگر تو امیر المؤمنین نہوتا تو میں تیری ناک توڑ ڈالتی۔ یہ کہکر اپنے گھر کو چلی گئی۔

ثبوتِ ہفتم۔ کتاب متذکرہ بالا میں بروایتِ دیگر اس طرح لکھا ہے ان عمر ابن الخطاب خطب الی علی بنتہ امّ کلثوم فذکر لہ صغرھا فقیل انہ ردوك فعاد الی ان قال فارسلہا فکشف عن ساقہا فقالت لہ لولا انك امیر المؤمنین لطمت عینیك (جبکہ امِ کلثوم کی عمر ابن خطاب نے خواستگاری کی تو اُنہوں نے بیان کیا کہ وہ صغیر ہے۔ لوگوں نے عمر سے کہا کہ علیؑ نے تمکو ٹالدیا۔ اُنہوں نے اصرار کیا تو مجبوراً علیؑ نے لڑکی کو بھیجا۔ عمر نے کشفِ ساق کیا۔ یہ حرکات دیکھکر اُس لڑکی نے کہا کہ اگر تو امیر المؤمنین نہوتا تو تیرے مُنہہ پر ایسا طمانچہ مارتی کہ دونوں آنکھیں پھوٹ جاتیں)

ثبوتِ ہشتم۔ کتابِ مودۃ القربےٰ میں لکھا ہے ان عمر ابن الخطاب خطب امّ کلثوم واعتذر علی بصغرھا الی ان قال و ھی ابنۃ اربع سنین او ما بین الاربع والخمس وعمر عمر ستّین سنین فاجلسہا عمر الی جنبہ فرفع مئزرھا ومسح یدہ علی راسہا فجرّ ساقہا فرفعت یدھا وکادت ان تلطمہ وقالت لولا انت امیر المؤمنین لطمت خداك خلاصہ یہ کہ عمر نے علیؑ سے خواستگاری کی تب علیؑ نے عذر کیا کہ وہ صغیر ہے۔ یہانتک کہ چار سالہ یا پانچ اور چار کے درمیان ہے۔ اور عمر کا اُسوقت سن ساٹھ برس کا تھا۔ پس جبکہ وہ صاحبزادی خلیفہ کے پاس گئی تو اُنہوں نے اُسکو پہلو میں بٹھایا۔ اور اُسکی چادر کو اُٹھایا۔ اور سر پر ہاتھ پھیرا۔ اور ساقِ پا کو کھولا۔ یہ باتیں دیکھکر لڑکی نے طمانچہ مارنیکو ہاتھ اُٹھایا اور کہا کہ اگر تو امیر المؤمنین نہوتا تو میں تیری ناک توڑ ڈالتی۔

ثبوت نہم۔ سبط ابن جوزی نے تذکرۂ خواص الامہ کے باب گیارہ میں لکھا ہے امّ کلثوم فخطبہا عمر ابن الخطاب فی خلافتہ فامتنع علی من تزویجہا وقال صغیرۃ و انی ارصدھا ابن اخی جعفر فشق ذلك علی عمر فقال العبّاس زوجہا منہ فقد بلغنی عنہ کلام فزوجہ ایاھا۔ عمر نے اپنے عہدِ حکومت میں علیؑ سے خواہش کی کہ اپنی بیٹی

امِ کلثوم سے میرا عقد کر دیں۔ علیؑ نے انکار کیا اور کہا کہ وہ صغیر ہے۔ اور میں اُسکی شادی اپنے بھتیجے سے کرونگا۔ خلیفہ صاحب کو علیؑ کا یہ کہنا نہایت شاق گزرا۔ اُسوقت عباسؓ نے سمجھایا کہ آپ عذر نہ کریں۔ نکاح کر دیں۔ مجھ کو کچھ ایسی ہی خبر ملی ہے۔

تنبیہ۔ یہ وہی خبر ہے جسکا ذکر پہلے آچکا ہے کہ عمر نے سقایتِ حرم کی ضبطی کا دباؤ ڈالا تھا

ثبوت دہم۔ ذخائر العقبےٰ میں حسبِ مضامین بالا درج ہے۔ بلکہ اتنا زیادہ ہے کہ بوقتِ اضطراب علیؑ نے عقیل سے مشورہ لیا۔ اُنہوں نے بہ سختی جواب دیا اور عقد کر دینے سے مانع آئے صواعق محرقہ میں امام حسین علیہ السّلام سے مشورہ لینا اور مثلِ عقیل انکا انکار کرنا درج ہے۔ پس بوجوہ کماینبغی ثابت و متحقق ہوگیا کہ حسبِ روایاتِ متعددہ و متکثرہ مصرحۂ بالا عمر نے علیؑ کو مجبور کر کے معاذ اللہ پناہ بخدا پسند و غیر پسند کے لیے اُنکی لڑکی کو بلوایا اور ہر طرح کی حرکاتِ نازیبا جنکو کوئی ذلیل بھی نہیں کر سکتا اُن سے معرضِ وقوع میں آئیں۔ حیدر علی صاحب نے جو خلیفۂ دوم کی عیب پوشی مدِّ نظر کر کے یہ فقرہ لکھا تھا کہ امِ کلثوم بتقاضائے کم سنی و عدمِ علم بوقوعِ نکاح الیٰ آخرہ بالکل باطل ہو گیا۔ مولوی صاحب ممدوح نے بہت ہی کوشش کی کہ عمر صاحب پر بدنامی اور خلافِ آدمیت افعال کا دھبہ نہ لگے مگر نہایت شکریہ کا موقع ہے کہ ثبوتِ بالا سے ایسا رنگ چڑھایا گیا ہے کہ ہزار شست و شو کریں صاف نہوگا۔ جتنا جتنا دھوئینگے خوشرنگ ہوتا جائیگا۔

علمائے مدعیان نے اِس عقد کے متعلق ایسی بہکی بہکی باتیں کی ہیں کہ جنکے دیکھنے اور سننے سے اقتدارِ سنّیت بالکل نظر سے گر جاتا ہے۔ بطورِ نمونہ عدالت پر ظاہر کرتا ہوں۔ ازالۃ الغین کے صفحہ ۹۲۷ پر اصابہ کے صفحہ ۴۹۳ سے نقل ہوا ہے (ابنِ ذہب عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم سے راوی ہے کہ چالیس ہزار مہر پر عمر نے امِ کلثوم سے نکاح کیا۔) پھر ازالۃ الغین کے صفحہ ۹۲۷ مذکورۂ بالا پر تحریر ہے کہ زبیر کہتا ہے کہ زید و رقیہ امِ کلثوم سے پیدا ہوئے۔ اور ماں بیٹے نے ایک دن وفات پائی۔ ابو بشیر دولابی ابنِ اسحاق سے راوی ہے کہ جب امِ کلثوم بعدِ وفاتِ عمر بیوہ ہوگئیں تو حسنؑ و حسینؑ نے کہا کہ اگر تم نے علیؑ کو اپنے عقد کا اختیار دیا تو وہ اپنے کسی عزیز سے تمہارا نکاح کر دینگے۔ اگر تم

چاہو تو بہت کچھ مال و دولت حاصل ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ تمہاری شادی کسی دولتمند سے ہوسکتی ہے۔ اِس گفتگو کے بعد علیؑ آئے اور کہا اے بیٹی ہر چند کہ خدا نے تجھ کو اپنے کام کا مختار کیا ہے مگر یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنے عقد کا معاملہ میری رائے پر محوّل کردو۔ امّ کلثوم جواب دہ ہوئیں کہ مجھ کو بھی اُن چیزوں کی ہوس ہے جن کی عورات کو ہوا کرتی ہے میں چاہتی ہوں کہ کسی مالدار سے شادی ہو تاکہ آسائشِ دنیا سے بہرہ مند ہوں۔ علیؑ نے کہا کہ یہ بات تمہارے بھائی حسنؑ اور حسینؑ نے تمکو سکھائی ہے۔ واللہ میں کبھی ان دونوں سے ہمکلام نہونگا تاوقتیکہ میرے کہنے پر عمل نہ کرینگے۔ حسنؑ و حسینؑ نے اپنے باپ کا دامن پکڑ لیا۔ امّ کلثوم نے کہا کہ میں نے اپنے معاملہ کا اختیار حضور کے ہاتھ میں دیا جس سے دل چاہے نکاح کر دیجیے۔ علیؑ نے کہا کہ میں نے عون بن جعفر اپنے برادرزادہ سے تمہارا عقد کرنا تجویز کیا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد عون نے قضا کی تب اُنکے بھائی محمد بن جعفر سے بیاہی گئیں۔ محمد کے مرنے پر عبداللہ بن جعفر سے عقد ہوا۔ بالآخر وہیں اُسنے وفات پائی۔ ابنِ سعد بھی انہی الفاظ میں روایت کرتا ہے مگر اتنا زیادہ لکھتا ہے کہ امّ کلثوم نے کہا مجھ کو اسماء بنت عمیس سے شرم آتی ہے کہ اُنکے دو لڑکے عون و محمد میری رفاقت میں کام آئے۔ اور اب تیسرے عبداللہ کی باری آئی۔ آخرالامر اُنہوں نے عبداللہ کے پاس وفات پائی۔ یہی ابنِ سعد انس بن عیاض سے بطرزِ دیگر اس طرح ناقل ہے کہ جب امّ کلثوم کی خواستگاری عمر نے علیؑ سے کی تو اُنہوں نے عذر کیا کہ میں نے اپنے بھتیجے سے اُسکی نسبت قائم کی ہے۔ عمر نے کہا کہ وہاں سے چھڑا کر آپ مجھ سے کر دیں کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ جو شرف و عزت آپ کے خاندان کو ہے اُس میں بصیغۂ مصاہرت مجھ کو بھی حصّہ ملجائے۔ یہ سنکر علیؑ نے کہا کہ اچھا میں نے کر دیا۔ یہ خوشخبری سنکر عمر مہاجرین کے پاس آئے۔ اور کہا کہ مجھ کو مبارکباد دو۔ صحابہ نے پوچھا کہ کس امر کی تہنیت چاہتے ہو فرمانے لگے کہ علیؑ کی بیٹی سے میں نے نکاح کیا ہے۔ سب نے بالاتفاق غلغلۂ مبارکباد بلند کیا۔ یہ آوازیں سنکر عمر کہنے لگے کہ میں نے رسولِ خدا سے سُنا ہے کہ ہر نسب و سبب منقطع ہو جائیگا مگر میرا سبب و نسب ایسا نہیں ہے کہ انقطاع پذیر ہو جائے بتعلق

نسبی و سببی تو مجھ کو پہلے سے حاصل تھا۔ اب خدا نے شرفِ مصاہرت (دامادی) ذخیرہ تمام فضائل کا مجھ پر خاتمہ کر دیا۔ عطائے خراسانی راوی ہے کہ عمر نے چالیس ہزار مہر ادا کیا۔ اور بسندِ صحیح وارد ہوا ہے کہ زید و امّ کلثوم کے جنازہ پر ابنِ عمر نے نماز پڑھائی۔ اور چار تکبیریں کہیں۔ اور دوسری سند سے یہ روایت ہے کہ امامتِ نماز سعید ابنِ عاص نے کی ہے۔ علمائے مدعیان نے جو اس قسم کی مضطر و پریشان باتیں اپنی کتب میں درج کی ہیں اس سے سوائے اہانتِ اہلبیتؑ کوئی دوسرا مقصود نہیں۔ بھلا یہ بات کسی طرح جاگزینِ طبیعت ہو سکتی ہے کہ حسنینؑ نے امّ کلثوم سے یہ کہا ہو کہ اے بہن اپنے عقد کا اختیار باپ کے ہاتھ سے نکال لو ورنہ وہ تمکو اپنے برادر زادہ سے بیاہ دینگے اور ہم اس فکر میں ہیں کہ کسی دولتمند سے ساز باز کر کے تمہارا عقد کریں تاکہ دولتِ دنیا حاصل ہو۔ اِسپر امّ کلثوم کا بشاش ہونا اور باپ کے سامنے پٹاپٹ بولنا اور دو بدو گفتگو کرنا اور بمقتضائے خواہشِ نسوانی ضرورتِ عقد ظاہر کرنا۔ پھر بہت جھگڑے کے بعد علیؑ کا متولّیِ عقد ہونا۔ لا حول و لا قوۃ۔ کوئی ذلّت و حقارت ایسی نہیں ہے جسکو علمائے مدعیان نے بایں ریش و دانہ خاندانِ نبوت سے اُٹھا رکھا ہو۔ طامعِ دنیا ہونا حسنینؑ کا علیؑ سے مخالف چال چلنا۔ لڑکیوں کا باپ کے سامنے بے پردہ گفتگو کرنا۔ امرائے ذی وقار سے بطمعِ دنیا اپنے عقد کی کوشش کرنا۔ یہ گھڑت صرف اس واسطے کی گئی ہے تاکہ لوگ سمجھ جائیں کہ خاندانِ رسولِ پاک کوئی خاص وقعت نہ رکھتا تھا بلکہ ایک معمولی قسم کے لوگ تھے جنکا شمار عوام الناس میں ہو سکتا ہے۔ صحیح بخاری کی چھٹی جلد کے صفحہ ۲۴ پر درج ہے کہ جب ایک مسلمان کسی جگہ اپنی نسبت کر چکا ہو تو دوسرے شخص کو لازم نہیں ہے کہ اُس جگہ پیام و سوال کرے۔ صحیح مسلم کا جو اُردو میں ترجمہ ہوا ہے اُسکی جلد چہارم مطبع صدیقی لاہور میں طبع ہوئی ہے اُسکے صفحہ ۱۴۳۶ پر یہ عبارت ہے (عبد اللہ ابنِ عمر نے کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ نہ بیچے کوئی دوسرے کی بکتی ہوئی چیز اور نہ پیغام دے کوئی دوسرے کے پیغام پر۔ فائدہ یہ لکھا ہے جب ایک نے کسی عورت سے پیغامِ نکاح دیا تو جب تک وہ اُسکے پیغام کو رد نہ کرے تب تک دوسرا شخص پیغام نہ دے۔ اور یہ احادیث پیغام کے حرام ہونے پر دلالتِ واضح

رکھتی ہیں۔ سوائے ازیں بخاری و مسلم و ابوداؤد میں تحریر ہے عن ابی ھریرۃ قال لا یخطب احدکم علی خطبتہ اخیہ ابوہریرہ کہتے ہیں کسی کو جائز نہیں ہے کہ اُس جگہ اپنی نسبت کا پیغام بھیجے جہاں دوسرا بھیج چکا ہو۔ امام نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں ظاھرۃ فی تحریم الخطبۃ علی خطبۃ اخیہ واجمعوا علی تحریمھا۔ خلاصہ یہ کہ ظاہرا ایسا پیغام دینا حرام ہے جبکہ بروایاتِ متواترہ مندرجۂ بالا حضرتِ امیر کہہ چکے کہ میری لڑکی کم سن ہے اور اسکی نسبت میں اپنے برادرزادہ سے کر چکا ہوں تو خلیفہ صاحب کو یہ کیا زیبا تھا کہ اپنی پاؤں بھر کھڑی بھی اُسی چولھے پر چڑھانے لگے اور بہ ایں پیرانہ سالی ضدی بچوں کی طرح ہٹ کرنے لگے کہ پہلی نسبت چھوڑ کر مجھ سے کردو ورنہ میرے فضائل نامکمل رہجائینگے۔ اگر خلیفہ نے ایسا کیا تو بروئے روایتِ بخاری و مسلم ارتکابِ فعلِ حرام کیا۔ خلیفہ کے اس درجہ اصرار سے واضح ہوتا ہے کہ باجتہادِ جنابِ عمر انحصارِ فضیلت خاندانِ نبوت کی دامادی پر تھا۔ افسوس ہے کہ خلیفۂ اول جو کہ بقولِ مدعیان بعدِ نبیؐ افضل البشر تھے اور جنکے بدن کا ایک بال ہونا عمر صاحب اپنے واسطے ذریعۂ مغفرت سمجھتے تھے وہ اِس شرفِ دامادی سے بے بہرہ رہے۔ اِس جگہ جنابِ ابوبکر سے حضرت عمر بڑھے رہے۔ لیکن افسوس ہے کہ حضرتِ عثمان سے اِس عزتِ خاص میں کئی نمبر نیچے آگئے۔ کیونکہ حسب عقیدۂ مدعیان آنحضرتؐ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگری عثمان صاحب سے بیاہی گئی تھیں۔ ظاہر ہے کہ علیؑ و نبیؐ دونوں میں وہ نسبت ہے جو شاہ و وزیر میں ہوتی ہے۔ بہرحال نبیؐ کا داماد علیؑ کے داماد سے افضل ہونا چاہیے۔ بانصورت عمر سے عثمان افضل ہوگئے۔ مدعی صاحبان ایسی خلافِ عقیدہ باتیں بناتے ہیں جن سے غیر مذہب والا بھی سمجھ جائے کہ اہلبیتِ رسولؐ کی تحقیر و تذلیل کرنا انکا عین مذہب ہے عمر صاحب کے بیاہ رچانے میں تو دخترِ علیؑ کے بارے میں ہرنا گفتنی کا استعمال کیا ہی تھا۔ مگر افسوس ہے کہ بعدِ فوتِ عمر بھی اُس معصومہ پر عیب لگانے میں کوتاہی نہیں کی۔ یہ مسئلہ تمام فرقِ اسلام کا مانا ہوا ہے کہ جمع بین الاختین یعنی دو بہنوں کا بوقت واحد ایک شخص کے تصرف میں رہنا حرامِ مطلق ہے۔ مگر مدعی صاحبان خاندانِ نبوی کو

اس جرم میں بھی ماخوذ کیے ہوئے ہیں۔ چنانچہ حسب صراحت صدر بیان طراز ہوئے ہیں
کہ بعدِ عمر عون اور پھر محمد اور پس ازآں عبداللہ ابن جعفر سے امِ کلثوم کا عقد ہوا
اور اُنھی کے گھر وفات پائی۔ سوائے علمائے متقدمین جنکے نام اوپر لکھے ہیں متاخرین
نے بھی نتیجۂ تحقیقات یہی نکالا ہے۔ چنانچہ مولوی حیدر علی صاحب ازالۃ الغین کے
صفحہ ۹۲۸ پر لکھتے ہیں (چوں محمد برادرِ عون داعی اجل را لبیک گفت اورا بہ برادرش
عبداللہ نکاح کردند امِ کلثوم بخانۂ وے وفات یافت) باتفاقِ امت جنابِ زینبؑ
امِ کلثومؑ سے بڑی تھیں اور حضرت عبداللہ ابنِ جعفر سے اُنکا عقد ہوا تھا۔ اور
معرکۂ کربلا میں اپنے بھائی کے ساتھ موجود تھیں۔ اور بعد واقعۂ شہادت جبکہ
سیّد السّاجدین امام زین العابدین علیہ السّلام بحکم یزید گرفتار ہوکر روانۂ شام کیے گئے
اُسوقت یہ اُنکے ہمراہ گئیں اور راہ میں باغبانِ یزید نے بیلچہ مارا جسکے صدمہ سے
وفات پاگئیں۔ چنانچہ اسوقت تک قبرِ شریف وہاں موجود ہے۔ لوگ زیارت کو جاتے
ہیں۔ اب میں حضرت عبداللہ کا سالِ وفات دکھاتا ہوں تاکہ حقیقتِ حال ظاہر ہو جائے
ذخائر العقبٰی کے صفحہ ۲۱۲ پر لکھا ہے (توفّی عبداللہ بن جعفر بالمدینۃ سنۃ
ثمانین (یعنی عبداللہ ابنِ جعفر نے مدینہ میں ۸۰ھ ہجری کے اندر وفات پائی۔) مدعیان
کا بیان ہے کہ امِ کلثوم نے بعہدِ امیر معاویہ مع زید پسرِ خود وفات پائی۔ مولوی حیدر علی
صاحب لکھتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنے اخیر شوہر کے گھر قضاء کی۔ کجا عہدِ معاویہ اور کہاں
عبداللہ کا قصّہ ایک عالم کچھ کہتا ہے تو دوسرا اُسکے خلاف چال چلتا ہے۔ عبارت
صدر میں کتاب ہدایۃ السعدا کے صفحہ ۵۹ سے عدالت کو یہ عبارت دکھلائی گئی ام کلثوم
ماتت فی الصّغر عند عمر ابن الخطّاب لاعقب لھا یعنی امِ کلثوم بچپنے میں عمر کے
پاس وفات پاگئیں۔ اور کوئی اولاد اُنہوں نے نہیں چھوڑی۔ دیگر کتب میں درج ہے
کہ بعہدِ معاویہ اُنہوں نے مع اپنے بیٹے زید کے قضا کی۔ اور عبداللہ ابن عمر یا سعید
ابن العاص نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ چند بزرگوار مع حیدر علی صاحب تصدیق فرماتے
ہیں کہ اوّل امِ کلثوم کا نکاح عمر سے ہوا۔ زاں بعد عون و محمد اور پس ازآں عبداللہ

ابنِ جعفر شوہر جناب زینبؑ سے۔ عدالت بنظرِ غائر ملاحظہ فرمائے کہ جب عمر کے پاس صغر سنی میں امِ کلثوم لاولد فوت ہوگئی تھی تو وہ کون امِ کلثوم تھی جسنے مع زید پسر خود بعدِ معاویہ وفات پائی۔ امیر معاویہ کے زمانہ اور اُس سے عرصۂ ما بعد تک جناب زینب علیہا السلام حضرت عبد اللہ کی زوجیت میں رہیں۔ پھر امِ کلثوم کا عقد عبد اللہ سے کیونکر ہوسکتا تھا۔ اگر روایاتِ ماسبق کو غلط قرار دیکر یہ فرض کرلیا جائے کہ بعدِ وفات جناب زینبؑ امِ کلثوم نے عبد اللہ کو اپنا شوہر بنایا تو حسابی قاعدہ سے کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جس جگہ اوراقِ اوّل میں میں نے امِ کلثوم کی سنیت پر بحث کی ہے وہاں انکا سالِ ولادت سنہ ۶ ہجری دکھلایا گیا ہے اور جناب زینبؑ کی وفات سنہ ۶۲ ہجری میں واقعۂ کربلا سے دو سال بعد ہوئی ہے۔ سنہ ۶ ہجری سے سنہ ۶۲ ہجری تک ۵۶ سال ہوتے ہیں۔ اگر بعدِ انتقالِ جناب زینبؑ سلام اللہ علیہا امِ کلثوم نے عبد اللہ سے عقد کیا تو اُسوقت اُنکا سن چھپّن ستاون برس کا ہوتا ہے۔ عبد اللہ بوقتِ معرکۂ کربلا نابینا تھے۔ اسی واسطے حضرتِ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ سفرِ عراق میں شریک نہو سکے۔ عقل کسی طرح اجازت نہیں دیتی کہ ایک ایسی عورت جسنے پہلے تین شوہر دیکھے ہوں بُڑھاپے میں ایک پیر نابینا سے اپنا عقد کرلے۔ لہذا میں کہہ سکتا ہوں کہ بوجہ صدورِ اختلافِ یکدیگر تمام روایات ناقابلِ اعتبار ہیں۔ یہ لوگ نہ خدا سے ڈرتے ہیں نہ رسولؐ سے نہ علیؑ سے نہ بتولؑ سے۔ خاندانِ نبوی کی توہین میں وہ باتیں درجِ کتب کرتے ہیں کہ پناہ بخدا۔ بھلا اِس سے زیادہ کیا الزام ہوسکتا ہے کہ دو بہنوں کا ایک شخص کو بوقتِ واحد شوہر بتلاتے ہیں جو کہ قطعاً بحکمِ قرآن حرامِ مطلق ہے۔ میں اِس دعوے کی پوری حقیقت دکھلاتا ہوں تاکہ مقدمہ کے ہر پہلو پر عدالت کی نظر پہنچ جائے۔ ضرورتِ نکاح یہ بیان کی گئی ہے کہ خلیفہ کو محض عزتِ آخرت کا حاصل کرنا بذریعہ اِس عقد کے منظور تھا۔ ورنہ پیرانہ سالی میں جبکہ خواہشِ نفسانی رخصت ہوچکی تھی کوئی ضرورتِ عقد نہ تھی۔ اگر فی الواقع خلیفہ صاحب نے حسب و نسب کے خیال سے یہ عقد کیا تھا تو میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ قرآن سے ناواقفِ محض تھے

کیونکہ خدا فرماتا ہے فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ (یعنی جب اسرافیل صور پھونکینگے تو ہر شخص کا سلسلۂ نسبی قطع ہو جائیگا) قیامت میں اعمال کام آئینگے نہ بزرگ زادگی۔ خلیفۂ دوم چونکہ حسب تصریح اوّل سعادتِ ولادت میں کوئی حصّہ نہ رکھتے تھے تو خاندانِ عالی میں صرف نکاح کرنے سے اور وہ بھی ایسے وقت جبکہ ناکارۂ محض تھے اور قابلیت اولاد حاصل کرنیکی اُن میں نہ تھی کیا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ داماد بہ اتفاقِ اُمّت نسب میں داخل نہیں ہو سکتا۔ بعدِ وفاتِ زوجہ اُسکا کوئی علاقہ سُسرال والوں سے نہیں رہتا۔ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ کا حسب ونسب اُنہی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے جو کہ آلِ طیّب میں داخل ہیں۔ حضرتِ عمر اپنے اس نسب سے فائدہ اُٹھائینگے کہ جس اُلٹ پھیر سے رونق افزائے عالم ہوئے تھے۔ تاریخ کامل ابنِ اثیر جزری کی جلد ۳ صفحہ ۲۳ پر لکھا ہے کہ بعدِ عقدِ اُمّ کلثوم عمر نے تین عورتوں سے عقد کیا۔ اوّل فکیہہ دوم فاطمہ بنت الولید سوم عاتکہ۔ مؤرخ مذکور رقمطراز ہیں کہ آخرا ولادِ عمر زینب ہے جو کہ بطنِ فکیہہ سے پیدا ہوئی تھی۔ ہرگاہ باتفاقِ جمیع راویانِ مدعیان جنکا ذکر بہ کرّات ومرّات اوپر آچکا ہے۔ بوقتِ خطبۂ اُمِّ کلثوم حضرتِ عمر اپنی اندرونی حالت بتلا چکے تھے کہ قلّتِ باہ سے عورتوں کی خواہش مطلق نہیں رہی۔ صرف زادِ عقبےٰ بہم پہنچانیکی نیّت سے پنج سالہ لڑکی کو داخلِ عقد کرنا چاہتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ بڑے دھوکے باز تھے۔ اپنی سستی ونامردی کا اظہار کرکے فریب دہِ اہلبیت ہوئے۔ اگر حضرتِ عمر فی الواقع بیکارِ محض تھے اور عورتوں کی طرف مطلق رغبت نہ رہی تھی تو یہ گداگد تین نکاح کیوں کیے۔ اور زینب فکیہہ کے شکم سے کیونکر پیدا ہوئی۔ شاید وکیل صاحب اسکا یہ جواب دیں کہ بوقتِ خطبہ اُمِّ کلثوم فی الواقع وہ نامرد تھے۔ مگر بعد میں کسی سنیاسی نے سنکھیا کا کشتہ کھلا دیا۔ جس سے تین عقد متواتر کیے۔ مدعی صاحبان نے بڑے شدومد کے ساتھ عوضی دعوے میں بیان کیا ہے کہ حضرتِ علیؑ نے نہایت خوشدلی ورضامندی سے عمر کو لائقِ دامادی سمجھ کر عقد کیا تھا۔ ثبوت بالکل اسکے خلاف پیش کیا گیا ہے۔ تمام

شہادت ہائے پیش کردۂ وکیل مدعیان کا خلاصہ یہ ہے کہ علیؑ نے ہر چند عذر کیا۔ اُس لڑکی کی صغر سنی اور اپنے برادر زادہ سے منسوب ہونیکا اظہار فرمایا مگر خلیفہ نے ایک عذر نہ سُنا تب علیؑ نے مضطر و مجبور ہو کر لڑکی کو بھیجدیا۔ اگر رضامندی اسی جبر یہ صورت کا نام ہے تو نہ معلوم ناراضگی کا کیا عنوان مقرر کیا جائیگا۔ کسی روایت کا ایک فقرہ یا آدھا جملہ بھی اِس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ اِس عقد میں کسی نوع کی رضامندی تھی بلکہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ عمرؓ نے بزورِ سلطنت عباس پر سخت دباؤ ڈالا کہ نکاح کرو ورنہ عہدۂ سقایت حرم جو کہ ایک بڑی آمدنی کا صیغہ تمہارے ہاتھ میں ہے چھین لونگا۔ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ یہ تمام روایات ساختہ و وضعی ہیں نہ بیچارے عمرؓ نے علیؑ پر اِس باب میں کوئی جبر کیا۔ نہ پیغام دیا۔ نہ عباسؓ کو دھمکایا۔ نہ اُمِّ کلثوم کو بُلوایا۔ اُس غریب کے سر سے خواہ مخواہ اِسکو تھوپ دیا ہے۔ اگر کچھ بھی اقتدارِ روایات ہوتا تو اربابِ صحاح اور بخصوص مسلم و بخاری زمین و آسمان ایک کر دیتے۔ اور اس خوش آہنگی سے بیان فرماتے کہ سُنّی صاحب وجد کر کے اُچھلنے لگتے۔ بقولِ مدعیان جمیع اہلِ صحاح اور سیما مسلم و بخاری نے تنقیح و تنقید احادیث میں وہ کوششیں کی ہیں کہ زمین کے گز بن گئے ہیں۔ اطرافِ عالم میں گشت کر کے احادیث کا پتہ چلایا ہے۔ افسوس کہ ایسے محققین کو ان روایات کا پتہ نہ چلا۔ مدعی صاحبان اُس روایت کو جو کہ صحیحین میں نہو پایۂ اعتبار سے گرا کر غیر معتمد جانتے ہیں۔ اِسی واسطے معاملۂ غدیر کے قبول فرمانے میں پس و پیش کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ گو واقعۂ غدیر دیگر صحاح و کتب میں بہ تفصیل درج ہے۔ مگر چونکہ بخاری میں نہیں لہٰذا ناقابلِ وثوق ہے۔ جبکہ صحت روایت کے لیے اندراج بخاری میں لازمی ہوا اور اُس میں کیا بلکہ تمام صحاح میں یہ قصہ مذکور نہیں تو عند السنیہ بھی نامعتبر محض ہونا چاہیے واقعۂ غدیر کے نہ لکھنے پر تو یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ بوجہ عداوتِ مرتضوی نہ لکھ سکے عقد امِّ کلثوم سے چونکہ خلیفۂ دوم کی برات از عداوت خاندانِ نبوت تھی اِسکو تو ضرور لکھتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعدِ ترتیب مسلم و بخاری میں متاخرین نے یہ مضمون تراشا ہے۔

عدم اندراج صحیحین اِس فرضی عقد کی بے اعتباری کا قوی سبب ہے۔

سوالِ عدالت از غلام معاویہ وکیل مدعا علیہم

عدالت کو اس تقریر کے جوکہ وکیل مدعا علیہم نے بیان کی ہے اعادہ کرنیکی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ آپنے بگوشِ توجہ اُسکو سُنا ہے۔ تمنے جو ثبوت فریہ داخل کیا اور وکیل مقابل نے اُسپر جرح کی اُس کے سننے اور معائنہ کرنے سے آپکا تمامتر دعویٰ باطل ہوگیا اگر اُسی جگہ یعنی ختمِ تنقیح نمبر ۱۰ پر مقدمہ روک دیا جاتا تو شاید بہتر ہوتا مگر ثبوت فریہ اور اُسپر وکیل کی جرح نے تمام تر قلعی کھولدی اب عدالت مقدمہ کو طے کیے دیتی ہے۔

وکیلِ مدعی دستِ ادب باندھکر

عدالت کا فرمانا نہایت صحیح ہے بے شبہ میرا دعوےٰ اُس حالت پر پہنچ گیا ہے جوکہ مدقوق کی شروع اسہال پر سمجھی جاتی ہے۔ مگر چونکہ اِس مقدمہ میں میرے موکلوں نے بڑی دردسری اُٹھائی ہے لہذا چاہتا ہوں کہ تنقیحات مابقی پر بھی بحث کرلیجائے۔ شاید اُن میں کوئی مفید مطلب بات پیدا ہوکر اِس مردہ مقدمہ میں جان پڑجائے۔

یہ سُنکر نثارِ پنجتن نے نہایت شگفتہ خاطری سے اپنے مدِ مقابل کے بیان کی تائید کی اور مقدمہ شروع ہوا۔

تنقیحِ یازدہم

حسبِ روایات مرویہ طریقِ مدعیان امِ کلثوم کا عقد حضرتِ امیرؑ نے بہ جبر و کراہت کیا۔ یا کہ حسبِ بیان تحریری طیب خاطر و خوشدلی و جوشِ محبت سے۔

تقریر نثارِ پنجتن وکیل مدعا علیہم

اِس معاملہ کے متعلق تنقیحاتِ ماسبق میں بہت بحث ہوچکی ہے۔ ثبوت پیش کردہ وکیل مدعیان سے عدالت پر ظاہر ہوچکا ہے کہ حضرت عمر نے جب پیغامِ عقد دیا تو حضرتِ امیرؑ نے عذرِ کم سنی پیش کیا۔ دولھامیاں نے نہ مانا۔ اور سطوتِ خلافت سے اُس لڑکی کو اپنے گھر بلوایا۔ اور بہرنا کردنی فعل کیا گیا۔ پھر عباسؓ پر ضبطیِ عہدہ سقایت کا دباؤ

ڈالا گیا۔ میں کچھ عرض نہ کرونگا۔ مسل دیکھکر عدالت خود نتیجہ نکال لے کہ کیا رضامندی اسی کا نام ہے۔ جو کہ شہادتِ مدخلۂ وکیل سے نمایاں ہے۔

رائے عدالت

ثبوت موجودۂ مسل کے معائنہ سے کوئی جاہل بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا کہ اتحادِ محبت سے عقد ہوا۔ بلکہ ہر شخص بادی النظر میں یہ کہنے کا استحقاق رکھتا ہے کہ عقد ہوا تو اس سے زیادہ دنیا میں کوئی جبر و ظلم نہیں ہوسکتا جو کہ حضرتِ امیرؑ کے ساتھ کیا گیا۔

تنقیحِ دوازدہم

اگر فی الواقع خاندانِ نبوت و عمر صاحب میں اختلاف تھا اور عقد بلا رضامندی ہوا تو ایسا نکاح جنابِ عمر کو نہ کوئی دینی فائدہ دے سکتا ہے اور نہ وہ مستحق اسکے ہیں کہ بربنائے عقد عدالت سے سارٹیفکٹ ایمانداری لے سکیں۔

وکیلِ مدعا علیہم

خاندانِ نبوت و عمر صاحب میں صرف اختلاف ہی نہ تھا بلکہ انتہا درجہ کی بےلطفی تھی۔ صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ حضرتِ عمر نے سرِ اجلاس کہا کہ اے علیؑ تم مجھ کو اور ابوبکر کو کاذب و غادر و خائن و آثم جانتے ہیں۔ جمع بین الصحیحین میں ہے کہ حضرت امیرؑ نے ابوبکر کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ مجھ سے تنہائی میں ملاقات کریں تاکہ امرِ بیعت طے ہو جائے۔ مگر عمر کو اپنے ساتھ نہ لانا۔ وجہ یہ تھی کہ حضرتِ امیرؑ اُنکا دیکھنا مکروہ سمجھتے تھے۔ صحیح مسلم جلد ثانی صفحہ ۹۱ سطر ۱۵۔ دکھلاتا ہوں۔ واقعۂ عقد کو اگر مان بھی لیا جائے تو بحالتِ نارضامندی عمر صاحب کو دینی فائدہ کچھ بھی نہیں مل سکتا بلکہ اُلٹا الزام اُنپر یہ قائم ہوسکتا ہے کہ ایک ذی عزت شخص پر دباؤ ڈالکر اُس کی لڑکی کو اپنے عقد میں لانا چاہا۔ مدعیان عرضی دعوے میں بیان طراز ہوئے ہیں کہ حضرت علیؑ نے نہایت خوشدلی و رغبتِ طبیعت سے ایسا کیا تھا۔ اگر وہ عمر کو نا قابل جانتے تو کبھی اپنی پیاری دختر کا عقد نہ کرتے۔ مسل کے تمام اوراق دیکھ لیجیے۔ کسی جگہ بھی اِسکا

پتہ چلتا ہے کہ حسبِ دستورِ زمانہ حضرتِ علیؑ نے بحالت خورسندی یہ فعل کیا تھا۔ قاعدہ قانون مقتضی اِس امر کا ہے کہ جس بنا پر مدعی دعویدار ہوا اُسی پر نظر کی جائے اگر ثبوت موافقِ دعوائے ہو ڈگری دیدی جائے۔ ثبوت اور دعوے میں اختلاف ہو قطعی ڈسمس کر دیا جائے۔ عدالت نے ہر ایک تنقیح پر خود منصفانہ نظر ڈالکر فیصلہ صادر فرمایا ہے جو بات کہ عدالت کے ذہن میں راسخ ہو چکی ہے اُسکے اعادہ کرنے یا دوبارہ یاد دلانیکی مجھ کو ضرورت نہیں۔ فرقۂ مدعیان میں مولوی مہدی علی صاحب محسن الملک اعلےٰ درجہ کے محقق گزرے ہیں۔ اُنھوں نے آیاتِ بینات جلد اوّل کے صفحہ ۱۳۵ پر اِس عقد کے متعلق بطورِ فیصلۂ قطعی چند فقرات تحریر فرمائے ہیں۔ ہر ایک فقرہ لکھکر اُسکا ردعرض کرتا ہوں۔

فقرۂ اوّل۔ اِس نکاح سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ باہم حضرتِ علیؑ اور حضرت عمرِ فاروق کے کچھ عداوت نہ تھی۔ بلکہ نہایت ہی دوستی تھی۔ اگر دوستی نہوتی تو حضرت علیؑ اپنی بیٹی کا وہ بھی وہ بیٹی جو کہ خاص حضرت فاطمہؑ کے بطن سے تھیں نکاح حضرت عمر کے ساتھ نہ کرتے۔ اور دشمن کو اپنے خاندان میں نہ لیتے۔

جواب

محسن الملک نے لفظ (اگر) سے وقوعِ عقد کو مشروط کیا ہے۔ یعنی اگر دوستی نہوتی تو عقد نہوتا۔ معائنۂ مسل سے عدالت پر واضح ہو چکا ہے کہ دوستی بجائے خود رہی اِس درجہ شدّت سے عداوت تھی کہ پایان نہیں۔ پس بوجہ عدم اتحاد حسبِ قرار دادِ محسن الملک یہ عقد داخلِ محالات ہو گیا۔ مدعیانِ عقد پر لازم ہے کہ اوّل اتحاد ثابت کریں جو کہ ناممکنِ محض ہے۔ زاں بعد وقوعِ عقد ورنہ اذا فات الشرط فات المشروط لازم آجائیگا۔

فقرہ دوم۔ اِس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضرتِ عمر کافر یا منافق یا مرتد نہ تھے ورنہ حضرت علیؑ شیرِ خدا غالب علےٰ کلّ غالب مطلوب کل طالب مظہر العجائب والغرائب اپنی پیاری بیٹی کا نکاح اُنکے ساتھ نہ کرتے۔ اور اگر اُن کے ایمان اور عبادات اور پرہیزگاری

پر اطمینان کامل حضرتِ امیرؑ کو نہوتا تو وہ کبھی اُنکو اپنا داماد نہ بناتے۔

جواب

محسن الملک صاحب نے اس فقرہ میں وہی مضمون لکھا ہے جوکہ اِس سے پہلے ہی صرف لفظ بدلے ہوئے ہیں مطلب ایک ہے۔ ابھی کہاں سے ثابت ہوگیا۔ مسل میں تو ایک لفظ بھی ایسا نہیں جوکہ اتحادِ باہمی کا پتہ دے۔ سب کے ہاں جبر و تعدی کے مضامین تو وہ تو وہ ہیں۔ اگر بجوشِ محبت و یکجہتی حضرتِ امیرؑ نے عقد کیا تھا تو حضرتِ عمر الفاظِ بالا سے ایک کے بھی قابل نہ تھے۔ بصورتِ دیگر تمام صفاتِ بالا اُن سے چسپاں ہو جائینگی۔ غالب من کلِ غالب وغیرہ اعتقاداً انہیں لکھا ہی شیعہ چونکہ اسکے معتقد ہیں لہذا تعریفاً تحریر فرمایا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ خاصانِ خدا ہمیشہ مبتلائے بلیات و آفات رہے ہیں۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام بوجہ مرتبۂ نبوت حضرتِ امیرؑ سے اعلےٰ درجہ رکھتے تھے۔ اُنکی بی بی کو ایک ظالم سفاک بادشاہ نے بجبر چھین لیا اور معاذاللہ اُس محترمہ سے قصدِ ناجائز کیا۔ مگر قدرتِ خدا سے فعلِ بد کے ارتکاب پر قادر نہ ہوا۔ مبتلائے مرضِ صرع ہوگیا۔ اِس سے نہ جنابِ ابراہیم کی نبوّت میں کوئی فرق آیا نہ اُنکے غالب من کلِ غالب پر کوئی دھبہ لگا۔ نہ اُس معصومہ کی عصمت پر حرف آیا۔ البتہ اُس جابر بادشاہ پر الزام شدید قائم ہوگیا۔ علےٰ ہذا اگر حضرتِ عمر نے بخلافِ مرضیِ مرتضوی سلطنت کے دباؤ سے ایسا کیا تو حضرتِ امیر علیہ السلام کی شان و منزلت میں مثلِ ابراہیم علیہ السلام کوئی فرق پیدا نہوا۔ بلکہ حضرت عمر پر مثل اُس بدکیش سلطان کے جرم قائم ہوگیا۔ ثبوت میں عبارتِ تحفہ پیش کرتا ہوں۔

(حضرت سارہ زوجۂ ابراہیم علیہ السلام کہ اورا جبّارے غصب کردہ بود و حضرتِ ابراہیم بمناجاتِ الٰہی مشغول شد و ایں جبّارہ ہرگاہ ارادہ نسبت بہ آں مطہرہ می نمود مصروع می شد)۔

فقرہ سوم۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرتِ عمر نے کبھی کسی قسم کا رنج اور صدمہ جنابِ امیرؑ کو یا حضرتِ فاطمہ علیہا السلام کو نہیں دیا۔ اور کبھی کسی قسم کی دشمنی

یا عداوت اُنکے ساتھ نہیں کی۔ ورنہ ممکن نہ تھا کہ حضرت امیرؑ ایسے شخص کے ساتھ جس نے اُنکو یا حضرت فاطمہؑ کو رنج دیا تھا اس نکاح کا ہونا جائز رکھتے۔ بہرحال یہ امر اخلاص اور اتحاد اور محبت پر باہم جناب امیر علیہ السلام اور حضرت عمر کے ایسا شاہد عادل ہے کہ کسی طرح پر بعد ثبوت اسکے شیعوں کی زبان پر عداوت کا نام نہیں آسکتا ہے۔

جواب

یہ گفتگو بھی وہی ہے جو کہ فقرہ اول و دوم میں آچکی ہے۔ طوالت کے سوا اور کچھ نہیں۔ بہرحال عقد کے لیے محبت ضروری سمجھی گئی ہے۔ اگر خلیفہ عمر و حضرت امیرؑ کی دوستی ثابت ہو جائے تو مجھ کو کوئی عذر نہوگا۔ تنقیحات اول میں اسکے متعلق جو بحث ہوئی عدالت پر پوشیدہ نہیں۔ امر طے شدہ پر بار بار بحث کرنا فضول معلوم ہوتا ہے۔

سوال عدالت از غلام معاویہ وکیل مدعیان

آپ نے عرضی دعوے میں اتحاد کو مناط استدلال قرار دیا ہے۔ اور مولوی مہدی علی صاحب نے بھی اسی پر زور قلم دکھلایا ہے۔ نیز عدالت نے تمام مقدمہ کی جان سمجھ کر پہلی تنقیح بھی اُسی کے متعلق برآمد کی ہے۔ اسوقت تک آپ کے مذہب کی کتابوں سے جتنا ثبوت عدالت کے سامنے گزرا ہے وہ ایسی عداوت کا پتہ دینے والا ہے جس سے بالاتر مخالفت ممکن نہیں۔ لہٰذا بنظر استکشاف اصلیت تمکو اور موقع دیا جاتا ہے اگر امر اتحاد پر کوئی ثبوت ہے تو دکھلایئے۔ ورنہ دستخط کر دیجیے کہ میرے پاس کوئی ثبوت نہیں۔ اور میں خلیفہ عمر و حضرت امیرؑ کی محبت ثابت کرنے سے عاجز ہوں تاکہ اپیل میں گنجائش نہ ملے۔ بہرحال اگر عقد ہوا بھی ہو تو حضرت عمر کو کوئی دینی فائدہ نہیں دے سکتا۔ اور نہ خاندان نبوت کی تنقیص مرتبت کا سبب ہو سکتا ہے کیونکہ اختیاری اور اضطراری حالت کے احکام میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ میں ایسے شخص کو جسنے بیجا دباؤ ڈالکر نکاح کیا کبھی سند ایمانداری نہ دونگا۔ بلکہ بیہودہ دعوے کی پاداش میں مقدمہ کو مع مدعیان و پیروکاران و گواہان و وکیل سپرد فوجداری کرونگا۔ اور مدعا علیہم کو حکم دونگا کہ عمر کی روح سے بجرم تعدی وہی برتاؤ کریں جو کہ ایک

ظالم جفا کار سے کیا جاتا ہے۔

بیان غلام معاویہ وکیل مدعیان

میرے پاس کوئی ایسی روایت نہیں جسکو بہ ثبوتِ اتحاد دکھلاسکوں۔ جسقدر روایات متعلق بہ عقد ہمارے علماء نے درجِ کتب کی ہیں سب میں جبر وکراہت وبیدلی بہ الفاظ صاف وصریح موجود ہے۔ مضمونِ روایات کو پرانی کتابوں سے بدل دینا میرے امکان سے باہر ہے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ نارضامندی کا داغ کسی طرح نہیں اٹھ سکتا۔ جہانتک میری نظر تھی وہ جملہ روایات عدالت کے سامنے پیش کردیں منظور کرنا نہ کرنا حاکم کا کام ہے۔

رائے عدالت

اِس تنقیح کے متعلق بہ اعتبارِ واقعات عدالت نے جو رائے قائم کی تھی وہ ظاہر ہوچکی مگر چونکہ چند تنقیحات باقی ہیں لہذا مناسب سمجھا جاتا ہے کہ اُن پر بھی غور کرلیا جائے۔ تاکہ پورا مقدمہ ختم ہوجانیکے بعد فیصلہ صادر کیا جائے۔

تنقیح سیزدہم

خاندانِ نبوت میں دینِ مہر کا کیا دستور تھا؟

بیانِ غلام معاویہ وکیل مدعیان

جسکو جن سے تعلق ہوتا ہے وہ اُن کے حالات سے پوری خبر رکھتا ہے۔ شیعہ کو جو خاندانِ رسالت سے علاقہ ہے وہ ظاہر ہے۔ ہمارے مذہب میں روایاتِ ائمہ اِثنا عشر سے برائے نام بھی کوئی روایت نہیں۔ چنانچہ بخاری شریف نے امام جعفرِ صادق سے اپنی ذی عزت کتاب میں کچھ نہیں لیا۔ حالانکہ خوارج ونواصب ومرجیہ وقدریہ وغیرہ سے اکثر روایات اخذ کی ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفاء و قرۃ العینین وغیرہ میں لکھا ہے کہ ہمارے مذہب کا دار ومدار روایاتِ عبد اللہ ابنِ عمر وعائشہ وابو ہریرہ وابنِ مسعود وغیرہ پر ہے۔ علی المرتضےٰ سے کوئی ایسی روایت جس سے کوئی مسئلہ ماخوذ ہوتا ہو نہیں لی گئی۔ بلکہ فنونِ شرعی سے کسی فن

میں وہ پیشوائے ملت نہیں مانے گئے۔ مدینہ میں جبتک رہے ایک حدیث کا پتہ نہیں چلتا جسکو اُنہوں نے بیان کیا ہو۔ البتہ جب کوفہ میں گئے تو پانچ سو چند شیوں کا سراغ لگتا ہے۔ مگر وہ بھی غیر صحیح و مختل النظام۔ اور ابو ہریرہ سے پانچ ہزار احادیث ہماری کتب میں موجود ہیں۔ پس اِس تنقیح کے متعلق میر نثار پنجتن صاحب بیان کر سکتے ہیں۔ فدوی معذور ہے۔

بیان نثار پنجتن وکیل مدعا علیہم

تنقیح دہم کی توضیح میں ضمناً تنقیح ہذا و چہاردہم و پانزدہم طے ہو چکی ہیں جنکا خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ سیدہ علیہا السلام کا مہر آنحضرت نے بہ نظرِ سہولت حالِ امت چند دینار مقرر کیے جو کہ بحساب ہندوستان (۱۰۶ء۱۰ مالیہ) روپیہ ہوتے ہیں۔ نیز مہر بالمثل کا مقرر ہونا لازمی اور باعثِ خیر و برکت سمجھا گیا ہے۔ ممکن نہیں کہ بیٹی کا مہر خلافِ مادر ہو نیز یہ بھی طے ہو چکا ہے کہ عمر صاحب کو بالخصوص در بابِ مہر سخت کوشش تھی کہ مقدار قلیل ہو پس کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ جو قلت کا دوسروں کے لیے کوشاں ہو وہ اپنے باب میں ایسی بے احتیاطی کرے۔ علاوہ بریں یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ عمر اتنی کثیر التعداد رقم یعنی چالیس ہزار روپیہ کے ادا کرنے پر قادر نہ تھے بلکہ کئی ہزار روپیہ بیت المال کا جو کہ عام مسلمانوں کا حق تھا کھا کر مر گئے اور رہا ہوازہ و شوش کے مال میں جو اہلبیت کا حصہ تھا وہ حسب صراحتِ صدر سب لیکر قبر میں گھس گئے۔ نظر بوجوہاتِ صدر کے ضرور یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ چالیس ہزار تعدادِ مہر جو بیان کی گئی ہے مثل دیگر واقعات بالکل غلط ہے۔

تنقیح شانزدہم

اُمِّ کلثوم کی شادی اگر خلیفۂ دوم سے نہ ہوئی تھی تو پھر کس سے ہوئی؟

بیانِ وکیل مدعیان

میرے پاس جو کچھ بھی ثبوت تھا وہ پیش کر چکا۔ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ اُمِّ کلثوم کا عقد حضرت عمر سے ہوا تھا۔

بیان وکیل مدعا علیہم

صواعق محرقہ ابنِ حجر مکّی و بابُ الخواص الائمۃ ابنِ جوزی سے یہ بات اوّل معرضِ بحث میں آچکی ہے کہ بوقتِ خطبۂ حضرت عمر جنابِ امیرؑ نے عذر کیا کہ میں نے اسکی نسبت اپنے بھائی جعفر طیار کے بیٹے سے کی ہے۔ اِن روایات سے ثابت ہوا کہ حضرت محمد سے جو کہ اُنکے برادر زادے تھے اپنی بیٹی کا عقد کیا۔ کتاب اصابہ سے اوّل بحث میں آچکا ہے کہ بعدِ فوتِ عمر حسنینؑ نے اپنی بہن کو رائے دی کہ ہم تمہارا عقد کسی دولتمند سے کردیں گے۔ اسپر حضرت امیرؑ حسنین علیہما السلام وامّ کلثوم سلام اللہ علیہا سے ناراض ہوئے۔ اور بعد ردّ و قدح عون سے نکاح کر دیا۔ اُن کے مرنے پر محمد سے حسبِ تسلیم راویانِ مدعیان جنابِ محمد سے عقد کا ہونا ثابت ہے۔ گفتگو صرف اسمیں ہے کہ آیا بعد عمر و عون محمد سے عقد ہوا یا کہ سب کے ماقبل۔ عمر کی نسبت کو کسی قرینۂ عقلی و نقلی سے ثابت ہی نہیں ہو سکتا جسپر کئی جگہ عدالت کو بھی رائے ظاہر کرنیکا موقع ملا ہے۔ رہے عون ابنِ جعفر۔ ہمارے نزدیک جیسے محمد ویسے ہی عون۔ کیونکہ دونوں حقیقی بھائی ہیں۔ عون کے تسلیم کر لینے میں بھی ہمکو کوئی عذر نہیں مگر چونکہ معصومہ کا اُن سے عقد نہیں ہوا لہذا غلط بات کیوں کہی جائے۔ مگر قدرتِ خدا قابلِ تماشہ ہے کہ علمائے مدعیان بھی اپنے گروہ کی تکذیب کرتے ہیں۔ ابنِ حجر مکّی صاحب صواعقِ محرقہ و ابنِ عبد اللہ صاحب استیعاب لکھتے ہیں کہ بعدِ عمر عون جنگِ تستر میں شہید ہو گئے۔ جبکہ عون خلافتِ عمر میں شہادت پا گئے تو پھر وہ کون تھا جس سے بعدِ عمر عقد کا ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ چونکہ معاملۂ عقد ایک گھڑا ہوا قصہ اور طبع زاد تھا قصہ ہے لہذا علمائے اہلسنت نے اس میں ایسی ٹھوکریں کھائی ہیں کہ پایاں نہیں۔ انشاء اللہ میں ثابت کر دونگا کہ معظمہ کا عقد حضرت محمد سے ہوا تھا چنانچہ صاحب ذخائر العقبیٰ بحوالہ دارقطنی لکھتے ہیں ان محمد تزوجھا اوّلاً ثم عون چونکہ حضرتِ محمد سے عقد ہونا ہمارے یہاں ثابت ہے اور اہلسنت بھی اسکو کچھ پس و پیش سے بیان کرتے ہیں لہذا قول متفق علیہ قابلِ وثوق و تسلیم ہوگا۔ اور

اختلافی مرد و دکتاب موصوف الصدر میں جو یہ لکھا ہے کہ اول محمد سے ہوا۔ اور پھر عون سے جملۂ اول ہمکو قبول ہے۔ اور جملۂ ثانی متعلق بہ عون قابل رد۔ بیہقی و دار قطنی نے بالکل اس جملہ کو صاف کر دیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ عمر کے پیغام دینے پر حضرت امیرؑ نے کہلا بھیجا کہ حبستہا لمحمد بن جعفر طیار یعنی میں نے اُسکو محمد بن جعفر طیار سے نامزد کیا ہے۔ پس جس سے اول منگنی ہوئی اُسی کے ساتھ عقد ہوا۔ اور قرینۂ عقلی بھی اسی کا مقتضی ہے۔ کیونکہ جس طرح چھٹائی بڑائی حضرت زینب وام کلثوم میں تھی ایسی ہی حضرت عبداللہ اور محمد میں تھی۔ زینب سلام اللہ علیہا حضرت عبداللہ سے اور ام کلثوم روحی لہا الفدا جناب محمد سے بیاہی گئیں۔

رائے عدالت

اکثر راویان مدعیان نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے عمر سے عذر کیا کہ میں نے اُنکو اپنے بھتیجے سے منسوب کیا ہے۔ گو کہ در باب محمد و عون آگے پیچھے کو بیان کیا ہے۔ مگر ذخائر العقبیٰ و بیہقی و دار قطنی محمد کے عقد کو بیان کرتے ہیں۔ نیز مدعا علیہم بھی اُسی کے قائل ہیں۔ اور قرائن بھی دونوں بہنوں کی خوردی و بزرگی و عبداللہ و محمد کی مناسبت عمری سے یہی یقین دلاتے ہیں۔ لہذا عدالت کی رائے میں اسکے تسلیم کر لینے میں کوئی عذر نہونا چاہیے کہ محمد سے عقد ہوا تھا۔

تنقیح ہفتم

ام کلثوم نے بعہد معاویہ وفات پائی یا کہ بعد واقعۂ کربلا؟

بیان وکیل مدعیان

اس تنقیح کے متعلق میرا وہی بیان ہے جو کہ عرضی دعوے میں لکھا گیا ہے۔ یعنی ام کلثوم کا بعہد معاویہ وفات پاجانا۔

بیان نثار پنجتن وکیل مدعا علیہم

ملک العلماء دولت آبادی کا بیان کتاب ہدایت السعداء کے صفحہ ۲۵۹ سے اول عرض کیا گیا ہے کہ ام کلثوم ماتت فی الصغر عند عمر ابن الخطاب لا عقب لہا یعنی

ام کلثوم بچپنے میں عمر کے گھر مر گئی اور کوئی اولاد اُسکے نہ تھی۔ مولوی حیدر علی صاحب ازالۃ الغین کے صفحہ ۹۲۷ پر کتاب اصابہ سے ناقل ہیں کہ ام کلثوم بعدِ وفاتِ عمر عون ابنِ جعفر کے عقد میں آئیں۔ اور چند اقوال بھی اس قسم کے ہیں جو کہ بعدِ وفاتِ عمر ام کلثوم کے دو تین عقد ہونیکا اظہار کر رہے ہیں جس سے بالکل عہدِ معاویہ میں اُنکی وفات کی نفی لازم آتی ہے۔ کتب تواریخ مدعیان مثل روضۃ الشہدا اور روضۃ الصفا و حبیب السیر و مقتلِ ابی مخنف اور مشہد ابو اسحاق وغیرہ میں تحریر ہے کہ وہ معرکہ کربلا میں موجود تھیں۔ اور وہ مراثی بھی بحوالہ حضرت ام کلثوم نقل کیے ہیں جو کہ کوفہ و بازارِ دمشق میں اُنکی زبان پر جاری ہوئے تھے۔ بطورِ نمونہ علما و مورخین اہلسنت کے وہ چند اقوال نقل کیے دیتا ہوں جنکے معائنہ سے عدالت پر واضح ہو جائیگا کہ عہدِ معاویہ میں جس ام کلثوم نے وفات پائی وہ اور تھی اور حضرت امیر کی صاحبزادی اپنے بھائی کے ساتھ معرکۂ کربلا میں موجود تھیں۔ کامل ابنِ اثیر نے اپنی تاریخ کے صفحہ ۴۸ پر لکھا ہے کہ جب اہلبیتِ رسول کو یزید کے سامنے لے گئے تو حضرتِ ام کلثوم نے کہا ویلکم وقتلتم الحسین وخذلتموہ ولبتم اموالہ وورثتموہ وسبیتم نساءہ (وائے ہو تم پر حسین کو قتل کیا اور اُنکی امداد سے ہاتھ اُٹھایا۔ مال لوٹکر اُسکے وارث بنے اور اُن کے اہلِ حرم کو قید کیا) اگر حسب بیانِ مدعی دعوٰے ام کلثوم نے بعہدِ معاویہ قضا کی تھی تو دربارِ یزید میں یہ کس ام کلثوم نے گفتگو کی۔ مولوی حیدر علی صاحب فیض آبادی علمائے اہلسنت میں ایسے شخص گزرے ہیں جنکا اقتدار سنیوں کی نگاہ میں شاہ صاحب دہلوی سے کچھ ملتا جلتا ہوا ہے۔ وہ ازالۃ الغین کے صفحہ ۹۲۸ پر جو عبارت متعلق بہ ام کلثوم لکھتے ہیں اُسکا ذکر اوپر آچکا ہے۔ ضرورتِ موقع کی پھر عرض کرتا ہوں (چوں برادرِ عون داعی اجل را لبیک گفت اورا بہ برادرش عبداللہ نکاح کردند۔ ام کلثوم بخانۂ وے وفات یافت) حضرت عبداللہ کی وفات ۸۰ھ میں بیان کی گئی ہے جو کہ معرکۂ کربلا سے بیس سال بعد ہے۔ گو کہ ہمارے نزدیک حضرت ام کلثوم کا عقد جناب عبداللہ سے سراسر غیر صحیح و افترا ہے مگر صاحبِ منتہی الکلام

مولوی حیدر علی کے بیان سے یہ بات تو صاف ہوگئی کہ بعہدِ معاویہ حضرت امِ کلثوم کی وفات نہیں ہوئی بلکہ معرکۂ کربلا سے مدتِ بعید کے بعد۔ علاوہ برایں مولوی سلامت اللہ سنی المذہب نے سر الشہادتین شاہ عبدالعزیز صاحب کی شرح لکھی ہے جسکا نام تحریر الشہادتین ہے اُس کے مختلف صفحات پر جو عبارت درج ہے دکھلاتا ہوں۔

تحریر الشہادتین مؤلفۂ شاہ سلامت اللہ شاگرد شاہ صاحب دہلوی

صفحہ ۱۲۰ سطر ۵۔ روایت کردہ اند دمیکہ اسیرانِ اہلبیت را بحضورِ ابنِ زیاد حاضر کردند گفت الحمد للہ الذی اکرب واکوب (شکر خدا کہ سختی داد بہ دشمنان وسختی داد) حضرت امِ کلثوم جواب داد الحمد للہ الذی اکرمنا بمحمد وطھرنا تطھیرا (شکرِ خدا کہ گرامی کرد مارا بہ محمدؐ وپاک کرد مارا پاک کردنی۔

صفحہ ۱۰۳ سطر ۵ کتاب مذکورۃ الصدر۔ چون زنانِ اہلبیت بر شترانِ بے پردہ و بیراہن دریدہ در کوفہ رسیدند۔ کوفیان حالِ خرابی دودمانِ نبوت دیدند وگریستند۔ امِ کلثوم گفت اے مردمِ کوفہ برائے چہ گریہ مے کنید ایں ہمہ بیداد کہ بر سرِ ما رفت از دستِ شمارفت مردان مارا شما کشتید وباز گریہ می کنید۔ ابیات۔

جواب چیست شمارا اگر سوال کند　　محمدؐ عربی از شما بروزِ جزا

کنوں چہ بود کہ با اہلبیتِ من کردید　　چو من بملکِ بقا رفتم از سرائے فنا

صفحہ ۱۰۶ ۔ سطر ۱۳ ۔ کتاب مذکور۔ یزید متوجہ بطرفِ زنانِ اہلبیت شدہ زینب امِ کلثوم وعلی ابن الحسینؑ را نزدیک طلبید۔

صفحہ ۱۰۷ سطر ۲۔ پس ازآں امِ کلثوم برخاست وبسر حسین افتادہ لب ودہانِ خود را برآں لب ودہاں چنداں مالید کہ بیہوش برزمیں غلطید۔

صفحہ مذکور سطر ۶۔ یزید پلید گفت مگر آں زن ہم خواہرِ حسین است۔ گفتند آرے۔ ایں امِ کلثوم دخترِ فاطمہؑ است۔

شیعہ تمامتر اور اہلسنت اکثر وبیشتر قائل ہوئے ہیں کہ جناب امِ کلثوم کربلا کے حادثہ

قیامت خیز تک موجود تھیں۔ معاویہ کے زمانہ میں مع زید پسر خود جو انکا مرنا بیان کیا گیا ہے سراسر واہی و غلط ہے۔ جبکہ زید اُنکے شکم ہی سے نہ تھا۔ اور وہ ام کلثوم جسپر دعوئے کیا جاتا ہے تا وفات عمر صاحب بلوغ کو بھی نہ پہنچی تھی تو جسقدر تفریعات کی گئیں وہ بالکل باطل اور من گھڑت ہیں۔ اور صحیح یہی ہے کہ وہ بعد حادثۂ کربلا کبر سنی میں رحلت فرمائے دار القرار ہوئیں۔

رائے عدالت

اس تقریر سے مخالف کوئی رائے قائم کرنیکی گنجائش نہیں۔ لہذا بتائید بیان وکیلِ مدعا علیہم عدالت اِسی طرف جُھک کر یہی تجویز کرتی ہے کہ بے شبہ ام کلثوم معرکۂ کربلا میں شریک تھیں۔ اور بعہدِ معاویہ اُنکا مع زید پسر خود وفات پانا درحالیکہ زید اُن کے بطن سے نہ تھا محض ساختہ و موضوعہ ہے۔ یہ تنقیح بھی بحقِ مدعا علیہم مفید ثابت ہوئی۔

تنقیح ہجدہم

کیا عمر صاحب اپنی ازواج سے فی الواقع غیر معمولی فعل کرتے تھے اور بایں وجہ عورات اُن سے گھبراتی تھیں؟

تقریر وکیلِ شیعہ

عدالت پر ظاہر ہو چکا ہے کہ ام کلثوم دختر ابوبکر نے عمر کے پیغام دینے پر سخت ملال کیا اور اپنے تلف ہو جانیکی دعائیں مانگنے لگی جناب عائشہ بھی بہت گھبرائیں اور بتوسط عمرو ابن العاص اسکے دفعیہ میں تدابیر کرنے لگیں۔ اِس ہَل چَل اور گھبراہٹ کا جو کہ ام کلثوم دختر ابوبکر و عائشہ کے لاحق حال ہوئے ایک خاص سبب تھا اور وہ یہ کہ حضرتِ دوم کا یہ درپردہ فعل کہ وہ اپنی بی بیوں سے بطورِ معکوس طبیعت خوش کیا کرتے تھے عام طور پر مدینہ کی عورات میں روئی کی آگ ہو گیا تھا۔ لہذا عورتیں عموماً کانوں پر ہاتھ رکھکر کہا کرتی تھیں کہ بھیا خدا اِس جرجوے سے بچائے ٹوپی دار بندوقوں سے برچ لوڈن کا کام لیتا ہے (وہ بندوق جو پیچھے سے بھری جاتی ہے)۔

سجاد حسین بارھوی نے مسئلۂ لعنِ حریر کے متعلق جو رسالہ لکھا ہے اُس میں تفاسیر اہلسنت سے ثابت کر دیا ہے کہ بہ اتباعِ آیۂ النساءؔ حرث لکم حضرت عمر نے اپنی اہلیہ سے رات کو اُلٹ پلٹ کی اور صبح کو خود تمام مدینہ میں پھونک پھرے کہ میں نے ایسا کیا ہے۔ یہانتک کہ آنحضرتؐ سے بھی کہدیا کہ بندہ کو اس راستہ میں بھی از بس مشاق ہے۔ امّ کلثوم نے فرطِ حیا سے اِسکا ذکر نہ کیا۔ بمقتضائے کم سنی اندر ہی اندر گھٹا کی۔ امّ ابان کو جب عمر صاحب نے پیغامِ عقد دیا اُسنے بھی انکار کیا کہ میں تو اُسکی بی بی بنا نہیں چاہتی جو مانع خیر اور اُسکے مزاج کا جھگڑالو ہے۔ نیک مزاج و پاکیزہ خلق کو سب آدمی پسند کیا کرتے ہیں۔ حضرت امیرؑ کو پناہ بخدا کیا ضرورت لاحق ہوئی تھی کہ ایسے شخص سے جسکو عورات تک پسند نہ کرکے بُرے لفظوں سے یاد کرتی تھیں اور جس کی عادت فطرت کے خلاف پر جاری ہوئی تھی اپنی لڑکی کے رشتہ کو پسند کرتے۔

رائے عدالت

استغفر اللہ مملکتِ اسلام کا جلیل القدر خلیفہ ایسے افعالِ قبیحہ کا مرتکب ہوتا تھا اور اپنی ازواج سے وہ الٹ پلٹ کرتا تھا کہ پناہ بخدا۔ بشرطِ علم و آگاہی ایسے آدمی سے رشتہ کرنا وہی پسند کریگا جو اُسکا ہم خصائل ہو۔ عوراتِ مدینہ جو اُنکے نام سے گھبراتی تھیں حق بجانب تھا۔ کوئی عورت اس فعل سے بہ طیبِ خاطر کبھی خوش نہیں ہو سکتی۔ مجبوری اور شوہر کی خاطر داری دوسری چیز ہے۔

سوال عدالت از وکیل مدّعیان

اس وقت تک اٹھارہ تنقیحات پر میرے سامنے جانبین کی بحث پیش ہوئی۔ نتیجہ بالکل آپکے خلافِ مدعا برآمد ہوا۔ مقدمہ میں امر اہم خلفاؔ و اہلبیتؑ کا اتحاد تھا جو بالکل غیر ثابت ہے۔ عقد کے متعلق جو روایات آپ نے دکھلائیں وہ ایسی لایعنی و بےمعنی ہیں کہ جنکے سُننے کو طبیعت گوارا نہیں کرتی۔ بجائے موافقت و موالات اُن کے معائنہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امیرؑ پر نہایت بیجا دباؤ ڈالا گیا۔ بہ ایں ہمہ منکوحہ کی عمر کا جو

ثبوت دکھلایا گیا ہے وہ کسی طرح یہ نتیجہ نہیں پیدا کر سکتا کہ وہ لائق زادو ولد ہو۔ بلکہ اُسکا نا قابلِ ہم بستری ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ پس تنقیحاتِ متذکرہ سے ایک تنقیح بھی آپ کے موافق نہیں ہوئی۔ تمام مخالف ہیں۔ آپ اگر خاندانِ نبوت و خلفار کا باہدگر موافق ہونا عدالت کو دکھلادیں تو بلا ثبوت بھی خلیفۂ دوم کے ایمان کی ڈگری دی جاسکتی ہے۔ ورنہ نہیں۔ آپ کو ایک ہفتہ کی مہلت ہے۔ مدتِ معینہ تک عرضیدعوے کے موافق یہ بات دکھلائیے کہ حضرتِ امیرؑ نے نہایت خوشدلی سے بہ رغبتِ طبیعت خلیفۂ دوم کو لائق دامادی سمجھ کر نکاح کر دیا۔ سوائے ازیں جو کچھ پیش کروگے وہ نامسموع سمجھا جائیگا۔

بیانِ وکیل مدعیان بعد مدتِ مقررہ

میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ اپنے مؤکلوں کے بتائے ہوئے ثبوت کے پیش کرنے سے کوئی تنقیح مفید نہیں ہوئی۔ سب نے اُلٹا اثر دکھایا۔ جس بنا پر عرضی دعویٰ داخل کیا گیا تھا اُس میں سے ایک امر بھی میرے موکلوں کو فائدہ رساں نہیں ہوا۔ اگر قبل از رجوعِ دعوائے مجھ کو اپنے موکلوں کا کس بل معلوم ہوتا تو کبھی ایسا بے سرو پا عرضی دعوائے داخل نہ کرتا۔ مگر چونکہ آخر تنقیح علمائے شیعہ کے اقرار سے متعلق ہے لہذا اُسکا اثبات و استرداد دیکھکر رائے قائم فرمانی چاہیئے۔ مجھے اجازت دی جائے کہ علمائے شیعہ نے جو اقرارِ نکاح کیا ہے اُسکو پیش کروں۔

حکم عدالت

اچھا وہ بھی دکھلائیے۔

تنقیح نوزدھم

علمائے شیعہ کو جو کہ قریب العہدِ ائمہ تھے انکار از عقد رہا ہے یا کہ اقرار۔ اور جن لوگوں نے تسلیم کیا وہ الزامی طور سے یا کہ واقعی۔

بیانِ غلام معاویہ وکیل مدعیان

وکیل مدعی کا پہلا ثبوت۔ سید مرتضےٰ علم الہدےٰ جو کہ شیعہ کے بڑے معتمد عالم

تھے۔ وہ کتاب تنزیہ الانبیاء میں لکھتے ہیں۔ امّا نکاحہ فقد ذکرنا فی کتاب الشافی الجواب عن ھذا الباب مشروحًا وبیّنا انّہ علیہ السّلام ما اجاب عمر الی نکاح ابنتہ الا بعد توعد وتھدد ومراجعۃ ومنازعۃ وکلام طویل ماثور اشفق معہ من سوء الحال وظھور لا یزال یخفہ خلاصۂ کلام یہ ہے۔ سیّد مرتضےٰ لکھتے ہیں کہ جواب اس اعتراضِ نکاح کا ہم اپنی کتابِ شافی میں مفصّل و مشرّح دے چکے ہیں کہ یہ عقد بخیالِ انسداد فتنہ و فساد بعد مواعید شدید و تہدید واقع ہوا تھا۔ اس بیان سے میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ عالمِ شیعہ کا اقرار وقوعِ عقد کا نتیجہ بخش ہے۔

جوابِ نثار پنجتن وکیلِ شیعہ

اوّل میں کتاب تنزیہ الانبیاء کی حقیقت عرض کرتا ہوں۔ زاں بعد استدلالِ مخالف کا جواب دونگا۔ علمائے فرقۂ مدعیان نے بنظرِ براءتِ خلفاءِ ثلثہ انبیاء کی خطائیں ثابت کرکے دکھلایا ہے کہ اگر شیخین وغیرہ سے بعض سوءِ عملیاں و بے اعتدالیاں ہوئیں تو وہ معصوم نہ تھے۔ انبیاء جن کی عصمت پر اتفاق ہے لغزش سے خالی نہیں رہے۔ جو دلائل کہ بہ ثبوتِ بدعملی منجانبِ عقائدِ مدعیان پیش ہوئی ہیں اُنکو بہ لفظ تخطیۃ الانبیاء بولا جاتا ہے۔ چونکہ مخالفین نے معصومین پر الزام لگائے تھے لہذا ہمارے عالم نے بذریعۂ کتابِ مستطاب تنزیہ الانبیاء اُن تمام الزامات کو نبیوں کی ذواتِ قدسیہ سے اُٹھا کر ثابت کر دیا کہ جو عیوب اُنپر چسپاں کیے گئے ہیں وہ وسوسۂ محض ہیں۔ بہ ایں حیلہ ثلثہ کی گردن سے اُن جرائم کی رسّی نہیں نکل سکتی جو کہ بہت مضبوطی کے ساتھ ڈالی گئی ہے۔ ان لوگوں کا قاعدہ ہے کہ خدا و رسولؐ پر دھبہ لگ جائے مگر انکے پیشوا بچ جائیں۔ آج تک ممکن نہیں ہوا کہ کتابِ موصوف کے دلائل و وجوہات کو یہ لوگ اُٹھا سکیں۔ بعد ازاں میں امرِ تنقیح طلب پر عدالت کی توجہ سماعت مبذول کرنا چاہتا ہوں۔ علمائے شیعہ کو قاطبتہً وقوعِ عقد سے انکار رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضراتِ اہلسنّت بہ ثبوتِ اتحاد اُن روایاتِ واہی و بے سروپا کے اعتبار سے جن کو عدالت نے قبل ازیں سُنا ہے شیعہ کو غیرت دلانے کیلیے پیش

کرتے رہتے ہیں۔ شیخ مفید علیہ الرحمہ جنکے محامد و فضائل علمائے مدعیان نے بیش از بیش بیان کیے ہیں اور جو کہ سید مرتضٰے علم الہدیٰ کے جنکے بیان پر وکیل صاحب نے استدلال کیا ہے اُستاد تھے۔ اور ائمہ علیہم السلام کا زمانہ اُن سے قریب تھا وہ بہ اقرار معتمدین اہلسنت قطعی طور پر انکار عقد کرتے تھے۔ چنانچہ ترجمۂ صواعق محرقہ کے صفحہ ۱۵۹ پر لکھا ہے (زیادہ شد تعجب من از اہلِ زمانِ خود کہ انکارِ تزویج عمر بہ امِ کلثوم می کنند۔ یہ واقعہ صاف بتلا رہا ہے کہ ابنِ حجر مکی مصنفِ صواعقِ محرقہ کے زمانہ میں اور اُن سے پہلے گروہِ شیعہ کو واقعۂ عقد سے انکار تھا مولوی حیدر علی صاحب فیض آبادی ازالۃ الغین کے صفحہ ۹۵۹ پر فرماتے ہیں (نور الدین حسینی می گوید عجب دارم از روافض کہ روایاتِ اہلبیت و افاداتِ شان کہ عقل و نقل آنرا مؤید است و قرآن و حدیث تاسیس آں می کند ہرگز بگوش جانمی دہند و نقل دین و ایمانِ خود را بہ روایاتِ چندیں از ابالسہ و دجاجلہ کہ نقیضِ ایں احادیث (احادیثِ عقد) است حوالہ می کنند)

نتیجہ ان عبارات کا صریحی و ظاہری یہ ہے کہ شیعہ کو عقدِ امِ کلثوم سے بالمرہ انکار رہا ہے۔ اور روایاتِ اہلبیت متناقض قضیہ عقد کتبِ شیعہ میں موجود ہیں۔ اگر نکاح امِ کلثوم کی روایات بطریق صحیح کتب شیعہ میں وارد ہوئی ہوتیں تو ممکن نہ تھا کہ شیخ جیسے عالی مرتبہ عالم جو کہ قریب العہد ائمہؑ تھے اُسکے وقوع سے انکار فرماتے اور نہ نور الدین کو انکارِ شیعہ پر تعجب آتا ہے پس جس طرح کہ قدیم الایام سے علماء و غیر علماء انکار کرتے چلے آئے ہیں وہی حالت اب بھی ہے۔ تمام عالم کے شیعہ کو ایک وقت میں اگر جمع کر کے پوچھا جائے تو سوائے انکار کے ایک شخص کو بھی اقبال نہوگا۔ ایک حقہ تنقیح جس میں ذکر انکار ہے پورا ہوگیا۔ اب اُسی عبارت کا جواب دیتا ہوں جو کہ سید مرتضٰے علیہ الرحمہ کی پیش کی گئی ہے۔ تحریر سید صاحب کا یہ منشا نہیں کہ وہ تحقیقاً وقوعِ عقد کے مقر ہیں کیونکہ اُنکے اُستاد شیخ مفید علیہ الرحمہ جبکہ اُس سے انکار کرتے ہیں تو ممکن نہیں کہ شاگرد خلافِ اُستاد اقرار کرے۔ سید صاحب

کا بیانِ متذکرہ اُس شخص کے مقابلہ میں ہے جو کہ عقد کو دلیلِ اتحاد قائم کر کے برسرِ مخاصمہ ہوا تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہرگاہ بذریعہ اِس نکاح کے فریقین کی دوستی ثابت کرنا چاہتے ہو تو یہ مدعا ہرگز حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نکاح کا وقوع بربنائے خلوص و رضامندی نہیں ہوا بلکہ تہدید و تنبیہ و زجر و تعدی کے بعد جیسا کہ تمہاری روایات سے بھی ثابت ہے۔ ایسے معاملہ سے نہ خلیفہ با ایمان مانے جا سکتے ہیں اور نہ صحتِ خلافت کے لیے یہ حجت ہو سکتا ہے گویا کہ سید صاحب نے انتہائے بلاغت سے اپنے خصم کے منہ کا بخیہ رشتۂ کلام سے کیا ہے۔ اگر وکیل صاحب کوئی ایسا ثبوت پیش فرماتے جس سے حضرت امیرؑ کی رضامندی پائی جاتی تو لائق نظر تھا اور جبکہ تحریر مستدلہ انتہا درجہ کے جبر و شدت کو بہ مثل روایات مدعیان ثابت کر رہی ہے تو سوائے ندامت کیا نتیجہ مل سکتا ہے۔ کچھ سید صاحب ہی پر موقوف نہیں۔ میں بھی یہی کہتا ہوں کہ جو نکاح دھمکی دیکر اور خوفِ نقصان دلا کر حضرت عمر نے کیا۔ اُس سے اُنکو مفادِ آخرت اور شرفِ مصاہرت کیا ملا۔ مفید اسوقت ہوتا کہ اِدھر عمر صاحب پیغامِ عقد دیتے اُدھر حضرتِ امیرؑ یہ سمجھ کر کہ دوست کی فرمائش کو رد نہ کرنا چاہیے۔ آرندہ پیغام کے سامنے میٹھے چانولوں کا طباق رکھتے۔ جانبین کی خواہش و رضامندی سے نکاح ہوتا تب وکیل صاحب کو یہ کہنے کا بہت اچھا موقع ملتا کہ دو جنے راضی تو کیا کریگا قاضی۔ جبکہ علیؑ نے غایتِ رضامندی سے نکاح کر دیا تو شیعہ کیوں آنکھ چراتے ہیں۔ اگر غیر مذہب والے کے سامنے یہ قضیہ پیش کیا جائے کہ ایک بادشاہ نے اپنی رعایا سے کہا کہ تم اپنی بیٹی کا عقد مجھ سے کر دو۔ اوّل اُسنے عذر کیا کہ وہ کم عمر ہے۔ اور میں نے اپنے خاندان میں اسکی نسبت کر رکھی ہے۔ بجواب سلطانِ مذکور کہے کہ جس جگہ اُسکا ذکر مذکور ہوا ہے وہاں سے قطع کر کے مجھ سے بیاہ دو ورنہ تمکو سخت اذیت دونگا۔ اور فلاں آدمی جو تمہارے ہاتھ میں ہے وہ نکال لونگا۔ اگر سلطانی دباؤ سے رعایا اُسکی خواہش کو پورا کر دے تو کون عقل کا دشمن یہ کہہ سکتا ہے کہ دولہا اور خسر میں اتحاد تھا۔ ہندوستان میں اسکی مثال موجود ہے۔ ابتدائے سلطنت میں بحالتِ غلبہ جب

مسلمانوں نے راجپوت یا دیگر ہنود کو مجبور کرکے اُن کی بیٹیاں لیں تو کیا عقل تسلیم
کر سکتی ہے کہ ہندوؤں نے دامادوں کو اُسی پیاری نگاہ سے دیکھا ہوگا جیسا کہ اپنے
ہم قوم کو دیکھا کرتے ہیں۔ سیّد صاحب نے جو شافی میں لکھا ہے وہی تمام شیعہ
کہتے ہیں۔ اور قیامت تک کہے جائینگے کہ جبر و کراہت و بیدلی و شدّت و تعدّی
سے اہلسنّت اِس عقد کے مدعی ہیں۔ اور اسی عنوان کو ہم تسلیم کرکے اقرارِ عقد
کرتے ہیں جس سے ناکح کو سوائے مظلمۂ آخرت کوئی دینی فائدہ نہوگا۔ تنزیہ الانبیاء سے
جو عبارت وکیل صاحب نے پیش کی ہے اُسکا فقرۂ آخر جو کہ غیر مفید و بیخ کن مطلب
تھا شیرِ مادر سمجھ کر ہضم کر گئے۔ وہ یہ ہے والخلاف فیہ مشہور یعنی مابین سنّی و
شیعہ جو دربارۂ نکاح اختلاف ہے وہ مشہور ہے۔ یہ فقرہ صاف کہ رہا ہے کہ
ہر دو گروہ میں جو اختلاف درباب وقوع وغیر وقوع ہے وہ ایسا مشہور ہے کہ
حدِ تواتر کو پہنچا ہوا ہے۔ مطلب تمام تحریر سیّد صاحب کا یہ ہوا کہ سنّی زجر و تنبیہ سے عقد
کا ہونا بیان کرتے ہیں اور شیعہ کا اعتقاد اسکے خلاف ہے یعنی یہ کہ نہ جبر ہوا اور نہ
نکاح۔ صرف سنّیوں نے بات بنائی مگر نہ بن سکی۔ سوائے ازیں رسالۂ دلائل الاحکام
سے انہی سیّد صاحب کا ایک ارشاد دکھلاتا ہوں کہ جس سے صاف طور پر سمجھ لیا جائیگا
کہ وہ اور نیز جملہ علمائے شیعہ اعتراضات عقد کے فرضی طور پر جواب دہ ہوئے
ہیں۔ چنانچہ کتاب مذکور میں لکھا ہے واما ما وقع من النبیین والائمہ من تزویجہم
بعد فرض حقیقتہ یعنی نبیؐ و ائمہؑ نے جو منافقوں سے اپنی لڑکیوں کا نکاح کیا ہے اُسکا
جواب بعدِ فرض دیا جاتا ہے۔ شیعہ ثلٰثہ کو منافق بتلاتے ہیں اور مدعی صاحبان مومن
کہتے ہیں۔ بہ ثبوتِ مومنیت جنابِ عمر و عثمان وہ یہ حجّت لاتے ہیں کہ اگر وہ منافق
ہوتے تو نبیؐ عثمان سے اور علیؑ عمر سے اپنی بیٹی کیوں بیاہ دیتے۔ شیعہ قطعی منکر ہیں
کہ عثمان سے دخترانِ نبیؐ کا عقد نہیں ہوا۔ جو دو لڑکیاں زینب و رقیہ اُن سے بیاہی گئی
تھیں وہ حضرت خدیجہؑ کے شوہرِ اوّل کے نطفہ سے تھیں۔ یہی لڑکیاں پہلے کفارِ قریش
کی زوجیت میں رہ چکی تھیں۔ (عتبہ و عتیبہ پسرانِ ابولہب) اگر عثمان سے بھی اُنکا

عقد ہوا تو سوائے اسکے خلیفۂ ثالث کو کیا شرف ملا کہ دو کافروں کے ہم زلف ہوئے
علاوہ ازیں بہت جواب دیے گئے ہیں۔ جو کہ اصل کنز مکتوم و کتاب تحفۃ الاثنا عشریہ میں
بتفصیل موجود ہیں۔ یہی کیفیت امّ کلثوم کے معاملہ کی ہے جس کی طرف سیّد صاحب نے
بغرض تحقیق اشارہ کیا ہے۔ وکیل صاحب جناب سیّد صاحب کی عبارت سے سوائے
خجالت وندامت کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ واہ۔ دعوےٰ یہ کہ حضرت امیرؑ نے خوشدلی
وفرطِ محبت سے عمر کو لائق داماد ی سمجھ کر اپنی لڑکی کا نکاح کیا۔ اور ثبوت یہ نور بھرا کہ
جس سے ہوائے انکار ومخاصمت ہم فراج بادِ سموم ہو کر مدعیوں کا جسم شدتِ حرارت
سے پھونکے دیتی ہے۔ وکیل صاحب پُرانی وضع کے سست مولے ہیں جسقدر
ثبوت آپنے پیش فرمایا ہے وہ سب عرضی دعوے کے خلاف ہے۔ نہ معلوم آگے کیا
پتھر ڈالینگے۔

وکیل مدعی کا دوسرا ثبوت

قاضی نور اللہ شوشتری جو کہ مدعا علیہم کے بڑے ذی عزت عالم ہیں مجالس المومنین میں
لکھتے ہیں (اگر نبیؐ دختر بہ عثمان داد ولی دختر بعمر فرستاد) اس بیان سے ثبوتِ عقد
بہت وضاحت سے ملتا ہے۔

جواب وکیل مدعا علیہم

قاضی صاحب علیہ الرحمہ کی عبارت پیش کرنے سے نہ معلوم وکیل صاحب کیا فائدہ
سمجھتے ہیں۔ اگر بلا غور وتامّل بنظرِ سرسری بھی دیکھا جائے تو عجب پُر مغز کلام سے
صاحبِ مجالس المومنین نے انکارِ عقد کیا ہے۔ میں اوّل عرض کر چکا ہوں کہ مدعی
صاحبان نے حضرتِ زینب ورقیّہ دختران ربیبۂ جنابِ رسوؐل کو اصلی بیٹی قرار دیکر
عثمان کو آنحضرتؐ کا دامادِ حقیقی مثلِ جنابِ امیرؑ قرار دیا ہے۔ اور شیعہ کو اُس ہی قدیماً و
جدیداً انکار رہا ہے۔ لہذا قاضی صاحب بجوابِ معترض فرماتے ہیں کہ ہرگاہ بقول
تمہارے نبیؐ نے عثمان کو دختر دی تو ولی نے عمر سے قرابت کی۔ عثمان تمہارے
نزدیک بھی عمر سے ہزاروں نمبر گھٹے ہوئے تھے۔ پس جبکہ نبیؐ نے محرق القرآن و

تابع مروان کو بیٹیاں دیں تو علیؓ نے ایسے شخص سے لڑکی کا عقد کیا جو کہ سر گروہ ثلثہ تھا۔ اس میں علیؓ کی اہانت کیا ہوئی جس سے تم شیعہ کا منہ چڑاتے ہو۔ اگر کسی منافق و مشرکِ ظاہری سے ایسا کیا جاتا تو لائق مذاق تھا۔ عدالت ملاحظہ فرمالے کہ قاضی صاحب نے پہلے لفظ اگر فرمایا ہے جو کہ بمقام شرط بولا جاتا ہے مطلب یہ ہوا کہ نہ نبیؐ نے ایسا کیا اور نہ علیؓ نے۔ قاضی صاحب کے نزدیک اگر زینب و رقیہ آنحضرتؐ کی صلبی بیٹیاں ہوتیں اور علیؓ نے ام کلثوم کا نکاح عمر صاحب سے کیا ہوتا تو (اگر) نہ کہتے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ تمام تر تقریر بفرض کی گئی ہے۔

ہمارے علماء نے اور نیز ہم لوگوں نے جو کہ خاکِ پائے غلامانِ علماء ہیں یہ وتیرہ اختیار کر لیا ہے کہ بمقابلہ اہلسنت فرضاً عقد کو تسلیم کر کے اُنہی کی روایات سے ایسا ساکت و مجوج کرتے ہیں کہ پھر نام نہیں لیتے۔ حکایۃً ایک چشم دید واقعہ بیان کرتا ہوں۔ ریاست رامپور میں ایک بزرگ سید واجد علی ساکن علیگڑھ گرداورِ قانونگو ہیں۔ اُنکے بڑے بھائی میر حامد علی صاحب سے اسی عقد کے متعلق وہاں گفتگو تھی میر حامد علی صاحب موصوف سے میں نے عرض کیا کہ براہ مہربانی پہلے اپنے مذہب کی روایات کو دیکھیے۔ پھر اسکو پیش کیجیے۔ جناب مولوی خلیل احمد کی ہدایات الرشید اُسی وقت ایک جگہ سے منگائی گئی۔ اُس میں لکھا تھا کہ حضرت امیرؑ نے اپنی چھوکری کو بغرض پسند بھیجدیا۔ اُنہوں نے اُسکے منہ سے چادر ہٹائی۔ منہ چوما۔ سید صاحب گو کہ سُنی تھے۔ مگر بہرحال کچھ اثرِ سیادت بھی تھا۔ لرز کر کہدیا کہ اس کتاب کو بند کر دو۔ میرا قلب اس مضمون کے سننے کی اجازت نہیں دیتا۔ علاوہ ازیں ایک اور بات دکھلاتا ہوں جس سے عثمان صاحب کا دامادِ نبیؐ ہونا باطل ہوتا ہے۔ قاعدہ ہے کہ ہر شخص بمقامِ فخر اُسی بات کو پیش کرتا ہے کہ جس میں بے عدیل ہو۔ اور اگر ایسی صفت میں کوسِ انانیت بجائے اور دعوائے فردیت کرے کہ جس میں اُسکے ساتھ اور لوگ بھی شارکت رکھتے ہوں تو ایسا دعوے کرنیوالے کو کوئی احمق بھی عاقل نہ کہیگا۔ قرآن پاک میں جو یہ آیت وارد ہوئی ہے بجعلہ نسباً و صھراً اسکی نسبت حضرت امیرؑ فرماتے ہیں کہ سوائے

میری ذات کے تمام عالم میں اور کوئی شخص اس آیۂ مبارکہ کا مقصود نہیں ہو سکتا کیونکہ میں ہی ایک شخص ہوں جسکو آنحضرتؐ سے شرفِ نسب و صہر (خسر و دامادی) حاصل ہے مجھ سے سوا اگر کوئی ایسا دعوے کرے وہ کاذب و گمراہ ہے۔ چونکہ رقیہؓ و زینب بعد از جدائی کفار عثمان سے بیاہی گئیں تو وہ بقولِ مدعیان نبیؐ کے بڑے داماد ہوئے اور طرّہ برآں یہ ہوا کہ دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے بیاہی جانے سے ذوالنورین کہے گئے ہیں۔ درحالیکہ حضرتِ عثمان نبیؐ کے بڑے داماد ڈبل درجہ کے ہوچکے تھے تو علیؑ کا یہ مقامِ فخر صہرِ (داماد) رسولؐ پر دعوائے یکتائی کرنا سراسر بیجا نظر آتا ہے۔ میری دانست میں کوئی مسلمان گو بہ باطن کچھ خیال رکھتا ہو مگر بظاہر حضرت امیرؑ کی نسبت لغو و غلط دعوے کرنیکا اقرار نہ کریگا۔ اندریں حالت خود حضرتِ امیرؑ کے ارشاد سے ثابت ہوگیا کہ نبی کی صلبی بیٹی فقط جنابِ سیدہؑ تھیں۔ اگر اور کوئی ہوتی تو حضرت امیرؑ کبھی ایسا بلند دعوے نہ کرتے۔ دنیا کا یہ بھی قاعدہ دیکھا جاتا ہے کہ بڑی اولاد بمقابلہ چھوٹی اولاد کے زیادہ معزز سمجھی جاتی ہے۔ کتب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زینب و رقیہ کی شان میں کوئی حدیثِ فضیلت نہیں ہے۔ جس طرف دیکھیے سیدہ موصوفہ کی تعریف میں انبارِ احادیث نظر آتا ہے۔ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانیِ مدرسۂ دیوبند نے بھی رسالہ ہدایۃ الشیعہ مؤلفۂ خود میں اقرار کیا ہے کہ اُن کے فضائل کا ذکر کسی حدیث میں نہیں۔ عدالت ملاحظہ فرمائے کہ فاطمہ ہی کی اذیت کو آنحضرتؐ نے اپنی اذیت فرمایا۔ اُنہی کی دشمنوں پر نفرین کی۔ اُنہی کی اولاد کو اپنی اولاد قرار دیا۔ اُنہی کی تعظیم فرماتے تھے۔ اُنہی کا عرشِ اعلیٰ پر نکاح ہوا۔ وہی ایسی عالی مرتبہ تھیں جنکی ملائک نے چکی پیسی۔ اور حوروں نے خدمتِ دایہ گری کی۔ تعجب ہے کہ چھوٹی بیٹی کی یہ عزت اور بڑی بیٹیوں کا ذکر تک ندارد۔ قاضی صاحب نے اسی واسطے انتہائے متانت سے فرمایا ہے کہ اگر نبیؐ نے بیٹیاں دیں تو علیؑ نے بھی دیں۔ مراد یہ ہوئی کہ جیسے ازواجِ عثمان نبیؐ کی صلبی لڑکیاں نہ تھیں ایسے ہی امّ کلثوم علیؑ کی نہ تھیں۔ بلکہ ابوبکر کی۔ قاضی صاحب کا یہ اقرار جملۂ شرطیہ کے ساتھ صریحًا بطورِ فرض

ہے نہ کہ اقرار بہ امر واقعی۔

وکیل مدعی کا تیسرا ثبوت

قاضی نوراللہ شوشتری مجالس المومنین میں لکھتے ہیں کہ ابوالحسن علی ابن اسمٰعیل سے چند مسائل کسی نے پوچھے۔ ازآنجملہ عقدِ ام کلثوم کا بھی استفسار تھا۔ اُنھوں نے یہ جواب دیا کہ (دادنِ دختر بہ عمر کہ جناب امیرالمومنین را اتفاق افتاد بہ ایں جہت بود کہ اظہارِ شہادتین می نمود و زبانِ اقرار بہ فضیلتِ رسولؐ می کشود و در آں بابِ غلظت و فظاظت او نیز منظور بود) یہ عبارت صاف کہ رہی ہے کہ وقوعِ عقد کا اقرار ابوالحسن عالم شیعہ کو ہے۔

جواب نثار پنجتن وکیل شیعہ

شیخ ابوالحسن جنکے حوالہ سے عبارتِ بالا بیان کی گئی ہے ہمارے علماء میں اعلےٰ درجہ کے شخص گزرے ہیں۔ اور نہایت دقیقہ سنج و نکتہ رس و جدید الطبع و صاحبِ فہم سلیم تھے۔ علمِ مناظرہ میں اُنکو اعلےٰ درجہ کی دستگاہ تھی۔ دو باتوں میں مخالف کا مُنھ ایسا بند کر دیتے تھے کہ گویا سیر بھر رُوئی ٹھونس دیا۔ عدالت پر آئندہ ظاہر ہو جائیگا کہ یہ جواب کیسا متانت سے بھرا ہوا ہے قبل از ردّ و قدح نقلِ عبارت میں جو وکیل صاحب نے خیانتِ مجرمانہ کر کے ہمرنگ مدعائے خود کیا ہے اسکا حال عرض کرنا چاہتا ہوں تاکہ اقتدارِ وکالت ظاہر ہو جائے۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ وکیل صاحب بذاتہٖ تو کوئی چیز نہیں جیسا کچھ لوگوں سے سُن سُنا لیا ہے۔ وہ کہہ دیتے ہیں مولوی مہدی علی صاحب محسن الملک کی آیاتِ بینات سے کل باتیں متعلق بہ مجالس المومنین متذکرہ صدر ذیفہم وکیل نے پیش کی ہیں۔ مولوی صاحب موصوف نے بھی مولوی حیدر علی صاحب فیض آبادی کی تالیفات میں جو دیکھا تھا لکھدیا اور کچھ باتیں بزورِ طبیعت خود اضافہ کیں۔ اصل خیانت کرنیوالے حضرت فیض آبادی ہیں۔ وہ قوم کے موچی تھے۔ باپ دادا جوتیاں گانٹھکر اوقات بسر کرتے تھے۔ خود لکھ پڑھکر مولوی صاحب ہو گئے خاندان کا اثر کہاں جاتا ہے۔ بزرگ چمڑا کاٹتے تراشتے تھے۔ اُنھوں نے کتابوں میں کتر بیونت

شروع کردی ہیں مجالس المومنین چھاپہ طہران سے صحیح صحیح نقل پیش کرکے عدالت پر ثابت کیے دیتا ہوں کہ قاضی صاحب کی اصل عبارت کیا ہے اور حیدر علی صاحب نے اس میں کیا تراش خراش کی ہے۔

اصل عبارت مجالس المومنین

اظہارِ شہادتین می نمود بزبان و اقرار بفضلِ حضرتِ امیرؑ می کرد و در آں باب اصلاحِ غلظت و فظاظت او نیز منظور بود و ایں قضیہ شدید تر از آں نبود کہ حضرتِ لوطؑ پیغمبر عرضِ دختران بر قوم کافرے نمود بمضمونِ آیۂ کریمہ هٰؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ حیدر علی صاحب نے بمقتضائے خیانت جو اصل عبارت سے اختلافِ لفظی کیا ہے اُسکو ظاہر کیا جاتا ہے تاکہ عدالت پر اصلیتِ معاملہ واضح ہو جائے۔ عبارتِ مجالس المومنین (اظہارِ شہادتین می نمود۔ بزبان و اقرارِ فضیلتِ حضرتِ امیرؑ می کرد) عبارت حیدر علی صاحب (اظہارِ شہادتین می نمود و زبانِ اقرار بہ فضیلتِ رسولؐ می کشود۔

تصریح تحریفِ اوّل بزبان کو وزبان لکھ کر فقرہ آخر سے ملحق کر دیا۔ تاکہ اُنکے حسبِ مدعا مطلب پیدا ہو جائے لفظ (بزبان) میں اُن کے لیے یہ خرابی تھی کہ عمر اقرار شہادتین محض زبان سے کرتے تھے نہ قلب و جنان سے۔

تصریح تحریف دوم۔ اقرار بہ فضلِ جنابِ امیرؑ می کرد۔ اس فقرہ سے لفظ جنابِ امیرؑ کو ساقط کیا اور بجائے اُسکے رسولؐ قائم کیا۔ ہر چند کہ حیدر علی صاحب نے خیانت میں پوری کوشش کی مگر پھر بھی ناکافی رہی۔ کیونکہ جو شخص اقرارِ شہادتین کریگا وہ لامحالہ آنحضرتؐ کی رسالت کا قائل ہوگا کیونکہ شہادتین وحدانیت خدا و تصدیق رسالت کا نام ہے۔ اندریں صورت یہ فقرہ زائد و فضول و بےمعنی ہو گیا۔ اور حضرت امیرؑ کی فضیلت کا مقر تھا یعنی مثل خوارج و نواصب اعلانِ عداوت نہ کرتا تھا۔ فقرہ افضلیت رسولؐ دیگر وجوہ سے بھی باطل ہے کیونکہ مفضول کے لیے فاضل کی ضرورت ضروری ہے۔ رسولِ پاک کے مقابلہ میں کون ایسا شخص تھا جو کہ فاضل قرار دیا جاتا۔ کیا یہ کوئی کہ سکتا ہے کہ نبی صلعم ابوجہل یا عمرو و بکر سے افضل تھے۔ افسوس ہے کہ حیدر علی صاحب

نے فقرہ کی کاٹ تراش اور لفظوں کی چھیل چھال کرتے وقت یہ نہ سوچا کہ بالآخر کیا خرابی پیدا ہوگی۔ اقرار بہ فضل حضرت امیرمی کرد۔ یہ جملہ البتہ ہر نوع سے صحیح مانا جا سکتا ہے کیونکہ حضرت عمر بلکہ جناب ابوبکر اپنے مقابلہ میں حضرت امیرؑ کو بہمہ جہت اعلےٰ و افضل جانتے تھے۔ چنانچہ کتب اہلسنت میں حضرت ابوبکر کا یہ قول موجود ہے اقیلونی اقیلونی فلست بخیرکم وعلي فیکم۔ خلیفہ اوّل اپنے اہل جلسہ و یاران دمساز سے فرماتے تھے کہ اے یارو مجھ کو چھوڑدو چھوڑدو یعنی خلافت سے سبکدوش کردیں تمہارے لیے بموجودگی علیؑ بہتر نہیں ہوں۔ افسوس ہے کہ خلافت مآب ان گرم الفاظ میں حضرت امیرؑ کے ذی حق اور لائق خلافت ہونیکا اقرار کریں اور چلتے وقت چارج عمر کو دیجائیں۔ خود حضرت عمر کا لولا علیؑ لہلک عمر فرمانا حدِ تواتر سے گزرا ہوا ہے۔ غدیر میں جملہ صحابہ اور خصوص حضرت عمر نے جناب امیرؑ کو اپنا مولا مان لیا گو زبانی ہی تھا مگر اقرار افضلیت ضرور کیا۔ پس وکیل صاحب کا یہ فقرہ (وزبان اقرار بہ افضلیت رسوم حل می کشود) ہرگز قابل تسلیم نہیں۔ حیدر علی صاحب نے عبارت کی کاٹ چھانٹ میں کوئی کامیابی حاصل نہ کی بلکہ مرتکب جلسازی ہو گئے۔

تحریر مجالس المومنین (ودرآں باب اصلاح فظاظت وغلاظت او نیز منظور بود وایں قضیہ شدید تر ازاں بود کہ حضرت لوطؑ بنات خود را الےٰ آخرہ)

تحریر حیدر علی صاحب (ودرآں باب فظاظت وغلاظت او نیز منظور بود)

حیدر علی صاحب نے یہ فقرہ بالکل مہمل و بے معنی کر دیا۔ گویا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت امیرؑ کو منظور تھا کہ اس عقد سے یہ فظ و غلیظ ہو جائینگے۔ استغفراللہ لفظ (اصلاح) کو بالکل ہی اُڑا دیا۔ اور حضرت لوطؑ کے معاملہ کو قطعاً چھوڑا جس سے انتہا درجہ پر حضرت عمر کی رزالت ثابت ہوتی تھی۔ تمام عبارت مجالس المومنین کا مطلب یہ ہوا کہ اگر عمر سے علیؑ نے بقول تمہارے عقد کیا تو کیا قباحت شرعی لازم آئی۔

خدا و نبی کے منکر ظاہری نہ تھے اور حضرت امیرؑ کی فضیلت کے قائل تھے۔ حضرت لوطؑ نے تو بغرض ترک عادت لواطت کفار سے کہا تھا کہ تم اس خوئے بد کو چھوڑ دو اور میری بیٹیاں

سے جو کہ طاہر و عفیفہ ہیں دل خوش کرو۔ چونکہ عمر درشت طبیعت تھے اگر بایں طریقہ حضرت امیرؑ نے اُنکی مزاج کی اصلاح چاہی ہو تو کیا حرج لازم آتا ہے۔ اس تقریر سے حضرت عمر کے معائب بھی بیان کر دیے اور خصم کو ساکت بھی کر دیا۔ جناب دوم کا فظ و اغلظ ہونا ایسا صحیح واقعہ ہے کہ جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے۔ شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفا میں بحوالۂ صحیح ترمذی و مستدرک ناقل ہیں کہ جب ابو بکر نے فرمانِ خلافت عمر کے نام پر تحریر فرمایا تو صحابہ نے بمقام عذر عرض کیا کہ حضور آپ یہ کیا غضب کرتے ہیں۔ ایک تندخو بدمزاج کو سکہ و دوات دیکر ہمکو آفت میں مبتلا کرتے ہیں۔ یہ پہلے سے ایسے سخت طبیعت ہیں کہ سنبھالے سے نہیں سنبھلتے۔ دستارِ حکومت باندھکر تو اور بھی فرعون بے سامان ہو جائینگے۔ برائے خدا ان بھیڑ بکریوں کو ایسے چرواہے کے حوالے نہ کیجیے جسمیں خود گرگ منشی ہے۔ عبارت یہ ہے ان ابا بکر اذا حضرۃ الموت ارسل الی عمر لیستخلفہ وعلینا فظا غلیظا و لوقد ولینا افظ و اغلظ شہرستانی نے ملل و نحل میں لکھا ہے کہ جب ابو بکر نے عمر کو اپنا قائم مقام بنایا تو اہلِ مدینہ نے غل مچایا۔ ہر ایک خلیفہ صاحب کو بطور تشنیع کہتا تھا کہ ولیت علینا فظا غلیظا۔ یعنی ہم پر تم نے بدمزاج و جنگ جو کو مسلط کیا اسی مضمون سے ملتا ہوا کتاب ریاض النظرۃ میں ہے۔ عدالت ملاحظہ فرمالے کہ عمر کی خلافت و امامت سے اعلےٰ و ادنےٰ سب ناراض تھے۔ تاریخ خمیس میں لکھا ہے کہ طلحہ و زبیر وغیرہ معترض بہ خلافتِ عمر تھے لکن الحال میں حضرتِ علیؑ کا نام بھی لکھا ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ ازواجِ نبیؐ نے عمر کا نام ہی فظ و غلیظ رکھ لیا تھا۔ شیخ ابو الحسن صاحب نے کیا معقول تعریض کی تھی کہ اگر حضرت امیرؑ نے ایسا کیا تو کتنا فائدہ مقصود تھا کہ ایک بدخو درشت طبیعت خاندان نبوت کی صحبت سے نیک طبیعت ہو جائیگا۔ حیدر علی صاحب نے سارے واقعہ کو مجالس المومنین سے نہیں لکھا۔ کیونکہ اس میں سخت حقارت شیخین متصور تھی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ اسی محل نے جسنے کہ ذکرِ عقد کیا تھا یہ بھی شیخ صاحب سے پوچھا کہ حضرت امیرؑ نے ابو بکر کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نے فوراً جواب دیا کہ ہمارے اور تمہارے مسئلۂ امامت پر نزاع ہے

نے فقرہ کی کاٹ تراش اور لفظوں کی چھیل چھال کرتے وقت یہ نہ سوچا کہ بالآخر کیا خرابی پیدا ہوگی۔ اقرار بہ فضل حضرت امیرؑ می کرد۔ یہ جملہ البتہ ہر نوع سے صحیح مانا جا سکتا ہے کیونکہ حضرت عمر بلکہ جناب ابوبکر اپنے مقابلہ میں حضرت امیرؑ کو بہمہ جہت اعلےٰ و افضل جانتے تھے۔ چنانچہ کتب اہلسنت میں حضرت ابوبکر کا یہ قول موجود ہے اقیلونی اقیلونی فلست بخیرکم و علی فیکم۔ خلیفہ اوّل اپنے اہلِ جلسہ و یارانِ دمساز سے فرماتے تھے کہ اے یارو مجھ کو چھوڑ دو چھوڑ دو یعنی خلافت سے سبکدوش کرو میں تمہارے لیے بموجودگی علیؑ بہتر نہیں ہوں۔ افسوس ہے کہ خلافت مآب اِن گرم الفاظ میں حضرت امیرؑ کے ذی حق اور لائق خلافت ہونیکا اقرار کریں اور چلتے وقت چارج عمر کو دیجائیں۔ خود حضرت عمر کا لولا علیؑ لہلک عمر فرمانا حدِ تواتر سے گزرا ہوا ہے۔ غدیر میں جملہ صحابہ اور خصوص حضرت عمر نے جناب امیرؑ کو اپنا مولا مان لیا گو زبانی ہی تھا مگر اقرارِ افضلیت ضرور کیا۔ پس وکیل صاحب کا یہ فقرہ (و زبانِ اقرار بہ افضلیتِ رسولؐ می کشود) ہرگز قابلِ تسلیم نہیں۔ حیدر علی صاحب نے عبارت کی کاٹ چھانٹ میں کوئی کامیابی حاصل نہ کی بلکہ مرتکبِ جعلسازی ہو گئے۔

تحریر مجالس المؤمنین (و درآں باب اصلاح فظاظت و غلاظتِ او نیز منظور بود و ایں قضیّہ شدیدتر ازاں بود کہ حضرت لوطؑ بناتِ خود را الیٰ آخرہ)

تحریر حیدر علی صاحب (و درآں باب فظاظت و غلاظتِ او نیز منظور بود)

حیدر علی صاحب نے یہ فقرہ بالکل مہمل و بیمعنی کر دیا گویا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت امیرؑ کو منظور تھا کہ اس عقد سے یہ فظ و غلیظ ہو جائینگے۔ استغفراللہ لفظ (اصلاح) کو بالکل ہی اڑا دیا۔ اور حضرت لوطؑ کے معاملہ کو قطعاً چھوڑا جس سے انتہا درجہ پر حضرت عمر کی رزالت ثابت ہوتی تھی۔ تمام عبارتِ مجالس المؤمنین کا مطلب یہ ہوا کہ اگر عمر سے علیؑ نے بقول تمہارے عقد کیا تو کیا قباحتِ شرعی لازم آئی۔

خدا و نبیؐ کے منکرِ ظاہری نہ تھے اور حضرت امیرؑ کی فضیلت کے قائل تھے۔ حضرت لوطؑ نے تو بغرض ترک عادت لواطت کفار سے کہا تھا کہ تم اس خوئے بد کو چھوڑ دو اور میری بیٹیاں

سے جو کہ طاہر و عفیفہ ہیں دل خوش کرو۔ چونکہ عمر درشت طبیعت تھے اگر بایں طریقہ حضرت امیرؑ نے اُنکی مزاج کی اصلاح چاہی ہو تو کیا حرج لازم آتا ہے۔ اس تقریر سے حضرت عمر کے معائب بھی بیان کر دیے اور خصم کو ساکت بھی کر دیا۔ جنابِ دوم کا فظ و اغلظ ہونا ایسا صحیح واقعہ ہے کہ جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا ہے۔ شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفا میں بحوالۂ صحیح ترمذی و مستدرک ناقل ہیں کہ جب ابوبکر نے فرمانِ خلافت عمر کے نام پر تحریر فرمایا تو صحابہ نے بمقام عذر عرض کیا کہ حضور آپ یہ کیا غضب کرتے ہیں۔ ایک تندخو و بدمزاج کو سکہ و دوات دیکر ہمکو آفت میں مبتلا کرتے ہیں۔ یہ پہلے سے ایسے سخت طبیعت ہیں کہ سنبھالے سے نہیں سنبھلتے۔ دستارِ حکومت باندھکر تو اور بھی فرعون بے سامان ہو جائینگے۔ برائے خدا ان بھیڑ بکریوں کو ایسے چرواہے کے حوالے نہ کیجیے جسمیں خود گرگ منشی ہے۔ عبارت یہ ہے ان ابا بکر اذا حضرۃ الموت ارسل الیٰ عمر لیستخلفہ وعلینا فظّا غلیظا ولو قد ولیتنا افظ و اغلظ شہرستانی نے ملل و نحل میں لکھا ہے کہ جب ابوبکر نے عمر کو اپنا قائم مقام بنایا تو اہل مدینہ نے غل مچایا۔ ہر ایک خلیفہ صاحب کو بطورِ تشنیع کہتا تھا کہ ولیت علینا فظاً غلیظا۔ یعنی ہم پر تم نے بدمزاج و جنگ جو کو مسلط کیا۔ اسی مضمون سے ملتا ہوا کتابِ ریاض النظرۃ میں ہے۔ عدالت ملاحظہ فرمائے کہ عمر کی خلافت و امامت سے اعلےٰ و ادنےٰ سب ناراض تھے۔ تاریخ خمیس میں لکھا ہے کہ طلحہ و زبیر وغیرہ معترض بہ خلافتِ عمر تھے کنز العمال میں حضرتِ علیؑ کا نام بھی لکھا ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ ازواجِ نبیؐ نے عمر کا نام ہی فظ و غلیظ رکھ لیا تھا۔ شیخ ابوالحسن صاحب نے کیا معقول تعریض کی تھی کہ اگر حضرت امیرؑ نے ایسا کیا تو کتنا فائدہ مقصود تھا کہ ایک بدخو و زشت طبیعت خاندان نبوت کی صحبت سے نیک طبیعت ہو جائیگا۔ حیدر علی صاحب نے سارے واقعہ کو مجالس المومنین سے نہیں لکھا۔ کیونکہ اس میں سخت حقارتِ شیخین متصور تھی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ اسی کل نے جسنے کہ ذکرِ عقد کیا تھا یہ بھی شیخ صاحب سے پوچھا کہ حضرت امیرؑ نے ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نے فوراً جواب دیا کہ ہمارے اور تمہارے مسئلہ امامت پر نزاع ہے

ہم بہ دلائل شافیہ حضرت امیرؑ کا خلیفہ بلا فصل ہونا تمہاری کتب سے ثابت کرتے ہیں۔ پس اگر بقول آپ کے ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی گئی تو اس میں ابوبکر کو نقصان پہنچتا ہے۔ نہ کہ علیؑ کو۔ کیونکہ یہ مسئلہ اتفاقی ہے کہ جو امام جائز الاطاعت و واجب الاتباع پر تقدیم کریگا اسکی نماز باطل ہو جائیگی۔ چونکہ حضرت امیرؑ امام حقیقی تھے۔ اور ابوبکر اسکے خلاف لہذا آپ کی نماز صحیح ہوئی اور ابوبکر کی غلط۔ شیخصاحب نے جودتِ طبیعت سے یہ ایسے مسکت جواب دیے ہیں کہ نہ پہلے لوگوں میں کوئی جواب دسکا نہ اب قدرت رکھتا ہے۔ سوائے ازیں کچھ نہ بن پڑا کہ عبارت کو آدھا تیتر آدھا بٹیر کردیا۔

سوال عدالت از وکیل مدعیان

بحوالہ مجالس المؤمنین جو تم نے عبارت پیش کی تھی اُس میں یہ تحریف کیسی ہو؟ بزبان کو و زبان کیوں بنایا۔ جناب امیرؑ کے لفظ سے رسولؐ کا کیوں تبادلہ کیا۔ لفظ اصلاح کس لیے حذف کیا۔ حضرتِ لوطؑ کے مقولہ کو کیوں چھوڑدیا۔ اگر تمکو بجرم تحریف و اسقاطِ کلام فوجداری سپرد کردیا جائے تو اسکا کیا جواب رکھتے ہو؟

جوابِ غلام معاویہ وکیل مدعیان

(کانپتی ہوئی آواز سے) حضور میں نے مجالس المؤمنین کو نہیں دیکھا۔ آیاتِ بینات مولوی مہدی علی صاحب سے یہ پانچ چار اعتراض انتخاب کرکے پیش کیے تھے غلطی مہدی علی صاحب کی ہے۔ کہ انہوں نے حیدر علی کو سچا عالم باور کرکے بقولے نقل را چہ عقل بجنسہ لکھدیا۔ پہلے مجرم حیدر علی ہیں اور دوسرے مہدی علی۔ لیکن اب دونوں میں سے ایک بھی زندہ نہیں۔ عدالت مجھ کو معافی دے۔ میں آئندہ انکو مثل شاہ صاحب نامعتبر سمجھ کر کبھی انکے بھروسہ پر تقریر نہ کرونگا۔

رائے عدالت

چونکہ وکیلِ مدعیان کا اس میں کوئی ذاتی قصور نہیں۔ اُسنے بہ اعتبارِ اندراجاتِ کتبِ سابق عبارت پیش کی۔ قصوروار حیدر علی و مہدی علی صاحب ہیں لہذا وکیلِ مدعی کو

معافی دیجاتی ہے اور یہ بھی ہدایت کی جاتی ہے کہ اور جو کچھ ثبوت ہو وہ پیش کرے۔

وکیلِ مدعی کا چوتھا ثبوت

کتابِ کافی میں لکھا ہے عن زرارة عن ابی عبد اللہ فی تزویج امّ کلثوم فقال ان ذلک فرج غصبناہ یعنی امام جعفرِ صادق علیہ السلام سے درباب تزویج امّ کلثوم منقول ہے کہ یہ فرج ہم سے غصب کی گئی۔ اسکے متعلق مجھ کو چند باتیں عرض کرنی ہیں۔ اوّل یہ کہ نہایت تعجب معلوم ہوتا ہے کہ امام کی زبان سے ایسا مکروہ و خلافِ تہذیب کلمہ کیوں صادر ہوا جسکا زبان پر لانا کوئی شریف کبھی پسند نہیں کرسکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ زبانِ امام سے ہرگز یہ مذموم کلام صادر نہیں ہوا۔ علمائے شیعہ نے خود لکھکر منسوب بہ حضرت ابی عبد اللہ کر دیا ہے اور اگر فی الواقع یہ جملہ امام کا ہے تو معلوم ہوا کہ اُنکو شائستہ کلام کرنا نہ آتا تھا۔ اور مثل عوام الناس ایسے کلمات کہنے کو عادی تھے جنکو کوئی بھلا آدمی نہیں کہہ سکتا۔ دوم یہ کہ عقد کا ہونا ثابت ہوتا ہی سوم یہ کہ وکیلِ مدعا علیہم کو یہ روایت (چونکہ معتبر کتاب کافی کی ہے) ماننا لازمی ہے۔

جوابِ نثار یہ بخش وکیل شیعیان

میں اس کتابِ کافی کا کئی طرح پر جواب عرض کرتا ہوں۔ اوّل یہ کہ ہمارے مذہب میں جسقدر بھی کتبِ احادیث ہیں۔ اُن میں سے ایک کی نسبت بھی ہمارا یہ دعوے نہیں ہے کہ اُن میں جو کچھ بھی لکھا ہے بالکل صحیح اور تنقید یافتہ ہے۔ بسا مواقع پر ایک حدیث دوسری حدیث کے ناقص اور مخالف واقع ہوئی ہے۔ ہاں اگر بہ مثل مدعیان ہم اپنی کتب کو صحیح کے لفظ سے تعبیر کریں جیسے کہ وہ مسلم و بخاری وغیرہا کو صحاح کہتے ہیں تو ہر اندراج کا ماننا لازمی ہوگا۔ مدعیوں کا عقیدہ ہے کہ بعد قرآن یہ دونوں کتابیں نہایت صحیح و معتبر ہیں اور اُنکے مؤلفین نے ہر حدیث کی صحت میں اہتمام بلیغ کیا ہے۔ اطرافِ عالم میں پھر پھر اکر خوب جانچ پڑتال کی ہے۔ اُنکی جملہ احادیث پھٹکی پچھوڑی ہوئی ہیں۔ علمائے اہلسنت نے یہاں تک اُنکو معتبر سمجھا ہے کہ اگر کوئی شخص مثل قرآن سمجھ کر بخاری کی قسم کھائے تو اُسپر کوئی گناہ نہیں۔ ایسی ہی

کتابوں کی نسبت مولوی حیدر علی صاحب ازالۃ الغین میں لکھتے ہیں کہ اُن میں دو سو دس حدیثیں غلط اور نا معتبر ہیں۔ اسی بخاری اور ستر مسلم میں اور تیس کی غلطی دونوں میں مشترک ہے۔ جبکہ ایسی مسلمہ کتابوں میں اندراجات کی یہ حالت ہے تو ہم غیر منقدہ کتب کی نسبت عدم صحت کا عذر کرنے میں زیادہ احق و اولےٰ ہیں۔ وکیل صاحب پر لازم تھا کہ پہلے روایت کی صحت ثابت کرتے زاں بعد اپنا مطلب بیان فرماتے کتاب کافی اور دیگر کتب احادیث کی نسبت ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ مؤلفین کو جو کچھ رطب و یابس ملا وہ بلا تنقیح و تنقید لکھدیا۔ چونکہ یہ واقعۂ عقد بروئے روایات اہلسنت و شیعہ بالکل لغو و باطل ہے اور علمائے شیعہ کو قدیماً و جدیداً اس سے انکار رہا ہے جیساکہ عنقریب بیاناتِ علمائے شیعہ سے ظاہر ہونیوالا ہے اور اوپر ہو چکا بنا براں ایسی روایت کو جو کہ خلاف اجماع ہے ہرگز تسلیم نہ کیا جائیگا۔ بلکہ مطروح کے مرتبہ میں آجائیگی۔ جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ کا ارشاد جو کہ قریب العہدِ ائمہ تھے بحار الانوار میں بدیں خلاصہ نقل ہوا ہے کہ جو روایت متعلق بہ عقدِ ام کلثوم وارد ہوئی ہے وہ درجۂ ثبوت کو نہیں پہنچی۔ کیونکہ اُسکا راوی زبیر ابن بکار ہے جو کہ حضرت امیرؑ کا شدید دشمن تھا۔ وہ عدوئے خاندانِ نبوت بھی اپنے بیان میں مستقل نہیں مضطربانہ گفتگو کرتا ہے۔ کبھی کہتا ہے کہ یہ عقد حضرت علیؑ نے کیا۔ گاہے بیان طراز ہوا ہے کہ عباس نے بولایتِ خود کر دیا۔ کہیں کہتا ہے کہ جب عمر نے خوف دلایا اور تہدید کی اُسوقت یہ نکاح واقع ہوا ہے۔ ابن شہر آشوب نے کتاب مناقب میں انکار صریح اس واقعہ سے کیا ہے۔ قطب راوندی علیہ الرحمہ بھی اُسکے غیر صحیح ہونیکے قائل ہیں۔ سید مرتضےٰ علم الہدےٰ کا بیان اوّل بحث میں آچکا ہے۔ عدالت غور فرمائے کہ ایسی غیر منقح و غیر منقد روایت جو کہ اکابر علمائے شیعہ کے خلاف ہے کیونکر واجب التسلیم ہو سکتی ہے علاوہ بریں صرف ام کلثوم لکھا ہے۔ کوئی تصریح بنتِ علیؑ و فاطمہؑ کی نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت کی مراد اُسی ام کلثوم دخترِ ابوبکر سے ہو جو کہ بمعیتِ والدہ خود حضرت امیرؑ کے گھر رہتی تھی۔ اور بلا سماعتِ عذرِ کم سنی وغیرہ عمر نے حسب روایاتِ اہلسنت

اُس سے عقد کیا۔ چونکہ وہ لڑکی پروردۂ خاندانِ نبوت تھی اور عمر کا جو جبر و اصرار ہوا وہ ثبوت مندرجہ مسل سے ظاہر ہے۔ بدیں وجہ لفظِ غصب کا استعمال کیا گیا۔ دوم یہ کہ مناطِ دعوے یہ ہے کہ حضرتِ امیرؑ نے جناب عمر کو لائقِ دامادی سمجھ کر نہایت رضائے خاطر و خوشدلی سے عقد کر دیا۔ یہ بات وکیل صاحب اپنی کتابوں سے ہرگز ثابت نہیں کر سکے عدالت نے ایک ہفتہ کی مہلت اِسی واسطے عنایت فرمائی تھی کہ کوئی مزید ثبوت ثبتِ اتحاد پیش کریں اُسپر آپ نے ایسی روایت دکھلائی جس میں لفظ (غصبناہ) وارد ہوا ہے جو کہ قطعاً مبطلِ دعوئے ارتباط ہے۔ اگر روایت کو صحیح مان لیا جائے تو دعوے میں کیا قوت ہوتی ہے۔ حضرت عمر پر الزامِ جبر و ظلم و غصب عائد ہوتا ہے۔ مجبور و مظلوم ہونا کوئی عیب نہیں۔ ہمیشہ انبیاء و اولیاء پامالِ اشقیاء رہے ہیں۔ سوم لفظِ فرج ہے جس پر وکیل صاحب نے زیادہ شور مچایا ہے۔ اِسکی نسبت عرض کرتا ہوں مثل مشہور ہے کہ ہر ملکے و ہر رسمے۔ بعض ملک میں جو بات اچھی سمجھی جاتی ہے وہی دوسری جگہ معیوب خیال ہوتی ہے۔ علےٰ ہذا زبانی الفاظ ہیں کسی موقع پر ایک چیز کو کچھ بولا جاتا ہے۔ دوسری جگہ وہی شئے اور نام سے مشہور ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ملک والے دوسروں پر محض اختلافِ زبان کی وجہ سے قہقہہ لگایا کرتے ہیں۔ دہلی اور لکھنؤ کو دیکھیے۔ بعض الفاظ میں تذکیر و تانیث کے مقام پر دونوں مقام کے آدمی کیسا ایک دوسرے کا مذاق اُڑاتے ہیں لفظِ (فرج) مندرجہ عبارتِ کافی کو شرمگاہ سمجھ کر وکیل صاحب نے ایراد بدتہذیبی کیا ہے حالانکہ جس ملک میں زبانِ عربی رائج ہے وہاں اسکا بولنا ہرگز معیوب نہیں۔ ہندوستانی آدمی اپنے ملکی مذاق پر البتہ خلافِ حیا کہہ سکتے ہیں۔ عرب کی بول چال کو ہندی محاورات پر منطبق کرکے اعتراض کرنا انتہا کی قابلیت کا ثابت کرنیوالا ہے۔ کتاب اللہ و مسلم و بخاری و ترمذی وغیرہ میں جو کہ صحاحِ اہلسنت ہیں لفظِ مذکور چند موقع پر وارد ہوا ہے بنظر اختصار کچھ مقامات دکھاتا ہوں۔

ثبوت از قرآن

١ ومریم بنت عمران التی احصنت فرجہا ٢ لفروجہم حافظون ٣ والحافظین فروجہم و

الحافظات والحافظات ویحفظن فروجھن) (ویحفظوا فروجھم) مشکوٰۃ شریف میں بخاری شریف ومسلم سے لکھا گیا ہے عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ان اللہ کتب علی ابن ادم حصہ من الزناء ادرک ذٰلک لا محالۃ فزنی العین النظر وزنی اللسان المنطق والنفس یتمنی ویشتھی والفرج یصدق ذٰلک ویکذبہ متفق علیہ (ابو ہریرہ فرماتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ خدا نے اولادِ آدم کے لیے زنا کا حصّہ لکھا۔ پس اُسکو پہنچیگا۔ آنکھ کا زنا تو نامحرم پر نظر کرنا ہے اور زبان کا کلام شہوت انگیز کرنا ہے۔ نفس آرزو کرتا ہے اور فرج سچّا کرتی ہے اُسکو یا جھوٹا) ترمذی میں اس طرح وارد ہوا ہے من مس فرجہ فلیتوضاء (جو شخص اپنی فرج کو مس کرے لازم ہے کہ وضو کرے) مشکوٰۃ شریف میں ہے قال رسول اللہ المرءۃ اذا صلت خمسا وصامت شھرا واحصنت فرجھا آنحضرتؐ نے فرمایا کہ عورت پانچ وقت نماز پڑھے اور ماہ رمضان کے روزے رکھے اور اپنی فرج کی حفاظت کرے۔ کتابِ مذکور میں بمقامِ دیگر ہے عن اسود وھمام عن عائشۃ قالت کنت افرک المنی من ثوب رسول اللہ رواہ مسلم عائشہ کہتی ہیں کہ میں رسولِ خدا کی منی کپڑے سے رگڑتی تھی۔ امام شافعی کی والدہ ماجدہ کا خواب کتابِ انسان العیون میں علی ابن برہان الدین نے اِس طرح نقل کیا ہے۔ ان ام امامنا الشافعی رات وھی حامل بہ ان النجم المسمّٰی بالمشتری خرج من فرجھا (یعنی امام شافعی کی والدہ نے دیکھا کہ مشتری ستارہ اُنکی فرج سے نکلا) تاریخ بخاری میں ہے کہ اسماء بنتِ ابی بکر نے جب عبد اللہ ابنِ زبیر اپنے بیٹے کے مارے جانیکی خبر سُنی تو فرطِ غم و الم سے عمر نود سالگی میں اُنکا خونِ حیض جاری ہو گیا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ معظمہ نے مجمع عام میں اپنے صاحبزادے پر ان لفظوں میں نوحہ کیا تھا احمد اللہ یا عبد اللہ لقد بکی علیک کل شیٔ فی جسمی حتی فرجی اور بعض نسخوں میں (رحمی بکت علیک) بھی لکھا ہے (یعنی اے عبد اللہ تیرے غم میں میرا ہر جزوِ بدن روتا ہے یہانتک کہ میری فرج بھی روتی ہے) کتابِ حبیب السیر میں ہے (چوں خبر قتل عبد اللہ بمادرش رسید باوجود آنکہ سنش از نود تجاوز کردہ بود حائض گشت) مسماۃ مذکور نے جو بجائے فرج کو بیان کیا تھا اُس سے مراد

اجرائے حیض تھا کیونکہ یہ خون فرج ہی کی راہ سے آتا ہے۔ کتاب مؤطا میں بحوالہ بخاری وابوداؤد تحریر ہے قالت عائشۃ کان النبی اذا اراد ان یغسل من الجنابۃ بدا بغسل یدیہ قبل ان ید خلھا الاناء ثم یغسل فرجہ (عائشہ فرماتی ہیں کہ جب آنحضرت غسل جنابت کا ارادہ کرتے تھے تو پہلے ہاتھ دھوتے تھے۔ جب برتن کو چھوتے تھے۔ زاں بعد اپنی فرج کو دھوتے تھے) میں نے یہ چند مقام اہلسنت کی کتاب سے دکھلائے جن میں لفظ فرج درج تھا۔ مگر ہندوستان میں مرد کے عضو تناسل کو یہ لفظ (ذکر) بولنا بھی معیوب جانتے ہیں۔ دوسرے لفظ بدل کر اُسکا نام لیا جاتا ہے۔ لیکن عرب میں اسکو نہایت سادگی سے (ذکر) ہی بولتے ہیں۔ بخاری و مسلم و دیگر صحاح اہلسنت سے ثبوت دکھلاتا ہوں۔ بخاری و مسلم میں ہے عن قتادۃ قال رسول اللہ اذا اتی الخلاء فلا یمس ذکرہ مالک و ترمذی و ابوداؤد و نسائی یسرہ بن صفوان سے روایت کرتے ہیں انھا قالت ان النبی قال من مس ذکرہ فلا یصلی حتی یتوضا (یعنی پیغمبر خدا نے فرمایا جو شخص مس کرے ذکر کو لازم ہے کہ بعد مساس وضو کر کے نماز پڑھے) یہ تحریریں تو علمائے سابقین اہلسنت کی تھیں۔ زمانہ حال کے ہندی نژاد علماء جو لکھتے ہیں اُنکو بھی عرض کیا جاتا ہے۔ مولوی محمد مبین فرنگی محلی لکھنوی نے ایک کتاب مسمے بوسیلۃ النجاۃ لکھی ہے۔ جو کہ مطبع گلشن فیض لکھنؤ میں باہتمام واجد حسین چھپی ہے۔ اُسکے صفحہ ۲۰۷ سطر ۵ پر لکھا ہے (مودتِ فاطمۂ زہرا موجب مغفرت و دخول جنت است و بغض و عداوتِ او باعثِ عقوبت و دخولِ نیران است۔ فرمود حبیب حق درحق دے ان فاطمۃ احفظت فرجھا حرمھا اللہ و ذریتھا علی النار یعنی فاطمہؑ نے اپنی فرج کی حفاظت کی پس خدا نے اُسپر اور اُسکی ذریت پر نارِ دوزخ کو حرام کر دیا۔ نہ معلوم وکیل صاحب خدا اور مولفین بخاری و مسلم و دیگر صحاح و مولوی محمد مبین وغیرہ کو لفظ (فرج) لکھنے اور بیان کرنے سے کس درجہ کا بد تہذیب بتلائینگے۔ غالباً یہی وجہ فرمائینگے کہ خدا کا ارشاد نہ تھا۔ حضرت عثمان نے بوقت درستی قرآن ایسا لکھدیا ہے اور امام بخاری و مسلم نے بھی انتہائے سفاہت و ناشائستگی سے بلا ارشادِ نبی از خود اپنی کتابوں میں یہ لفظ لکھدیا ہے۔ اور

مولوی مبین کی کتاب میں کسی جاہل سُنّی نے یہ لفظ بڑھا دیا ہے۔ تاریخ الخلفا مطبوعہ لاہور کے صفحہ ۱۴۱ پر لکھا ہے کہ حضرت عمر ایک رات گشت کر رہے تھے۔ اُنہوں نے سُنا کہ ایک عورت اپنے شوہر کے اشتیاق میں کچھ اشعار پڑھ رہی ہے اور بعالم شوق کہتی ہے کہ اگر مجھ کو تیری آبرو ریزی کا خوف نہوتا تو مرتکب گناہ ہوتی۔ معلوم ہوا کہ اُس کا شوہر لڑائی پر گیا ہوا ہے۔ حضرت ممدوح کو اس بات کا تجسس ہوا کہ عورت کتنے زمانہ تک شوہر سے جُدا رہ سکتی ہے۔ اِسکا پتہ اُنہوں نے اپنی بیٹی حفصہ سے لگانا چاہا۔ پوچھا کہ عورت کی فرج کتنے دنوں میں بیتاب ہوجاتی ہے۔ معظمہ نے با تہذیب باپ کے سوال سے ازروئے حیا گردن نیچی کرلی۔ خلیفہ صاحب نے فرمایا حق بات کہنے میں حجاب کو کیا دخل ہے۔ اُس وقت صاحبزادی نے ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا کہ تین ماہ یا چار ماہ۔ یہ سُنکر اُنہوں نے روبکار لکھا دیا کہ چار ماہ سے زیادہ سپاہیوں کو نہ روکا جائے۔ برابر رخصت دینی چاہیئے۔ عبارت طولانی ہے مختصر عرض کرتا ہوں۔ ثمّ دخل علی حفصۃ فقال انی سائلک عن امر قد اھمنی فافرجیہ عنی کم تشتاق المرأۃ الی زوجھا فخفضت راسھا واستحیت قال فان اللّٰہ لا یستحیی من الحقّ فاشارت بیدھا ثلثۃ او الاربعۃ الیٰ اٰخرہ۔ نہ معلوم حضرات اہلسنت بیٹی سے اشتیاق فرج کا حال دریافت کرنے میں کس پایہ کا مہذب حضرتِ دوم کو قرار دینگے۔ افسوس ہے کہ اپنی کتابیں نہیں دیکھتے۔ بے دیکھے اعتراض کرنے پر تُل جاتے ہیں۔ اہلسنت کے کیسہ تقریر میں اس سے بالاتر کوئی ثبوت نہ تھا جو کہ رد کیا گیا۔

رائے عدالت

آیاتِ قرآن و احادیث صحاح و تحریر مولوی محمد مبین وغیرہ کے معائنہ سے ظاہر ہوا کہ لفظ متنازعہ خلاف تہذیب نہیں۔ بلکہ اہلِ عرب میں برابر مستعمل ہوتا ہے اگر بقول وکیل مدعی اسکو دائرہ تہذیب سے باہر سمجھا جائے تو قرآن و کتب احادیث پر بڑا حرف آتا ہے۔ عمر صاحب پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ بیٹی کے سامنے فرج کا کیوں نام لیا۔ علاوہ بریں وکیل کو فہمائش کی گئی تھی کہ کوئی ایسی دستاویز پیش کرے

جو کہ وقوعِ عقد کا برضامندی پیش کرنا ظاہر کر سکے۔ لفظ (غصبنا) مندرجہ کافی سے ظاہر ہو گیا کہ بلا رضامندیِ حضرتِ امیرؑ جبر و اکراہ و غصب سے یہ امر روئے ظہور لایا لہٰذا عدالت ایسے ثبوت کو ناقابلِ تسلیم قرار دیکر اُسکے منظور کرنے سے انکار کرتی ہے علاوہ کو کیونکر ایمانداری کی ڈگری مِل سکتی ہے۔ وکیلِ مدعی اگر سوائے ثبوتِ مردود کوئی اور دلیل رکھتا ہے تو پیش کرے۔

وکیلِ مدعی کا پانچواں ثبوت

کافی میں بعدِ روایتِ مندرجۂ صدر یہ روایت ہے عن هشام بن سالم عن ابی عبداللہ قال لما خطب الیه قال له امیر المؤمنین انها صبية قال فلقى العباس فقال له مالي ابي باس فقال ما ذاك قال خطبت الى ابن اخي فردلي اما والله لا عودن زمزم ولا ادع لكم مكرمة الا هدمتها ولا قيمن عليه شاهدين بانه سرق ولا قطعن يمينه فاتاه العباس فاخبره وسأله ان يجعل الامر اليه وجعله اليه (یعنی ہشام امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ سے خطبہ کیا گیا تو حضرت امیرؑ نے فرمایا کہ وہ خورد سال ناقابلِ ازدواج ہے۔ پس عمر نے عباسؓ سے کہا کہ مجھ میں کیا بُرائی ہے جو علیؑ بر سرِ انکار ہیں؟ عباسؓ نے کہا کہ آپ میں بُرائی کوئی نہیں لیکن اُنھوں نے اُسکو اپنے برادرزادہ سے منسوب کیا ہے۔ عمر نے کہا کہ اُس جگہ سے نسبت چھُڑا کر مجھ سے کرا دیجیے۔ ورنہ یاد رہے کہ سقایتِ زمزم کا عہدہ تم سے چھین لونگا۔ اور جو آبرو کہ تمہاری کی جاتی ہے وہ نہ رہیگی۔ بلکہ تمہاری عزت کی بنیاد کو منہدم کر دونگا۔ اور دو گواہ ایسے پیدا کر دونگا جو کہ تمپر شہادت چوری کی دینگے۔ اُس وقت لازمی طور پر دہنا ہاتھ کاٹ ڈالونگا۔ یہ خبر سنکر عباسؓ گھبرائے ہوئے حضرتِ امیرؑ کے پاس آئے اور کہا کہ مجھ کو عمر نے سخت نقصان رسانی و تکلیف دہی کی دھمکی دی ہے۔ آپ مجھ کو اختیار دیں۔ پس علیؑ نے اُنکو مختار کر دیا) میں باعتبار روایت ہذا تیقن بعقد ہو کر ثبوتِ نکاح میں پیش کرتا ہوں۔

جواب نثار پنجتن وکیل مدعاعلیہم

جو اعتراض کہ مجھ کو روایتِ اولیٰ پر تھا وہی اسپر بھی ہے۔ بلکہ یہ بچند وجوہ ناقابلِ پذیرائی ہے۔ اوّل یہ کہ روایت مستدلۂ وکیلِ مدعیان بالکل وہی ہے جو کہ زبیر ابنِ بکار کاذب و مفتری و دشمنِ اہلبیتِ نبویؐ کے دماغ سے نکلی ہے۔ دوم یہ کہ اگر میں اسکو صحیح بھی مان لوں تو سوائے دخترِ ابوبکر کے جو کہ ربیبۂ جناب مرتضوی تھی اور مادر چلو ہونے سے عرفاً حضرتؑ کی بیٹی بھی کہی جاتی ہے دخترِ حضرتِ امیرؑ سے کسی طرح چسپاں نہیں ہوسکتی۔ روایت میں موجود ہے کہ حضرتِ امیرؑ نے عمر سے کہا کہ وہ لڑکی درواقع (صبیّہ) یعنی کم سن ہے۔ جنابِ امِ کلثوم سلام اللہ علیہا کے بارے میں حسابی طریقہ سے اوّل ثابت ہوچکا ہے کہ وہ بوقتِ شورش عمر ۱۶ برس کی تھیں۔ جو عمر کہ صاحبزادی کی میں نے دکھلائی ہے اُسکو تمام عالم میں کوئی باطل نہیں کرسکتا کیونکہ وہ عمر تاریخ سے دکھلائی گئی ہے۔ شریعت میں نو برس کی لڑکی قابلِ ہمبستری تجویز کی گئی ہے۔ اِس میں سُنی اور شیعہ ہر دو مذہب کے فقہار کا اتفاق ہے۔ جو لڑکی کہ حدِ ازدواج سے گزر کر پندرہ سولہ برس پر پہنچ گئی ہو اُس کو کوئی (صبیّہ) نہیں کہہ سکتا۔ اگر فی الواقع اِس بالغ و راشد کو حضرتِ امیرؑ نے بچہ ظاہر کیا تو معلوم ہوا کہ عمر کو غلط بیانی سے دھوکا دیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام پر الزام آئیگا کہ وہ اپنی جدۂ ماجدہ حضرتِ امِ کلثوم کے حالات سے پوری واقفیت نہ رکھتے تھے۔ پھر اُنہوں نے صبیّہ کیوں فرمایا۔ اندریں صورت میں حتماً کہہ سکتا ہوں کہ بفرضِ صحت اِس روایت کو حضرتِ امیرؑ کی اصلی بیٹی سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اُسی دخترِ ابوبکر سے جو کہ مثل فرزندوں کے پرورش پائی تھی۔ سوم یہ کہ وکیل صاحب کو ثبوتِ اتحاد داخل کرنیکی اجازت دی گئی تھی۔ آپ ماشاء اللہ کیا ہی نازک فہم اور دقیقہ سنج ہیں۔ اہلبیت و خلیفہ عمر کے متحدانہ ارتباط کے مؤید آپنے کیسا معقول ثبوت دکھلایا ہے جس میں یہ الفاظ صاف و روشن درج ہے۔ عمر کہتے ہیں کہ اے عباسؓ اگر میری شادی علیؑ نے نہ کی تو تم کو حاجیوں کے پانی دینے کی خدمت

سے معزول کردونگا۔ اور جو کچھ بھی ظاہری آؤ بھگت ہے اس سب کو خاک میں ملا دونگا۔ کچھ اسی سزا پر نہ رکونگا بلکہ دو گواہ بہم پہنچا کر بہ الزام سرقہ سڑک کی کنکریاں کٹوا دونگا۔ واہ سبحان اللہ اہلبیت کے دوست ایسے ہی ہوتے ہیں جو کہ سسرال والوں کے ہاتھ کاٹنے اور جیلخانہ بھیجنے کی تدابیر پیدا کریں۔ معلوم ہوا کہ حضرت عمر کو جھوٹا مقدمہ بنانے میں بھی دستگاہ حاصل تھی۔ نہ معلوم حضرت نے خلافِ طبیعت معاملات سے کتنے بیگناہوں کے ہاتھ کٹوائے ہونگے۔ جو شخص کہ خاندانِ نبوت پر جھوٹے مقدمے بنانیکا قصد رکھتا تھا اُس نے دیگر غربائے مؤمنین سے کیا کچھ درشتی نہ کی ہوگی۔ افسوس ہے کہ ایسے مقدمہ باز اور جیلساز کو اہلسنت فاروقِ حق و باطل کہتے ہیں۔ ہماری گورنمنٹ کو اگر معلوم ہوجاتا ہے کہ فلاں شخص غلط مقدمات برپا کرنیکا عادی ہے اُسی وقت اُس کو جہنّم (جیلخانہ) میں بھیجدیا جاتا ہے۔ ہم بریں بنار ضرور ہے کہ گورنمنٹِ حقیقی نے عمر کے ساتھ بپاداشِ غلط کاری ضرور عادلانہ انتظام کیا ہوگا۔ عدالت یہ خیال نہ فرمائے کہ عمر کا ضررِ شدید پہنچانیکی دھمکی دینا کتابِ شیعہ ہی میں لکھا ہے۔ نہیں بلکہ سُنیوں کی روایت مندرجہ مسل سے بھی یہی ہویدا ہے کہ عمر نے نقصان پہنچانیکا خوف دلایا تھا۔

رائے عدالت

افسوس وکیلِ مدعیان ایسا ثبوت پیش کرتے ہیں جو کہ اُنکے بیانِ دعوے سے مخالفت بھی رکھتا ہے۔ روایتِ مستدلہ کسی طرح امِ کلثوم دخترِ علی علیہ السلام سے علاقہ نہیں رکھتی۔ کیونکہ حسابی قاعدہ سے یہ امر مسلّم ہوچکا ہے کہ ۱۷ھ میں جبکہ عمر نے خطبہ کیا ام کلثوم پندرہ سولہ برس کی تھی۔ ایسی راشدہ و بالغہ کو صغیر سن یا صبیہ نہیں کہہ سکتے۔ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو اسی ام کلثوم دخترِ ابوبکر سے متعلق ہے جو کہ فی الواقع کم سن تھی۔ اور جسکی طفولیت پر مدعیان کو پورا وثوق ہے۔ لہذا یہ ثبوت پیش کردہ وکیل نامسموع قرار پاکر ہدایت کی جاتی ہے کہ اگر کوئی شہادت اور ثبوت اتحاد ہو تو پیش کرے ورنہ مقدمہ ختم کردیا جائیگا۔

وکیل مدعی کا چھٹا ثبوت

ملا محمد باقر مجلسی بحار الانوار میں بحوالہ کتاب الخرائج والجرائح لکھتے ہیں عن عمر بن اذینہ قال قیل لابی عبد اللہ ان الناس یحتجون علینا ویقولون ان امیر المؤمنین زوج فلانا ابنته ام کلثوم وکان متکئا فجلس وقال یقولون ذلك ان قوما یزعمون ذلك لا یھتدون الی سواء السبیل اما کان یقدر امیر المؤمنین ان یحول بینه وبینھا فینقذھا کذبوا ولم یکن ما قالوا ان فلانا خطب الی علی بنته ام کلثوم فابی علی فقال للعباس واللہ لان لم تزوجنی لانزعن عن السقایة وزمزم فاتی العباس علیا فکلمه فابی علیه فالح العباس فلما رای امیر المؤمنین مشقه کلام الرجل علی العباس وانه سیفعل بالسقایة ما قال ارسل امیر المؤمنین الی جنیة من اھل نجران یھودیة یقال لھا سحیفة بنت جریر فامرھا فتمثلت بمثال ام کلثوم وحجبت الابصار عن ام کلثوم وبعث بھا الی الرجل فلم تزل عنده حتی انه استراب بھا یوما فقال ما فی الارض اھلبیت اسحر من بنی ھاشم ثم اراد ان یظھر ذلك للناس فقتل وحلت المیراث وانصرفت الی نجران واظھر امیر المؤمنین علیه السلام ام کلثوم۔ خلاصۂ کلام یہ ہوا ابنِ اذینہ روایت کرتے ہیں کہ امام جعفرِ صادق علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کی کہ ہم پر لوگ معترض ہوتے ہیں کہ حضرتِ امیرؑ نے فلاں شخص (عمر) سے اپنی بیٹی کا عقد کر دیا۔ اُسوقت امام تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ یہ سُنکر اُٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ جو لوگ ایسا خیال رکھتے ہیں وہ گمراہ ہیں۔ کیا حضرتِ امیر المؤمنین اسپر قادر نہ تھے کہ اِس عقد سے مانع ہوتے اور اپنی بیٹی کو بچا لیتے۔ جو لوگ ایسا دعوے کرتے ہیں وہ دروغگو ہیں۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ جب فلاں شخص (عمر) نے خواستگاری کی تو حضرتؑ نے انکار کیا اور ہرگز اسکو قبول نہ فرمایا پس عمر نے حضرتِ عباسؓ سے کہا کہ اگر علیؑ ایسا نہ کرینگے تو میں حاجیوں کے پانی پلانیکی خدمت کو تم سے چھین لونگا اور چاہِ زمزم تمہارے قبضہ سے نکال لونگا۔ عباسؓ نے یہ واقعہ حضرتِ امیرؑ کو سُنایا اور اُس میں گفتگو کی۔ جناب امیرؑ نے فرمایا کہ یہ امر کسی طرح ممکن نہیں

اسیر عباسؓ نے الحاح واصرار کو طول دیا۔ حضرتؑ نے بخوفِ اتلافِ حقوقِ عباسؑ یہ تدبیر کی کہ ایک عورت قومِ جنات سے جو کہ بصورت انسان متشکل ہو کر نجران میں زنانِ یہودیہ کے ہمراہ رہتی تھی اور مذہب یہود اختیار کیے ہوئے تھی اور اُسکا نام سحیفہ تھا اُسکو وہاں سے بلوایا اور جب وہ حاضر ہوئی تو اُسکو حکم دیا کہ تو کلثوم کی صورت اختیار کرلے پس وہ فوراً متشکل بہ شکل امِ کلثوم ہو گئی۔ حضرتؑ نے امِ کلثوم کو لوگوں کی نظر سے پوشیدہ کیا اور وہ جنیہ عمر کے حوالہ کر دی۔ وہ عورت عمر کے ساتھ رہی۔ ایک روز بعض قرائن سے عمر نے معلوم کیا کہ وہ آدم زاد نہیں ہے۔ اُسوقت کہنے لگا کہ بنی ہاشم سے زیادہ کوئی ساحر نہیں ہو سکتا۔ چاہتا تھا کہ اِس راز کو فاش کرے کہ ناگہاں وہ قتل ہو گیا۔ اور وہ عورت اپنی میراث لیکر نجران کو واپس چلی گئی۔

میرا مطلب اس روایت کے پیش کرنے سے یہ ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ہرگز ایسا نہیں فرمایا۔ علمائے شیعہ کا ساختہ و موضوعہ معلوم ہوتا ہے۔ بھلا جنیہ کیونکر متشکل بہ شکلِ انسان ہو سکتی ہے۔ جو بات کہ ناممکن و محال ہو اُسکی نسبت کیسے خیال ہو سکتا ہے کہ فرمودۂ امامؑ ہے۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو اتنا پتہ تو ضرور چلتا ہے کہ دربابِ عقد کوئی گفتگو ضرور ہوئی۔ اور اگر یہ قول صحیح مان لیا جائے تو حضرتِ علیؑ پر الزام شعبدہ بازی ضرور عائد ہوتا ہے۔ جو کہ اُنکی شان سے بسا بعید ہے۔

جوابِ نثارِ پنجتن وکیل مدعا علیہم۔

میں حیران ہوں کہ وکیل صاحب کس دل و دماغ کے آدمی ہیں۔ کتنا ہی سمجھاؤ مگر یہ حضرت ایسے خوش مغز ہیں کہ عدالت کے واضح حکم سمجھنے سے قاصر ہیں۔ بکرات و مرات منجانب عدالت ہدایت ہوئی ہے کہ کوئی ایسا ثبوت پیش کیجیے جس سے بلا تکلف ثابت ہو جائے کہ حضرت امیرؑ نے بصد خوشدلی عمر صاحب کو لائق دامادی سمجھکر عقد کر دیا۔ یہ جناب باوصف ایسی صریح فہمائش کے جو بات دکھلاتے ہیں وہ اصل مقصد سے کوسوں دور ہوتی ہے۔ خود ہی اسکے مقر ہیں کہ امام نے ہرگز ایسا نہیں فرمایا۔ آپ ہی کہتے ہیں کہ اِس سے عقد ثابت ہے۔ ہر چند کہ میری کتاب سے یہ مضمون پیش کیا گیا ہی

لیکن میں بھی بجائے خود اسکے صحیح کہنے پر تیار نہیں ہوں بدانیوجہ کہ سوائے کتاب خرائج کے جنّیہ والی حکایت کو کسی نے نہیں لکھا۔ پس ایسی شاذ وازقسم احاد روایت کا کیونکر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے تو تمام قصہ غت ربود ہوگا و خود ہوا جاتا ہے۔ کیونکہ امامؑ نے بہ الفاظ صاف و روشن عقد سے انکار کیا ہے۔ بلکہ معتقدین نکاح کو گمراہ اور خارج از دین بتلایا ہے۔ اسی کو ہمارے علمائے قدیم نے جو کہ قریب العہد ائمہؑ تھے ارشاد فرمایا ہے۔ اور تمام علمائے اوّلین و آخرین کا یہی اعتقاد ہے۔ اور اسی پر اجماع ہے۔ میں وکیل صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے وہ روایت پیش فرمائی جو کہ قاطع بنیادِ عقد ہے۔ بحمد اللہ باوصف کوشش شدید وکیلِ مدعیان کو کتب شیعہ سے کوئی ایسا کافی مواد نہ ملا جو کہ مثبتِ عقد ہوتا۔ یا آنکہ حضرت امیرؑ کی رضامندی پائی جاتی۔ رہا معاملہ جنّیہ یہ بھی کوئی امر مستبعد و دور از خیال نہیں معلوم ہوتا ہے۔ نبی و امام کو تمام جن وانس پر حاکمانہ تصرّف حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ مُلّا جامی نے شواہد النبوۃ میں حضرت امیرؑ و دیگر ائمہؑ کا حاکمِ اجنہ ہونا تسلیم فرمایا ہے۔ اور اسکے متعلق حکایات بھی لکھی ہیں۔ جبکہ عمر نے علانیہ کہدیا کہ اگر یہ عقد نہ کیا تو میں ابواب آمدنی جو عباس کے لیے کھلے ہوئے ہیں بند کر دونگا۔ علیؑ پر چوری کا مقدمہ قائم کر کے اُنکا ہاتھ کاٹ ڈالونگا۔ پس اگر بہ نظر دفع ضرر حضرتِ امیرؑ نے اپنے تصرّف سے جنّیہ کو بہ شکلِ امِ کلثوم بنا کر عمر کے بیجا دباؤ سے اپنی آبرو کو بچایا ہو تو کیا الزام عائد ہو سکتا ہے۔ یہودیوں نے بزعمِ خود جناب عیسےٰ علیہ السلام کو دار پر کھینچدیا حالانکہ خدائے عالم نے اُنکو آسمان پر بُلا لیا تھا۔ مگر عام نگاہیں یہی حکم دے رہی تھیں کہ مسیح علیہ السلام لٹکے ہوئے ہیں۔ اسکے متعلق بہت سے شواہد و حکایات ہیں جنکا احصاء موجب طوالت ہے۔ جنّیہ کا بہ شکلِ انسان متشکل ہونا کوئی بعید الخیال امر نہیں۔ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ معاویہ ابنِ عمر سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرتِ صادقؑ سے درباب اولادِ جنابِ آدم علیہ السلام سوال کیا کہ اُنکی اولادِ ذکور اپنی بہنوں سے بیاہی جاتی تھیں یا کیا۔ بجواب امامؑ نے فرمایا کہ معاذ اللہ یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ بہن بھائی میں زن و شوہر

کا علاقہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ جب قابیل بلوغ پر پہنچا تو خدا نے ایک جنیہ اُس کی زوجیت کے لیے بھیجی۔ جسنے بہ لباس انسانی اُن فرائض کو پورا کیا جنکا عورتوں کو کرنا چاہیے۔ نام اُسکا جمانہ تھا۔ جب ہابیل بالغ ہوئے اُن کے لیے ایک حوریہ بھیجی گئی۔ قابیل نے حضرت آدمؑ سے محاجہ کیا کہ مجھ کو جنیہ آئی اور چھوٹے بھائی کو حوریہ۔ آپ نے مجھ پر ہابیل کو فضیلت دی الے آخرہ۔ بہ نظرِ تسکین وکیل صاحب عبارت مندرجہ تفسیر ثعلبی کا ایک دو جملہ بھی لکھے دیتا ہوں۔ وہو ہذا ان مُعَاوِیَۃَ بْنَ عَمَّارٍ قَالَ سَئَلْتُ الصَّادِقَ عَنْ اٰدَمَ اَکَانَ یُزَوِّجُ بَنَاتَہٗ مِنْ بَنِیْہِ فَقَالَ مَعَاذَ اللّٰہِ اِلیٰ اٰخِرِہٖ۔ اگر جنیہ وغیرہ کا بہ لباس انسان ہونا دور از خیال تھا تو خدا نے ایک دفعہ جنیہ اور پھر حوریہ کو کیوں آدمی بنا کر بھیجا۔ چونکہ یہ مضمون اکابر مفسرینِ اہلِ سنت کا ہے بہ نظرِ تعمق اس پر غور فرمانا چاہیے۔ اہلسنت اپنی کتابوں میں ایسی عجیب و غریب باتیں لکھتے ہیں کہ دفعۃً وقفِ خیال نہیں ہو سکتیں اُن پر نظر نہیں ڈالتے۔ دوسروں پر اعتراض کرنیکے لیے موجود ہو جاتے ہیں۔ کتاب الاکتفا اور ریاض النظرہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر اور شیطان سے کشتی ہوئی۔ خلیفہ نے اُسکو زمین پر دے پٹکا۔ اُس دن سے ایسا خوف اُس پر غالب ہوا کہ اُن کے سایہ سے بھاگنے لگا۔ کتاب استقصاء الافحام جلد اول کے صفحہ ۷۸۵ پر کتبِ مذکورہ سے یہ واہی قصہ بہ تفصیل نقل ہوا ہے۔ صحیح بخاری میں بہ مقام فضیلت آیۃ الکرسی لکھا ہے کہ ابو ہریرہ کو چند باتیں شیطان نے تعلیم کیں عمر سے جب کشتی لڑنے شیطان آیا ہوگا تو ضرور ہے کہ اُسنے انسانی صورت میں اپنے آپ کو ظاہر کیا ہو۔ اور ابو ہریرہ کو جب تعلیم دینے آتا ہوگا اُس وقت بھی جُبّہ و دستار پہنکر بہ شکلِ آدمی ظاہر ہوا ہوگا۔ قرآن پاک میں اسکی نسبت کہا گیا ہے کَانَ مِنَ الْجِنَّۃِ یعنی شیطان از قسم جنات تھا۔ جس طرح یہ جن مبدل بہ لباسِ آدمیت ہو کر عمر کا مدِّ مقابل اور ابو ہریرہ کا استاد ہوا ممکن ہے کہ اِسی طرح وہ جنیہ بھی جو کہ ہمجنس ابلیس تھی جامہ انسانیت میں آگئی ہو۔ محی الدین عربی کی دختر یکسالہ نے اُن مسائلِ مشکلہ کا جواب دیا کہ جنکے حل کرنے میں عمر جیسے عالم و مجتہد کو پاچہ دستی تھی مراسی لڑکی کی نسبت لکھا ہے کہ

جس زمانہ میں وہ استراحت فرمائے شکمِ مادر تھیں اُنکی والدہ کو چھینک آئی حسبِ قاعدہ
اسلام اُسنے الحمد للہ کہا۔ پیٹ میں سے لڑکی نے بھی وہی کلمہ کہا جسکو حاضرین نے
سُنا۔ مختصر فتوحاتِ مکیہ و فتوحاتِ شعرانی و سیرۃ حلبیہ سے استقصار الافہام کے صفحہ
۵۲۲ پر یہ مضمون نقل کیا گیا ہے۔ شیخ نجم الدین جو کہ عند السنیہ اولیائے کاملین
کے سرتاج ہیں۔ اُن کی نسبت یہ اعتراض کیا جاتا تھا کہ وہ زیارتِ رسولؐ سے
شرف سے محروم رہے۔ مولوی عبد الحی فرنگی محلی لکھنوی رسالہ سعی مشکور کے
صفحہ ۴۲۸ پر لکھتے ہیں کہ شیخ کی نسبت عدم بجا آوری زیارت کا طعن غلط کیا جاتا ہے
کیونکہ اُنکا مدینہ رسولؐ میں تشریف لیجانا ثابت ہے۔ بطریق سفر ظاہری نہیں
بلکہ ہوائی۔ اسکا منکر سوائے اُس کے جو کہ کراماتِ اولیا کا انکار کرے دوسرا نہیں
ہو سکتا۔ امام یافعی شیخ صاحب کے حالات میں لکھتے ہیں کہ وہ مکہ سے کبھی باہر نہیں
گئے مگر باطن میں مدینہ منورہ جاتے تھے۔ چنانچہ شیخ محمد بغدادی بیان کرتے ہیں کہ
میں قبرِ نبیؐ کی زیارت سے واپس آتا ہوا دل میں فکر کرتا تھا کہ شیخ ایسا جلیل القدر
اور حق آگاہ آنحضرتؐ کی زیارت کے لیئے کیوں نہیں جاتا۔ معًا اس خیال کے میرا سر
آسمان کی طرف بلند ہوا۔ دیکھا کہ شیخ صاحب ہوائی گھوڑے پر فرّاٹے سے جا رہے
ہیں مجھ کو آواز دی کہ اے محمد یوں جایا کرتے ہیں۔ سوائے ازیں اور چند کلمات کہے
جنکو میں بھول گیا۔ علاوہ بریں کہ کتاب غوثیہ میں حضرتِ پیرانِ پیر کی نسبت صدہا ایسی
حکایاتِ تعجب انگیز لکھی ہیں جنکو دیکھکر عقل چکر میں آجاتی ہے۔ از انجملہ ایک یہ کہ
غوث الاعظم کی ملاقات ملک الموت سے ہوئی۔ اُن کے پاس ایک تھیلی تھی۔ پوچھا
کہ بھائی یہ کیا ہے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ جو ارواح قبض کرتا ہوں وہ اس میں ڈال لیتا
ہوں۔ پیر صاحب نے وہ تھیلی چھین کر ڈورا کھولدیا۔ سب روحیں پھُر پھُر اُڑ گئیں۔
ملک الموت حیرت زدہ مُنہہ تکتے رہگئے۔ صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ جناب موسےٰ
علیہ السلام نے قبض روح کے جھگڑے میں عزرائیل علیہ السلام کے اس زور سے
طمانچہ مارا کہ اُن کی ایک آنکھ پھوٹ گئی۔ جب کانٹے ہو گئے خدا سے شکایت کی۔

اللہ نے پھر دوسری آنکھ چڑھا دی۔ افسوس ہے کہ وکیل صاحب اپنی مذہبی روایات پر توجہ نہیں فرماتے۔ دوسروں پر اعتراض کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ایک حنفیہ کی روایت پر وکیل صاحب کو اس قدر استعجاب تھا۔ نہ معلوم یہ تودہ تودہ روایاتِ عجیبہ وغریبہ دیکھکر کیا خیال فرمائینگے۔ میں اوّل عرض کرچکا ہوں کہ ہماری کتب کے جملہ اندراجات قابلِ تسلیم نہیں۔ وہی لائقِ اعتبار ہیں جو کہ متقدمین کے نزدیک خلعتِ صداقت وصحت پا چکے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ روایت پیش کردہ وکیل صاحب میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا انکار صریحی موجود ہے۔ ایسے بیان کے سامنے کسی دوسری بات کا وقار نہیں ہو سکتا۔ میرے مذہب کے تمام علماءِ سابقین ولاحقین وعلی العموم شیعوں کے نزدیک جنابِ امیر المؤمنین کو اس عقد سے انکار رہا ہے۔ وکیل صاحب نے جو امر بہ ثبوتِ دعوے دکھلایا اُس میں بھی امامؑ کا انکارِ عقد فرمانا بلکہ معتقد کا گمراہ ہونا درج ہے۔ اندریںصورت مجھکو یہ کہنے کا پورا حق ہے کہ ہماری کتابوں سے عقد کا ثبوت دینے میں مدّعی سخت ناکام ہیں اور حضرت امیرؑ و خلیفہ عمر کا اتحاد ثابت کرنے میں بالکل ہی ناکامی ہے۔ تعجب ہے کہ ایسے سرودم بریدہ ثبوت کے اعتبار پر ادّعائے اتحاد کیا جاتا ہے۔

سوالِ عدالت از وکیلِ مدعیان

تمکو دو تین مرتبہ واضح الفاظ میں سمجھایا گیا کہ کتبِ شیعہ سے اتحاد دکھلاؤ تاکہ بلا وقوعِ عقد بھی محض بربنائے محبت ویک جہتی خلیفہ صاحب کو سارٹیفکٹ ایمانداری دیا جائے مگر نہ معلوم آپ نے جہل یا تجاہل سے خلافِ منشاء و مرادِ عدالت ایسی روایات کیوں دکھلائیں جنکا ظاہر کرنا اپنے دعوے کو بیخ و بنیاد سے اُکھاڑ دینا ہے۔ عدالت اور ایک مہلت دیتی ہے۔ اگر ثبوت ہو تو دکھلاؤ ورنہ دستخط کردو کہ اب میرے پاس کوئی مواد لائقِ استدلال نہیں۔

جوابِ وکیل مدعیان

میں اقرار کرتا ہوں کہ سوائے امورِ پیش کردہ میرے پاس اور کوئی ثبوت نہیں۔

حکمِ عدالت

چونکہ مقدمہ مرتب ہوگیا۔ لہذا وکلائے فریقین کو اطلاع دی جاتی ہے کہ ایک ہفتہ بعد بحث کرنے اور عدالت کو مقدمہ سمجھانے کے لیے تیار ہو جائیں۔

بحث وکیل مدعیان

میں نے جو اپنی کتابوں سے مضامین متعلق بہ عقد دکھلائے ہیں۔ گو کہ وہ باخود متضاد ہیں۔ لیکن تاہم وقوعِ عقد کا پتہ دینے والے ہیں سے علے ہذا روایاتِ شیعہ ہیں۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ عدالت نے ہر ثبوت پر پہلے ہی غور فرمالیا ہے۔ حاجتِ تکرار نہیں۔

بحث نثارِ پنجتن وکیل مدعاعلیہم

ہر تنقیح پر بحث و مباحثہ ہو کر تمام مراتب طے ہو چکے ہیں اب کوئی ضرورت اُن مطالب کے اعادہ کرنیکی نہیں ہے مگر چونکہ عدالت نے حکم دیا ہے لہذا استدلال واقعاتِ مندرجہ مسل پر عدالت کو توجہ دلاتا ہوں۔ قدیم الایام سے مابین مدعیان وماندگان یہ اختلاف چلا آتا ہے کہ آیا خلفائے ثلثہ وامثالہم صاحب ایمان تھے یا نہیں۔ مدعی صاحبان چونکہ اُنکو ایماندار جانتے ہیں اور ہم اُس کے خلاف لہذا جسقدر کتبِ مناظرہ آج تک ہر دو گروہ میں تصنیف و تالیف ہوئیں۔ اُن سب کا غالب منشا یہی ہے۔ چنانچہ مقدمۂ ہذا بھی اسی بنا پر دائر ہوا ہے کہ اگر اہلبیت وخلفاء میں متحدانہ ربط نہ تھا تو حضرت امیرؑ نے خلیفۂ دوم سے اپنی صاحبزادی کا کیوں عقد کیا۔ یہ نکاح مثبتِ یکجہتی ہے۔ بہ ایں بنا ثبوتِ محبت اصل ہے اور عقد اُس کی فرع۔ اگر مدعیان نکاح ثابت کرنے میں ناکامیاب رہیں اور ثبوتِ محبت و اتحاد میں کامیابی حاصل کرلیں تو خلیفہ عمر کو وہی فائدہ مل سکتا ہے جو کہ وقوعِ عقد پر ملتا۔ بعد ازیں میں یہ پہلو اختیار کرتا ہوں کہ اگر بجائے محبت عداوت ثابت ہوا ور عقد کا وقوع بلا رضامندی بجبر وظلم وغصب مان لیا جائے تو حضرت عمر سخت ملزم بلکہ مجرم قرار پا سکتے ہیں اور عدالت ہم کو اجازت دے سکتی ہے

کہ اُس پُرانے مردے کی روح کو تیرِ مطاعن سے بجرمِ تعدّی متاذّی کریں۔
(حاکم اشارہ ہے۔ فی الواقع یہ بات لائقِ تسلیم ہے)

وکیل۔ خلفاءِ ثلثہ وخصوص حضرتِ علیؑ کی عداوت کا ثبوت میرے پاس اسقدر ہے کہ میں بیان کرتے کرتے تھک جاؤنگا۔ اور عدالت سُنتے سُنتے منغّص ہوجائیگی۔ مگر بہت مختصر عرض کرتا ہوں۔ بخاری ودیگر کتبِ اہلسنّت میں ہے کہ سیّدہؑ معاملۂ فدک میں بعدِ سمسی مقدمہ اِس درجہ ناراض ہوئیں اور بجدّے غصّہ کیا کہ تاحیاتِ خود شیخین سے ہمکلام نہ ہوئیں۔ اور حسبِ اندراج چند کتبِ سُنّیہ جبکہ ابوبکر وعمر نے اُن کے دروازہ پر جاکر عذر مافات کرکے عفوِ تقصیر چاہا تو سیّدہؑ نے مُنہ پھیر لیا۔ اور بالآخر جب بہت اصرار کیا کہ وہ اُن سے کچھ باتیں کریں تو آپ نے کہا کہ تم دونوں گواہی دیتے ہو کہ میرے باپ نے اُمّت کو ہدایت کی تھی کہ میرا احترام کریں اور اذیت رسانی سے باز رہیں۔ ہردو بزرگوار نے قبول فرمایا کہ بے شبہ آپ کے بارے میں یہ وصیت ہوئی تھی۔ جب وہ اقرار کرچکے تو معظمہ نے فرمایا کہ تم نے میری رنجدہی کے وسائل کی بہم رسانی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ آگاہ ہو کہ میں تم سے بحدّے ناراض ہوں کہ جب تک اپنے باپ سے مِل کر تمہاری تعدّی وتشدّد کا شکوہ نہ کرلوں اُس وقت تک میرے زخمِ جگر کا اندمال نہیں ہوسکتا۔ سجّاد حسین بارہوی نے رسالۂ تقریرِ دلپذیر میں اِس واقعہ کو بہت وضاحت سے دکھلایا ہے۔ جبکہ آپ نہضت فرمائے ملکِ بقا ہوگئیں تو جنابِ امیرؑ سے وصیت کی کہ ابوبکر وعمر میرے جنازہ پر نہ آئیں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرتِ علیؑ نے پردۂ شب میں اُس پارۂ جگرِ رسولؐ کو سپردِ خاک کردیا اور ابوبکر وعمر وغیرہ مخالفین کو اطلاع نہ دی۔ مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے بھی اپنی مؤلفہ کتاب رویائے صادقہ وامہات الامّۃ میں بلا اظہارِ نام اسکا ذکر کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ فاطمہ علیہا السلام نے باپ کے غم میں گھل گھل کر وفات پائی۔ اور جب تک زندہ رہیں ہنسنا کیسا کسی نے مسکراتے ہوئے

کبھی نہ دیکھا۔ جناب فاطمہؑ پر سوائے صدمۂ مفارقت پدر اور چند حادثے ایسے پیش آئے کہ جنکا تحمل اگر محال نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ مثلاً عرض کرتا ہوں اگر گردشِ فلکی سے کوئی ایسا خاندان جو کہ حکمران رہا ہو عیاذ ہو جائے اور اُنکے گھر کا ایک ادنےٰ غلام تختِ حکومت پر جلوہ گر ہو کر شاہی خاندان سے ایسا نکمی برتاؤ کرے جن سے تنگ ہو کر بیگمات کو نالہ وار میانہ حیثیت سے کچہری میں جانا پڑے تو اُن پر اجلاس میں جانا کیسا گراں گزریگا اُنکا وہ پرورده شخص جو کہ اب تغیرِ زمانہ سے حاکم بنگیا ہے۔ اُن کے استغاثہ پر مطلق توجہ نہ کرے اور جو شہادتیں کہ صاحبِ منصب شہزادی پیش ہوں اُنکو رد کر دے تو اس عملِ باطل کا کیسا موذی اثر اُس کی طبیعت پر ہو گا؟

حاکم۔ بے شبہ۔

وکیل۔ میں تنقیح اوّل میں ثابت کر چکا ہوں کہ سر سید احمد خاں صاحب مرحوم کا قول تھا کہ ہم ابو بکر کی خلافت کا زمانہ عمر کے ایام خلافت کے ساتھ شکنجہ میزان میں کھینچ دیتے ہیں کیونکہ وہ بظاہر حاکم تھے مگر تمام انتظامِ ملک حضرت عمر انجام دیتے تھے۔ مولوی شبلی سُنی المذہب نے سیرۃ الفاروق کے صفحہ ۸۰ پر سر سید کے مضمون کو نقل کیا ہے کہ ابو بکر نے حسبِ ہدایتِ جناب عمر ہبہ فدک کے مقدمہ میں حضرتِ امیرؑ و حسنینؑ کی گواہی کو رد کر دیا جبکہ معصومہ نے بعد انفساخِ ہبہ وراثۃً دعوے کیا تو ایک خلاف قرآن حدیث بناکر ورثہ پدری سے محروم کر دیا۔ اُس پر یہ ترقی کی کہ آگ اور لکڑیاں لیکر اُن کے گھر پر چڑھ گئے کہ تم ہماری مثلِ سائر الناس اطاعت کرو ورنہ تمہارا گھر جلا دینگے۔ اسی جھگڑے میں سیدہؑ کو صدمۂ عظیم یہ پہنچا کہ ایک بچہ جو کہ شکم میں تھا ساقط ہو گیا۔ سجاد حسین بارہوی نے چند کتبِ اہلسنت سے رسالہ آئینہ حق نما میں اسکا ذکر کیا ہے۔ شیخ فرزند علی ساکن بوڑھانہ ضلع مظفر نگر نے اُس اشتہار میں جو کہ بطورِ رسالہ چھپا ہے اعلان کیا ہے کہ جو شخص اندراجات رسالہ مذکور کو باطل کریگا

اُس کو مبلغ پچیس ہزار روپیہ انعام دیا جائیگا۔ کئی مرتبہ وہ مضمون چھپکر شائع ہوا باوصفِ وعدہ انعام کسی نے اُسکا جواب نہ دیا۔ عدالت غور فرمائے کہ جنابِ سیّدہ کے ساتھ اُن کے والدِ ماجد کے غلاموں کو یہ ظالمانہ برتاؤ کرنا ہرگز زیبا نہیں تھا۔ افسوس جسکے باپ نے فقیر سے امیر بنایا۔ کوچہٴ بے ایمانی سے ایمان کی شہر تک پہنچایا اُسکا اِن لوگوں نے یہ بدلا دیا۔ شریف آدمی کے ساتھ اگر کوئی ذرّہ برابر سلوک کرتا ہے تو وہ مدّت العمر اُسکا احسان نہیں بھولتا۔ سفیہ و دنی البتہ محسن کی کرم گستری کا یہی معاوضہ دیتا ہے جو کہ شیخین نے نبیؐ کی بیٹی کو دیا۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے امہات الامہ میں لکھا ہے کہ جن بھکڑوں محتاجوں اور فاقہ مست لوگوں نے فاطمہؑ کے باپ کی بدولت یہ عروج پایا کہ خاکِ مذلت سے اوجِ عزت پر پہنچ گئے اُنکو کسی طرح شایاں نہ تھا کہ فاطمہؑ کے باپ کی رعایت اور پرورش کے حقوق کو یکسر بھلا دیتے۔ عدالت توجہ فرمائے کہ جس گھر میں میّت ہوجاتی ہے اُسکے ساکنین کو تسلی دینا لازم ہے یا یہ کہ ماتمی صف پر بیٹھنے والوں کا گھر ہی پھونک دیتے ہیں۔ ابتدائے عالم سے آج تک کسی پدر مُردہ لڑکی پر یہ ظلم نہیں ہوا جو کہ شیخین نے فاطمہ علیہا السلام پر کیا۔ جنابِ سیّدہ نے اپنے باپ کی روحِ پرفتوح کو مخاطب کرکے ایک شعر کہا ہے جسکو اکثر علمائے اہلسنت نے نقل کیا ہے (اے بابا آپ کی مفارقت سے مجھ پر وہ صدمات پڑے کہ اگر پہاڑوں پر پڑتے تو اُنکا جگر شق ہوجاتا۔ اور اگر دنوں سے لاحق ہوتے تو وہ شبِ تار بن جاتے) خلفاء نے اہلبیتِ نبوی پر اِس بیدردی سے بابِ ظلم کھولا کہ پھر اِس دروازے کے کواڑ بند نہ ہوئے۔ جو شخص جلوہ فرمائے مسندِ خلافت ہوا وہ اُسکی کشادگی میں کچھ نہ کچھ اپنی یادگار ضرور قائم کرتا رہا۔ تا اینکہ خاندانِ نبوت کا خاتمہ ہوگیا۔

کتابِ مذکور الصدر میں ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے بھی اِس مضمون کو بہ لطافت بیان کیا ہے۔ ممدوح تحریر فرماتے ہیں کہ انتخابِ اوّل (یعنی ابوبکر کے خلیفہ بنانے پر) علیؑ کا محروم از خلافت ہونا خاندانِ نبوت کی عزت کا خاتمہ کرگیا۔ اُنکے

بعد جو خلیفہ ہوا وہ اُنکو گھٹاتا ہی رہا۔ اِن معاملات پر گہری نظر ڈال کر عدالت خود نتیجہ نکال لے کہ اہلبیتؑ و خلفاء و سیّما جناب عمر با خود ہا کیسا اتحاد و ارتباط رکھتے تھے۔ اگر دنیا میں دوستی کا یہی عنوان ہوتا ہے جو کہ شیخین و حضرت امیرؑ میں تھا تو پھر میں نہیں کہہ سکتا کہ دشمنی کی کیا شان ہوتی ہے۔ جس لڑکی کی ماں کو عمر سے یہ صدمات پہنچے ہوں اُس کو حضرتِ امیرؑ نے کس دل سے بیاہ دیا ہوگا کیا بعدِ شادی اُمِ کلثومؑ کو یہ خیال کبھی نہ آیا ہوگا کہ اِس شخص نے میری مادرِ گرامی کو طرح طرح کے جاں شکن آزار دیکر رُلا رُلا کر مارا ہے۔ میرے پیارے بھائی محسنؑ کا یہی قاتل ہے۔ پس میں ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں کہ اہلبیتِ نبوی اور جمیع پیشوایانِ اہلسنّت خصوص حضرت عمر میں انتہا درجہ کی عداوت تھی۔ اور بصورتِ ضد و اختلاف رشتے ناتے کا محبت و یکجہتی سے ہونا قطعی ناممکن ہے نہایت تعجب ہے کہ بذریعۂ قرابتِ خاندانِ رسالت عمر صاحب وسائلِ مغفرت تلاش کریں اور نبیؐ کی بیٹی کو ایسا رنج دیں کہ وہ رو رو کر اپنی جان دیدے میں قوم کا سیّد ہوں اور عام طور پر ہم لوگ بنی فاطمہؑ کہے جاتے ہیں۔ سیّدہ علیہا السلام سے ہم کو پچاسوں پشت کا فاصلہ ہے مگر میں کرسیِ عدالت کی قسم کھاکر کہتا ہوں کہ جس وقت ہماری عورتیں۔ ہمارے مرد بلکہ چھوٹے چھوٹے بچّے ذاکروں سے وہ ناروا باتیں سُنتے ہیں جو کہ ہمارے جدِ گرامی سے کی گئیں واللہ خونِ جگر آنکھوں سے پانی ہو کر بہہ جاتا ہے۔ مجھ کو پورے طور پر اسکا بھی یقین نہیں کہ فی الواقع میں اصلی سیّد ہوں۔ اور ابتدا سے اِس وقت تک کوئی تغیر نہیں ہوا۔ کیونکہ نسب ایک ظنی شئے ہے۔ لیکن ہاں اِس میں شک نہیں کہ غلامانِ سادات سے ضرور منتسب ہوں۔ با این بُعدِ زمانہ و تذبذبِ نسب جبکہ ہمارے قلب کی یہ کیفیت ہے کہ اِدھر عمر کا نام سُنا اور اُدھر جگر غصّہ سے کانپنے لگا تو کیا حسنینؑ و جنابِ زینبؑ و حضرتِ امیرؑ کو جو کہ اصلی زخم خوردہ و دردرسیدہ تھے عمر سے کوئی خاص عناد نہوگا۔ جمع بین الصحیحین میں ہے کہ جب حضرتِ امیر علیہ السلام کی

لوگوں نے بجرم عدم بیعتِ ابی بکر روئے توجہ پھرالی اور عزّو احترام میں کمی کرنے لگے تو آپ نے ابوبکر سے کہلا بھیجا کہ تم تنہائی میں مجھ سے ملاقات کرو مگر عمر کو ساتھ نہ لانا۔ ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ جنابِ امیرؑ عمر کی صورت دیکھنا مکروہ سمجھتے تھے۔ گوکہ سیدہ پر تمام جفائیں عہدِ ابوبکر میں ہوئیں۔ مگر چونکہ مدار المہام ریاست عمر صاحب تھے اور وہی آگ اور لکڑیاں لیکر دروازۂ سیدہؑ پر گئے تھے۔ جو کچھ ہوا وہ سب اُنہی کے کہنے سننے کا نتیجہ تھا۔ لہٰذا زیادہ تر معتوب اہلبیتؑ کے نزدیک حضرت عمر ہی تھے ہم شیعہ لوگ بھی تمام معاندینِ خاندانِ نبوّت میں جیسی خونی نگاہوں سے اِن کو دیکھتے ہیں کسی کو نہیں دیکھتے۔ چونکہ اصل بناءِ مقدمہ محبت اور اتحاد ہے۔ اور وہ ایسی ڈھیلی اور کمزور جسکا پایان نہیں۔ اندریںصورت مدّعیان اپنے دعوے میں کیونکر صحیح القول مانے جاسکتے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ عدالت نہایت غور و انصاف سے مقدمہ کی تجویز میں دماغی قوّت سے کام لیگی۔ (یہ تمام تقریر سنکر عدالت وکیلِ مدّعیان سے:۔ آپ اِس موقع پر کچھ کہہ سکتے ہیں؟)

غلام معاویہ وکیلِ مدّعیان۔ سوائے معاملہ سقطِ محسنؑ اور تمام باتیں ہماری کتابوں میں بہ تفصیل و تشریح درج ہیں۔ گوکہ ملل و نحل میں بروایتِ نظام اسقاطِ محسنؑ کا حال لکھا ہے۔ نیز صاحبِ حبیب السیر نے بھی سیدہؑ کا سبب وفات اِسی صدمہ کو بیان کیا ہے۔ سوائے ازیں اور کتابوں میں بھی اِسکا کچھ ذکر ہوا ہے۔ لیکن میں اُسکے تسلیم کرنے میں بچند وجوہ متامل ہوں۔ البتہ اِسکو ضرور تسلیم کرتا ہوں کہ حضرت عمر بے شبہ آگ لیکر گئے اور مقدمۂ مذکور میں سیدہ نے شیخین سے ترکِ کلام کرکے تاحیات گفتگو نہ کی۔ اور جنازہ پر آنے کی روادار نہ ہوئیں لیکن جنگ و پرخاش کا نتیجہ کبھی صلح بھی ہوجاتا ہے۔ دو دشمنوں میں گاہ گاہ آشتی بھی دیکھی گئی ہے۔ سیدہؑ کی وفات سنہ ۱۱ھ میں ہوئی اور نکاح سنہ ۱۷ھ میں۔ ممکن ہے کہ اِس بڑی مدّت میں حضرت امیرؑ کو جناب عمر نے اپنے حسنِ کردار سے رضامند کرلیا ہو اور وہ کدورت جو کہ سیدہؑ کے زمانۂ حیات تک تھی برطرف ہوکر منجر بہ محبت

ہو گئی ہو۔ اور بحالتِ موافقت حضرت امیر نے نکاح کر دیا ہو۔ اس میں بظاہر کچھ بھی استبعاد نہیں معلوم ہوتا۔

عدالت نثار نجیبن سے۔ وکیل مدعیان کو عداوت کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں۔ اور نہ وہ کر سکتے ہیں کیونکہ اُسکے شواہد مؤیدات کتب مدعیان میں بیش از بیش ہیں۔ عدالت کی رائے میں وکیل کا یہ کہنا کہ بعد وفات سیّدہ عمر صاحب نے علیؑ کے دل میں گھر کر لیا ہوگا کچھ وقیع معلوم نہیں ہوتا مگر بطور اتمام حجت آپ دکھلا سکتے ہیں کہ پس از وفات فاطمہؑ بھی علیؑ و عمر میں وہی کھینچ تان رہی۔

سید نثار نجیبن۔ میں بفضلہ اس کے ثابت کرنے پر نہایت مضبوطی سے تیار ہوں۔ بخاری و مسلم میں لکھا ہے کہ حضرت امیرؑ اور حضرت عباسؓ سے یہ مقدمہ بحثِ فدک عمر نے فرمایا کہ عہدِ ابوبکر میں تم دونوں یہ مقدمہ لیکر آئے تھے جب اُسنے تمہارے خلافِ مراد فیصلہ صادر کیا تو آپ صاحبوں نے اُسکو کاذب غادر دخائن و آثم سمجھا اور مجھ کو بھی ویسا ہی جانتے ہو۔ سجاد حسین بارہوی نے رسالہ سجادیہ میں اس بحث کو نہایت وضاحت سے لکھکر شیخین کا منافق ہونا ثابت کیا ہے اور بعض روسائے امروہہ نے بذریعہ رسالہ حمایت الایمان مشتہر کیا کہ اگر اہلسنت بردِّ مضامین رسالہ موصوف حضرتِ ابوبکر و عمر کا با ایمان مرنا ثابت کر دینگے تو اُنکو ایک لاکھ روپیہ انعام دیا جائیگا۔ چونکہ اہلسنت اپنے پیشوایانِ دین کا ایمانِ صحیح پر مرنا ثابت کرنے سے قاصر و معطل ہیں۔ لہذا کسی سے اُسکا جواب ممکن نہوا۔ حضرت امیرؑ جیسا کہ ابتدا سے شیخین کو برا جانتے تھے ویسا ہی آخر تک جانتے رہے۔ مدعی صاحبان بیان طراز ہیں کہ اگر حضرت علیؑ جناب عمر کو لائق اور دیندار جانتے تو کبھی اپنی لڑکی کا عقد خلیفۂ دوم سے نہ کرتے۔ جن چار لفظوں متذکرہ سے عمر متصف سمجھے گئے ہیں اُن سے بالاتر کوئی برائی ممکن نہیں۔ اندریں حالات کیونکر قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؑ ایک جھوٹے دغاباز اور بے ایمان کو خوشدلی سے بیٹی دیں۔ دنیا کا کوئی جاہل بھی اسکو باور نہیں کر سکتا اگر عمر

سے یہ رشتہ ہوا ہوتا تو وہ ضرور بقدرِ امکان حضرت امیرؑ کی فائدہ رسانی میں کوشش کرتے۔ کم از کم اتنا تو ضرور ہوتا کہ اپنے بعد اُن کو ملکِ اسلام کا مالک کر جاتے۔ مگر واقعات پر نگاہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کو جناب امیرؑ سے بحدّ سے عداوت تھی کہ حیلہ پیدا کرکے اُنکے قتل کی تدابیر کرتے رہتے تھے۔ اور ایسے عنوان قائم فرماتے تھے کہ علیؑ تک بوئے خلافت نہ پہنچ سکے۔ ایک ایسا واقعہ جو کہ اُن کے زمانۂ وفات کا ہے پیش کرتا ہوں۔ اسکے معائنہ سے عدالت پر اصح ہو جائیگا کہ عمر صاحب کو حضرت علیؑ سے شدید عداوت تھی اور وہ مدام اُن کی مدافعت کے وسائل و ذرائع ڈھونڈتے رہتے تھے۔ اُنکا دلی منشا یہ تھا کہ خاندان نبوی بالکل برباد ہو جائے۔ حکیم جلیل قریشی حنفی المذہب ساکن گلاؤٹھی ضلع بلند شہر نے ایک رسالہ مسمّٰے بہ نظامِ عثمانی لکھا ہے۔ رسالہ مذکور میں وہ تمام واقعات درج کیے ہیں جو کہ خلیفۂ ثالث کے عہدِ حکومت میں وقوع پذیر ہوئے تھے۔ صفحہ ۳۹ پر لکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے اپنی وفات کے وقت چھ آدمی۔ عثمان و علی و طلحہ و زبیر و سعد وقاص و عبد الرحمٰن ابنِ عوف سے کہا کہ "بعد ہمارے مرنے کے تم سب ایک جگہ جمع ہو کر دربابِ خلافت باخود ہا مشورہ کرکے کسی ایک کو تختِ حکومت پر بٹھا دینا"۔ بعد ازاں صفحۂ مذکور کی سطر ۲۲ پر لکھا ہے "عمر نے پچاس آدمی ہتھیار بند اس واسطے تعینات کیے کہ اگر اہلِ مشورہ سے پانچ آدمی ایک طرف ہوں اور ایک اکیلا ایک طرف ہو تو اُسکو فوراً گردن مار دو۔ اور اگر چار کی دو مخالفت کریں تب بھی تلوار سے کام لو اور اگر دونو جانب پلّہ مساوی ہو تو جس جانب عبد الرحمٰن ابنِ عوف ہو اُسکو ترجیح دو"۔ حضرت عمر نے غایت بیدار مغزی و دور اندیشی سے یہ ایسی قوی تجویز کی تھی کہ اگر علیؑ مخالفت کریں تو قتل ہو جائیں اور اگر نیچی گردن کیے بیٹھے رہیں تو جنکو عبد الرحمٰن صاحب جبّۂ خلافت حوالہ کریں اُسکے مطیع بنیں۔ میں انشاء اللہ اہلسنت ہی کے بیان سے ثابت کر دونگا کہ بے شبہ حضرت عمر کا منشا سوائے قتلِ علیؑ یا محرومی از خلافت اس کمیٹی کے قائم کرنے سے اور کچھ نہ تھا۔ حافظ عبد الرحمٰن صاحب

متوطن ملک پنجاب نے حضرت امیرؑ کی سوانح عمری لکھکر (المرتضیٰ) نام رکھا ہے اور مطبع
روز امرتسر سے چھپوا کر اُسکو شایع کیا ہے۔ لائف مذکور کے صفحہ ۶۴ و ۶۵ پر لکھا ہے کہ
جو انتظام حضرت عمر نے کیا تھا اُسکو سُنکر حضرت امیرؑ نے اپنے چچا عباس سے کہا کہ عمو صاحب
اِس دفعہ بھی خلافت ہم سے گئی۔ عمر نے ایسے ممبر انتخاب کیے ہیں جو مجھ کو محروم کر کے
دوسرے کو بہرہ یاب کرینگے۔ کیونکہ سعد وقاص عبد الرحمٰن کا چچا زاد بھائی ہے وہ باہم
مختلف الرّائے نہونگے۔ اور عبد الرحمٰن عثمان کا خسر ہے۔ یہ دونوں بھی مسئلہ یکجہتی کو
نہ چھوڑینگے۔ جبکہ حسب مظنۂ مرتضوی عبد الرحمٰن نے عثمان کو خلیفہ کیا تو حضرت امیرؑ
نے فرمایا یہ پہلا دن مجھ پر ظلم کا نہیں ہے اور آیۂ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى
مَا تَصِفُونَ پڑھکر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ میں حضرت علیؑ کا وہ جرم بھی دکھلائے دیتا
ہوں جس وجہ سے پریزیڈنٹ صاحب نے اُنکو نا قابل خلافت سمجھا تھا۔ عبد الرحمٰن تو
ایک چالاک آدمی تھا۔ اُس نے اپنے دل میں سوچا ہوگا کہ اِس موقع پر وہ چال چلو کہ
علیؑ کو خلافت بھی نہ ملے اور مجھ پر بہ نظر عوام کوئی اعتراض بھی قائم نہو سکے چنانچہ
اُسنے ایسا ہی کیا۔ اوّل حضرت علیؑ سے متوجہ ہو کر کہا کہ خلافت کے لیے آپ سے بہتر
کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ خدا اور رسول کے حکم کے ساتھ اُن سیرتوں کی پابندی
بھی اختیار کریں جنکو شیخین نے اپنی اپنی خلافت میں جاری کیا تھا تو بسم اللہ قبائے
خلافت موجود ہے۔ زیب بدن فرمائیے۔ پریزیڈنٹ صاحب جانتے تھے کہ بجز حکم خدا
و رسول علیؑ اور کسی کا اتباع نہ کرینگے اور وہی انکار عدم اتباع اُنکی محرومی کا
سبب ہو جائیگا۔ بالآخر یہی ہوا جسوقت عبد الرحمٰن نے سیرت شیخین کا نام لیا آپ نے
صاف انکار کر دیا۔ اب کیا تھا۔ مقرر کردہ خلیفہ عمر کا دلی مدعا پورا ہوا۔ عثمان سے پوچھا کہ
آپ ابوبکر و عمر کے قوانین کی پابندی کرینگے۔ اُنھوں نے فرمایا کہ سر اور آنکھوں سے عثمان
صاحب کا یہ کہنا تھا کہ عبد الرحمٰن صاحب نے فوراً خزانہ کی کنجیاں اُنکے حوالہ کردیں۔
یہ موقع غور طلب ہے۔ معاذ اللہ اگر عمر داماد تھے تو چونکہ داماد بجائے فرزند سمجھا گیا
ہے لہٰذا اُنپر واجب ہوتا ہے کہ باپ کا ہر طرح احترام کرے۔ نہ یہ کہ اُسکے قتل کرانیکی تدبیر

پیدا کرے۔ یا کہ اپنے ایسے باپ کو جسکے تقرب کو ذریعۂ مفادِ آخرت سمجھے ایک معمولی آدمی (عبد الرحمن) کے مقابلہ میں نیچے نمبر کی کرسی پر بٹھادے۔ اگر علیؑ عمر سے قطعی اختلاف کرتے تو ضرور اُسی جگہ قتل کیے جاتے۔ ایسی نابکار و ناہنجار اولاد سے جو کہ باپ کی تحقیر کرے یا کہ اُسکے قتل ہوجانیکے ذرائع سوچے آدمی اُوت بھلا۔ پس میں عدالت کو یقین دلاتا ہوں کہ حضرتِ امیرؑ و عمر وغیرہ میں ہرگز صفائی نہ تھی۔ جبکہ بقولِ عمر حضرت امیرؑ ابوبکر و عمر دونوں کو کاذب اور بے ایمان جانتے تھے تو صفائی یک دلی و یک جہتی کیونکر ہوسکتی ہے۔ وکیل صاحب کے بیان پر مجھ کو سخت تعجب آتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ بے شبہ فاطمہؑ تو عمر وغیرہ سے آزردہ گئیں۔ مگر ممکن ہے کہ اُن کی وفات کے بعد عمر نے اپنے حسنِ کردار سے علیؑ کے غبارِ طبیعت کو دھودیا ہو۔ ہائے یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ علیؑ فاطمہ علیہا السلام کے اذیت رساں سے محبت و دوستی پیدا کرلیتے جنابِ سیدہؑ کوئی معمولی عورت نہ تھیں۔ وہ سیدۃ الابرار کی پارۂ جگر تھیں جس سے وہ ناخوش ہوں سمجھ لینا چاہیے کہ اُسپر عذابِ خدا نازل ہوا۔ جنابِ سیدہؑ ابوبکر و عمر کے ہاتھ سے روحانی صدمہ اُٹھا کر جان دیں اور علیؑ ٹوٹی ہوئی طنابِ محبت کو کھینچ کھانچ کر مضبوط کریں۔ لا واللہ یہ کسی طرح ممکن نہ تھا۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ اہلِ سسرال کی خاک کو لوگ طوطیائے چشم بنا لیتے ہیں اور بقدرِ امکان اُنکی فائدہ رسانی میں کوشش کرتے ہیں۔ اگر علیؑ و عمر میں یہ پیارا رشتہ ہوگیا تھا تو حسبِ رواجِ زمانہ حضرت عمر ضرور اپنی بی بی کے میکے والوں کی عزت افزائی کرتے۔ اپنے عہدِ خلافت میں اُنکو بڑے بڑے عہدے دیتے امیر معاویہ اُن کے وقت میں شام کے گورنر بنیں اور حسنینؑ جو کہ بقولِ مدعیان اُن کے سگے سالے تھے اور ہر طرح کی لیاقت میں فردِ روزگار وہ کسی سررشتہ میں محرر بھی نہ بنائے گئے۔ اس موقع پر میں حضرت عثمان کی تعریف کرتا ہوں کہ اُنہوں نے مروان کو جو کہ مطرودِ رسول تھا محض سالا ہونیکی وجہ سے ریاست اسلام کا مالک کر دیا۔ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ نے حسبِ تسلیم علمائے مدعیان

بحقِ مرتضوی فرمایا ہے (اَقضَاکُم عَلیؑ) (یعنی تم میں سب سے بہتر فیصلہ کرنیوالے علیؑ ہیں)
افسوس ہے کہ بایں مراتب حضرت عمر نے جناب امیرؑ کو مدینہ کا جج بھی نہ بنایا۔ الم رتضٰے
متذکرہ بالا کے صفحہ ۶۳ سطر ۴ پر لکھا ہے "حضرت علیؑ عمر کی خلافت وہ سالہ میں مثل
زمانۂ خلافتِ اوّل گوشہ نشین رہے" نہایت تعجب ہے کہ علیؑ عمر کو اعلٰے و الیق سمجھ کر
بیٹی دیں اور خود بصد افسردگی و انقباضِ طبیعت ایک کونے میں بیٹھنا گوارا فرمائیں
اکثر مشاہدہ میں آیا ہے کہ جن خاندانوں میں محبّت و اتحاد ہوتا ہے اُسکا اثر نسل در نسل
متحد خاندانوں کی اولاد میں ضرور رہتا ہے۔ یہی حال عداوت کا ہے۔ اب دیکھنا چاہیے
کہ حضرتِ عمر کی اولاد کا حضرتِ امیرؑ کے ساتھ کیسا برتاؤ تھا؟ دنیا بھر کے مسلمان متفق
ہیں کہ حضرتِ عمر کے بڑے صاحبزادے جناب عبداللہ نے حضرتِ علیؑ کے دستِ
حق پرست پر بیعت نہیں کی۔ مُدام کشیدہ خاطر رہے۔ اور حضرتِ دوم کے چھوٹے
صاحبزادے جنکا نام عبیداللہ تھا امیر معاویہ کے لشکر سے برآمد ہوکر علیؑ کی سپاہ سے
گرم پیکار ہوئے۔ اور بالآخر قتل ہوگئے۔ اگر علیؑ و عمر میں ایسا نازک رشتہ ہوگیا تھا تو
نہایت حیرت ہے کہ عمر کے بچّوں نے اپنے نانا سے کیوں مخالفت کی۔ یہ اثر اُسی پچھلی
رنجش و عداوت کا تھا جو کہ علیؑ و عمر میں واقع ہوچکی تھی۔ ورنہ کہنا پڑیگا کہ وہ دونوں
ناخلف اور بدباطن تھے کہ اپنے باپ کے دوست سے راہِ اختلاف اختیار کی۔ وکیل صاحب کو
مذہبی تاریخ پر اطلاع نہیں۔ حضرتِ علیؑ و ثلثہ کی ایسی کھلی ہوئی عداوت تھی کہ چھپائے سے
نہیں چھپ سکتی۔ حضرت عائشہ صدیقہ و امیر معاویہ و دیگر اہلِ عرب قطعی طور پر حضرتِ امیرؑ
کو قاتلِ عثمان جانتے تھے۔ انکو یقین کامل تھا کہ مصریوں نے بہ ایمائے علیؑ خلیفۂ ثالث
کو قتل کیا ہے۔ اگر اُن میں دوستانہ تعلقات تھے تو ام المومنین (عائشہ) و خال
المؤمنین (معاویہ) کو ایسا خیال کرنیکی کیوں گنجائش مل سکی یا دوستوں میں سے کوئی کسی کو
دوست کا قاتل کہہ سکتا ہے۔ پس میں نہایت اطمینان سے عرض کرتا ہوں کہ خلفائے اہلسنت
و خاندانِ نبوّت میں سخت عداوت تھی۔ ابتدائے مخاصمت سے کبھی گھٹی نہیں۔ دم بدم ترقی ہی
ہوتی رہی۔ تمام مقدمہ میں یہی مغالطہ اتحاد اہم اور جو مقدمہ کا اصلی اصول تھا۔ اسی کو بدایں

دلائلِ واضحہ بیان کیا گیا کہ جسکے ابطال پر کسی کو قدرت نہوگی۔ بعد ازاں میں اُس ثبوت کی وقعت بھی دکھلاتا ہوں جو کہ منجانب مدعیان پیش ہوا ہے۔ تمام راویانِ اہلسنت کا بیان ہے کہ اُمِ کلثوم دخترِ علیؑ سے سنہ ۲۰ھ میں حضرت عمر نے عقد کیا جبکہ وہ لڑکی پانچ یا انتہا چھ برس کی تھی اور سنہ ۲۳ھ میں خلیفۂ دوم کا انتقال ہوگیا۔ بہ این حساب عمر کے زمانۂ وفات پر اُس لڑکی کی عمر نو برس کی ہوتی ہے۔ اتنی عمر والی عورت سے عموماً ہمبستری بھی نہیں ہوسکتی چہ جائیکہ دو اولاد بھی اُس سے پیدا ہوجائیں۔ پس بحکم عقل و عاداتِ نسوانی یہ نکاح ناممکن و محال قرار پایا۔ دخترِ علیؑ کی چونکہ اِسوقت پندرہ سولہ برس کی عمر تھی اور دخترِ ابوبکر کی پانچ چھ سال کی۔ لہذا یہ وہی ابوبکر کی لڑکی تھی جسکی تائید روایاتِ پیش کردہ وکیلِ مدعیان سے بخوبی مسل میں موجود ہے۔ اس موقع پر ایک وہم عارضِ طبائع ہوتا ہے اور وہ یہ کہ عمر نے چھ برس کی لڑکی سے کیوں عقد کیا؟ لہذا بطورِ دفع دخل عرض کرتا ہوں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ نے عمرِ پنجاہ سالگی میں حضرت عائشہ سے عقد کیا تھا جبکہ اُن کی عمر بھی چھ سال کی تھی۔ تین برس بعد عمرِ نہ سالگی میں آنحضرت نے ام المؤمنین سے ہم بستری کی۔ اِس واسطے فقہار نے نظر بحالاتِ عائشہ کرکے یہ حد قائم کردی کہ نو برس تک کی عورت قابلِ مباشرت ہوسکتی ہے۔ میرے نزدیک تمام ممالک دنیا میں سوائے عائشہ صاحبہ کے کوئی عورت ایسی چھوٹی عمر میں بالغ نہیں ہوئی۔ شاید حضرت ابوبکر کے نطفہ میں یہ اثر ہو کہ اُنکی لڑکیاں بخلافِ معمولِ زمانہ جلد قابلِ کار ہوجاتی ہوں۔ غالباً حضرت عمر نے سمجھا ہوگا کہ اِسوقت نکاح کرکے گھر میں رکھ لو۔ تین برس بعد مثل اپنی بہن کے یہ بھی تیار ہوجائیگی مگر افسوس ہے کہ وہ لڑکی حدِ بلوغ پر نہ پہنچنے پائی تھی کہ عمر صاحب وفات پاگئے۔ میں یہ بھی عدالت پر ظاہر کیے دیتا ہوں کہ سنہ ۲۰ھ میں جبکہ عمر کا خطبہ کیا جانا راویانِ مدعیان نے بیان کیا ہے حضرت اُمِ کلثوم کی شادی ہوچکی تھی۔ سنہ مذکور میں بروئے حساب صاحبزادی کی عمر پندرہ یا سولہ برس کی قرار پاچکی ہے۔ اور اس زمانہ میں عموماً ہر ملک کی لڑکیاں حدودِ رشد و بلوغ سے گزرجاتی ہیں۔ شریعت کا حکم ہے کہ بالغ ہوتے ہی لڑکیوں کی شادی کردی جائے۔ بلکہ افضل یہ ہے کہ پہلا معمولی خون شوہر کے گھر آئے۔ چنانچہ بانی شریعت نے اپنی صاحبزادی کا

عقد بفور رشد حضرت امیرؑ سے کر دیا۔ اٹھارہ برس کی عمر میں معصومہ نے وفات پائی چنانچہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے بھی امہات الامہ میں بعمر ہجدہ سالگی سیدہ کا وفات پا جانا تحریر فرمایا ہے اس مدت میں معظمہ کے چھ اولادیں بھی ہوئیں۔ پس کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ جو خاندان مروج شریعت ہو کر خود پابند احکام شرع ہو اور دوسروں کو متابعت شریعت کا حکم دے وہ اپنی بیٹی کو اتنے زمانہ تک بلا نکاح گھر میں بٹھائے رکھے۔ عدالت کو یقین فرمانا چاہیے کہ ام کلثوم دختر حضرت امیرؑ اسوقت نا کتخدا ہی نہ تھی۔ علاوہ ازیں بیان مدعیان یہ ہے کہ ام کلثوم نے بعہد معاویہ عمر کے گھر وفات پائی حالانکہ بہ اتفاق علمائے سنی و شیعہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت ام کلثوم معرکہ کربلا میں موجود تھیں۔ ان کے خطبے نقل ہوئے ہیں۔ اگر وہ روایات صحیح مانی جائیں تو سارا قصہ ہی غلط ہوا جاتا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ ام کلثوم دختر ابوبکر کے نام کا دھوکا کھا کر راویان مدعیان نے بغرض اثبات اتحادیہ طوفان بے تمیزی برپا کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے علماء کو اس نکاح سے انکار رہا ہے جسکے مفصل حالات مسئلہ میں موجود ہیں۔ مدعیان شیعہ لوگوں کو ندامت دینے کے لیے مذاقیہ کہا کرتے ہیں کہ علیؑ نے عمر کو بیٹی دیکر داماد بنایا۔ اگر فی الواقع ایسا ہوا بھی ہو تو ہمکو اس سے کیا حجاب ہو سکتا ہے اور حضرت علیؑ کی اس میں کیا منقصت ہے۔ حضرت عمر بہ اسباب ظاہر مسلمان بلکہ سلطان اہل اسلام تھے۔ عرب کے نامور بادشاہوں میں انکا شمار ہے۔ شوکت و ثروت سبھی کچھ انکو حاصل تھی اگر علیؑ نے بفرض حسب بیان مدعیان نکاح کر دیا تھا تو کیا توہین اہلبیتؑ ہوئی۔ ہاں اگر کسی مشرک و مرتد ظاہری سے حضرت امیرؑ نکاح کر دیتے تو لائق ایراد تھا۔ شیعہ لوگوں سے آج تک کوئی عالم انکے شرک جلی و ارتداد ظاہری کا قائل نہیں ہوا۔ البتہ منافق ہونے پر سب کو بلا اختلاف اتفاق ہے۔ صدر اسلام میں مابین مومنین و منافقین ایک ساتھ کھانا پینا۔ اٹھنا بیٹھنا۔ بیاہ شادی۔ سب کچھ مرسوم تھا۔ جو عمل کہ خالص مومنین کرتے تھے وہی منافقین بھی بجا لاتے تھے۔ نفاق و ایمان ہر دو صفات مخفیات میں داخل ہیں۔ قرائن سے اہل نظر مومن و منافق میں امتیاز کر لیا کرتے تھے۔ مابین مدعیان و مابندگان عقد ام کلثوم مابہ النزاع نہیں۔ بلکہ ثلثہ کا ایمان ہے۔ ہماری حجت یہ ہے کہ اگر عمر نے بزور سلطنت حضرت امیرؑ کو

مجبور کرکے معاذ اللہ اُنکی بیٹی سے عقد بھی کرلیا ہو تو اس سے اُسکے اسلام کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ ہاں اگر مدعیان خلفاء و اہلبیت نبوی کا اتحاد ثابت کر دیتے تو بلا نکاح بھی ہم حضرت عمر کو اپنا پیشوا مان لیتے۔ سو وہ کسی طرح ثابت نہیں۔ بلکہ انتہا کی مخالفت پائی جاتی ہے۔ چونکہ عدالت کی تمام مسل پر نظر ہے لہذا اپنی گفتگو ختم کرکے بہ ادب ملتجی ہوں کہ واقعہ عقد کے تمام اطراف و جوانب پر نظر فرماکر فیصلہ صادر فرمایا جائے۔

رائے عدالت

آج مقدمہ پیش ہوکر اوّل سے آخر تک مسل ملاحظہ سے گزری۔ عدالت نے عرضی دعوے بیان تحریری پر غائر نظر کرکے ۱۹ تنقیحات نہایت اہم و ضروری متعلق مقدمہ برآمد کرکے دونوں فریقین کو ہر تنقیح پر بحث و مباحثہ کرنیکا موقع دیا۔ ہر دو فریق کا ثبوت تحریری و تقریری دیکھ اور سُنکر اُسی موقع پر اپنی رائے ظاہر کر دی۔ اس مقدمہ میں جسقدر تنقیحات ہیں اُسی قدر فیصلے ہیں۔ ایک تنقیح میں بھی وکیل مدعیان کو کامیابی نہیں ہوئی۔ جس عنوان پر دعوے دائر کیا گیا تھا اُسکو وکیل مدعیان پورا نہ کرسکا۔ اگر ہم اُن تمام باتوں کو جن پر خوب خوب بحث ہوچکی ہے دوبارہ زبانِ قلم پر لائیں تو فضول طوالت ہوگی۔ سید نثار پنجتن وکیل مدعا علیہم نے نہایت صاف اور واضح طور پر ایسی شائستہ تقریر کی جسکے ہر ہر لفظ سے ہمکو اتفاق ہے مدعیان مستدعی ہوئے ہیں کہ بربنائے محبت و مودتِ اہلبیت و عقدِ امّ کلثوم خلیفہ عمر کو سارٹیفکٹ ایمانداری دیا جائے تاکہ آئندہ مدعا علیہم خلیفہ عمر پر الزام وارد کرنے اور تیر مطاعن برسانے سے باز رہیں۔ جہاں تک غور کیا گیا عدالت پر مثل آفتاب روشن ہوگیا کہ خلفاء ثلثہ خصوصاً حضرت عمر و اہلبیت نبوی میں اس درجہ خصومت و بے لطفی تھی جسکا پایان نہیں۔ اس باہمی عداوت کا بالآخر یہ نتیجہ ہوا کہ خاندانِ نبوت بالکل تباہ و برباد ہوگیا۔ صرف تباہ ہی نہوا بلکہ ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کی نگاہ سے انکا اقتدار جاتا رہا۔ ہمارے روبرو صدہا مقدمات عقد بعنوانِ مختلفہ پیش ہوئے مگر آج تک کوئی مقدمہ مثل اسکے درج رجسٹر نہیں ہوا۔ دولھا کہتا ہے کہ میں محض نامرد ہوں۔ کبرسنی و ضعف پیری سے نسوانی خواہش بالکل نہیں رہی۔ صرف اس وجہ سے نکاح کرتا ہوں کہ نبی کے رشتہ داروں میں میرا چہرہ لکھا جائے۔ جو کہ آخرت میں سبب مغفرت ہو۔ مخطوبہ کا

باپ کہہ رہا ہے کہ وہ لڑکی صغیر سن ہے اور میں نے پہلے سے اسکو اپنے خاندان میں منسوب کر رکھا ہے۔ لڑکی کو جب خبر اس خواہش کی پہنچی ہے وہ منھ لپیٹ کر پڑ رہتی ہے اپنے سرپرستوں سے کہتی ہے کہ اگر مجھ کو اس بڈھے سے بیاہا گیا تو میرا کچھ بس نہیں۔ روضۂ رسولؐ پر جا کر فریاد کرونگی۔ دولھامیاں کے لوگ کان بھر رہے ہیں کہ لڑکی کا باپ عذرِ لاطائل کر رہا ہے۔ دراصل وہ آپ کے ساتھ شادی کرنا ہی نہیں چاہتا۔ یہ حضورِ حکومت پیغام دیتے ہیں کہ سیدھی انگلیوں سے میری خواہش کو پورا کر دو۔ ورنہ یاد رکھنا ایسا پچھتاؤگے کہ پھر افسوس کرنے سے بھی کوئی فائدہ نہوگا۔ تمہاری معیشت کے سامان میں خرابی ڈالکر تنگ روزی کر دونگا جہیں تک اپنے غصہ سے کام نہ لونگا۔ بلکہ دو گواہ قائم کر کے چوری کے مقدمہ میں تمکو پھانس لونگا۔ ہاتھ کو جڑ سے اُڑا دونگا۔ اگر میری مخطوبہ فی الواقع کم عمر ہے تو میرے پاس بھیجدو تاکہ معائنہ کر کے خود جانچ کر لوں۔ آخرکار لڑکی کا وہ باپ جو کہ شریف ترین عرب ہے اپنی بیٹی کو جو کہ نبیؐ کی سگی نواسی ہے قبل از نکاح اُسکے چاہنے والے کے پاس بھیجکر کہتا ہے کہ میں یہ تعمیلِ ارشاد پیش کرتا ہوں۔ بشرطِ پسند آپکا مال ہے۔ جب وہ بے نکاحی لڑکی جاتی ہے تو بوڑھا نوشہ چھاج سی ڈاڑھی لٹکا کر اس نادان سے مجنونانہ طور پر حرکات کرتا ہے۔ کبھی اسکو تیز نگاہ سے گھورتا ہے۔ گال منہ چومتا ہے سینہ سے لپٹاتا ہے۔ کبھی اُسکا پائنچہ اُٹھا کر ران سہلاتا ہے۔ یہ لڑکی یہ واہی برتاؤ دیکھ کر مارنیکو ہاتھ اُٹھاتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ اگر تو مومنوں کا امیر و سلطان نہوتا تو ان حرکات کے بدلے میں تیرا منہ نوچ لیتی اور آنکھ پھوڑ ڈالتی۔ ہمکو سخت حیرانی ہے کہ علیؑ ایسے شخص نے کیونکر اس بے حمیتی کو گوارا کر لیا کہ کنواری لڑکی کو بعرضِ پسند و غیر پسند خواستگارِ نکاح کے پاس بھیجدیا سوائے اس نکاح کے آج تک ہمارے کان سے کوئی ایسا واقعہ نہیں گزرا۔ یہ نکاح سب باتوں میں بے مثال اور اپنی نظیر خود ہی ہے۔ کمینے لوگ بھی ایسی بیحیائی کو باوصف بیشہ ور ہونیکے ہرگز گوارا نہیں کر سکتے۔ حسنؑ و حسینؑ دو جوان بھائی موجود ہیں اور انکی بہن

کے ساتھ ایسی ناہموار کارروائی ہو رہی ہے۔ وہ لڑکی جب باپ کے پاس جاتی ہے تو شکایت کرتی ہے کہ اے بابا آپنے کس بڈھے خبیث کے پاس مجھ کو بھیجدیا تھا اُسنے تو میرے ساتھ ایسا کیا۔ عزّت مند باپ جواب دیتا ہے کہ اے بیٹی اُسکی دست درازی کا شکوہ کرنا تجھ کو لازم نہیں۔ وہ بوڑھا آدمی جسکے پاس میں نے تجھ کو بھیجا تھا تیرا شوہر ہے۔ یہ بیٹی کی بات سُنکر وہ چُپ ہو رہتی ہے۔ عدالت کو خلیفہ عمر کی ایسی ناشائستہ حرکات پر سخت تعجب بلکہ نہایت افسوس ہوتا ہے کہ ایسا نامی سلطانِ اسلام جو کہ تدابیرِ سلطنت میں ایک خاص مشخص بیان کیا جاتا ہے ایسی ناہنجار باتوں کا مرتکب ہو جسکو ایک بازاری آدمی بھی ناپسند کرتا ہے۔ معائنہ مسل سے واضح ہو رہا ہے کہ خلیفہ عمر کی چار زوجہ اتفاقاتِ وقت سے مسمیٰ بہ اُمِّ کلثوم تھیں۔ اوّل اُمِّ کلثوم بنتِ جرول خزاعی مادرِ زید۔ چند کتب مدعیان مثل تاریخ کامل ابن اثیر و تاریخ طبری و تفسیر کبیر فخر الدین رازی و اسماء الرجال شیخ عبدالحق محدث دہلوی و ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ و اصابہ وغیرہ اسکی شہادت دے رہی ہیں۔ دوم اُمّ کلثوم بنتِ عقبہ بن ابی معیط۔ اسکا پتہ تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد ہشتم صفحہ ۱۹۱ و بخاری شریف مطبوعہ منشی نولکشور جلد ۴ صفحہ ۹۴۳ سے مل سکتا ہے۔ سوم اُمّ کلثوم مادر عاصم مندرجہ تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۲۵۱ مطبوعہ مصر۔ چہارم اُمِّ کلثوم دختر ابوبکر۔ چونکہ اُمّ کلثوم دختر ابوبکر بوجہ سوتیلی یا حقیقی ماں ہونیکے اسماء بنت عمیس کے ساتھ حضرت امیرؑ کے گھر پرورش پاتی تھی جسکے پیغام و سوالِ عقد کا ذکر مسل میں بوضاحت موجود ہے۔ حضرت امیرؑ نے اُسی کے باب میں بعذرِ صغر سنی ردِّ پیغام کیا تھا۔ راویان مدعیان نے بہ امیدِ اثباتِ فضیلتِ عمر حضرت امیرؑ کی اصلی بیٹی سے جو کہ اُسوقت بالغہ و رشیدہ بلکہ شوہردار تھی اِس قصہ کو گانٹھ دیا۔ اصل بانی اس افترا کا زبیر ابن بکار ہے جو کہ اشد ترین دشمن خاندانِ نبوّت تھا۔ اُسکے بعد ہر شخص نے کچھ نہ کچھ اضافہ کرکے اولاد مراد سب کچھ دکھلا دی۔ چنانچہ مدعا علیہم کے ایک بڑے ذیعزت عالم شیخ مفید نے جو کہ قریب العہد ائمہ ہیں کتاب ارشاد میں لکھا ہے کہ جو روایت متعلق عقد وارد ہوئی ہے

وہ زبیر ابن بکار کے دماغ سے نکلی ہے جو کہ غیر معتمد اور مخالف خاندانِ نبوت تھا۔ اصلیت تو صرف اتنی ہے کہ ابی محمد حسن بن یحییٰ نے اپنی کتاب میں اِسکو ابن بکار سے نقل کیا چونکہ وہ بزرگ ساداتِ علوی سے تھے لوگوں نے بہ ایں خیال کہ جب ایک شخص سید نقل کرتا ہے تو ضرور یہ عقد معرض وقوع میں آیا ہوگا لہذا ہر شخص نے طبع آزمائی شروع کر دی۔ اور یہ نہ دیکھا کہ اِس سید علوی نسب نے زبیر ابن بکار کا قول نقل کیا ہے اِسکی صحت پر اپنی جانب سے کچھ اضافہ نہیں کیا۔ تا اینکہ اس معاملہ میں یہاں تک ترقی ہوئی کہ طرفدارانِ خلیفہ عمر کا مستقل مذہب اِس عقد کی صحت پر قائم ہوگیا۔ وہ لوگ تو ہمیشہ سے اِس بات کے درپے رہتے تھے کہ کسی وجہ سے خلیفہ کا با ایمان مرنا ثابت ہو جائے۔ یہ روایت اُنکے ہاتھ میں ایک قوی حجت آگئی۔ چونکہ اصل معاملہ صحیح نہ تھا لہذا اِسکے ثابت کرنے میں وہ وہ باتیں تراشی گئیں جن سے حقیقتِ حال کھل گئی اور واقعہ کا طبعزاد و غیر اصلی ہونا ظاہر ہوگیا۔ جو باتیں کہ راویانِ مدعیان نے عقد کی متعلق لکھی ہیں وہ کسی طرح ذہن نشین نہیں ہو سکتیں۔ ہم نے آج تک نہیں سُنا کہ کوئی لڑکی پانچ چھ برس کی عمر میں ایک بوڑھے سے جو کہ بقولِ خود نامرد بھی ہو دو اولاد جن سکے جسقدر ثبوت منجانب وکیلِ مدعیان پیش ہوا وہ سب صغیر سنی کا مثبت ہے اِسی اعتبار سے حیدر علی وغیرہ علمائے مدعیان بہت زور سے کہہ رہے ہیں کہ مولا علی نے اُس صغیرہ کو قبل از نکاح اسی جہت سے عمر کے پاس بھیجدیا تھا کہ (بوجہ صغر سنی بحد شہوت نرسیدہ بود) اِس مقدمہ میں جسقدر روایات عدالت کے سامنے پیش ہوئیں سب ایک دوسری سے مختلف۔ ایک راوی کہتا ہے کہ اُس صغیرہ سے دو بچے پیدا ہوئے اور مادر و پسر بعہد معاویہ بوقت واحد وفات پاگئے۔ علمائے شیعہ عموماً اور بعض مؤرخین اہلسنت لکھ رہے ہیں کہ اُمِ کلثوم کربلا سے قید ہو کر شام میں گئیں اور وہاں دربار یزید میں اُنہوں نے گفتگو کی۔ اگر بقولِ مدعیان دخترِ علیؑ زمانۂ معاویہ میں مر چکی تھی تو یہ شام میں کون اُمِ کلثوم آگئی۔ کچھ حضرات فرماتے ہیں کہ جس زید نے اپنی ماں کے ساتھ وفات پائی وہ اُمِ کلثوم خزاعیہ کا بیٹا تھا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اُمِ کلثوم نے صغر سنی میں عمر کو گھر قضا کی۔

اور کوئی اولاد اُنکے نہیں ہوئی۔ کسی کا بیان ہے کہ بعدِ وفاتِ عمر عون پسرِ جعفر سے عقدِ ثانی
ہوا۔ دوسرے محقق کہتے ہیں کہ عون بعہدِ عمر ایک جنگ میں قتل ہو گئے تھے۔ چونکہ یہ ایک
بناوٹی معاملہ ہے لہذا سب باتوں میں اختلاف ہے۔ علیؑ مرتضےٰ کی اور بھی چند
بیٹیاں تھیں۔ اور سب کا نکاح بیاہ حسبِ دستورِ زمانہ ہوا ہے۔ مگر یہ تفصیلی حالات کسی
لڑکی کے نہیں لکھے۔ عمر و سن و خطبہ و مہر و اولاد اور بعد بیوہ ہونیکے دو تین اور نکاح۔ کوئی
حالت ایسی نہیں جو بیان کرنے سے چھوڑی ہو۔ نہ معلوم راویانِ فرقۂ مدعیان کو کیا ضرورت
داعی ہوئی تھی جو صرف اِس لڑکی کے ہر خشک و تر حال کو قیدِ قلم میں لائے معلوم ہوتا ہے کہ
اِس تفصیل سے کسی بڑے مطلب کی تخم ریزی منظور تھی۔ صحاحِ اہلسنت پر نظر کرنے سے اور بھی
اِس واہی عقد کی بے اعتباری ظاہر ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ مدعی اُسی بات کو قابلِ اعتبار
جانتے ہیں جو کہ اُنکی صحاحِ ستہ میں درج ہو۔ عدالت نے بنظرِ احتیاط مسلم و بخاری و ترمذی
و مشکوٰۃ و نسائی و موطا و ابن ماجہ وغیرہ کو از اوّل تا آخر دیکھا کسی محدث نے اِسکا ذکر تک نہیں
کیا۔ اگر یہ عقد واقع ہوا ہوتا تو اربابِ صحاح بہ نظرِ اظہارِ فضائلِ عمر ضرور اِسکا ذکر کرتے۔
تعجب ہے کہ حضرتِ بخاری و مسلم وغیرہ صرف بہ این غرض کہ عائشہ کی محبت و عزت ثابت ہو وہ
باتیں لکھیں جو کہ میاں بیوی میں بعالمِ شوق ہوا کرتی ہیں۔ مگر ایسے عظیم واقعہ کو جو کہ خاندانِ
نبوت و خلفا میں بنیادِ اتحاد قائم کرنیوالا ہے چھوڑ دیں۔ یہانتک تو لکھدیا ہے کہ نبیؐ نے
اُم المومنین کو کاندھے پر چڑھا کر حبشیوں کا ناچ دکھایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ صحاح سے بعد
میں لوگوں نے یہ مضمون تراشی کی ہے۔ اِس مقدمہ میں منجانبِ مدعیان دس گیارہ شہادتیں
پیش ہوئیں۔ ہر گواہ مجروح۔ دشمن اہلبیتؑ۔ جھوٹا۔ فریبی۔ دغاباز ثابت ہوا۔ اُن میں بعض سزائے
بید و جیلخانہ پائے ہوئے ہیں۔ جو کہ کسی طرح لائقِ اعتبار و اطمینان نہیں۔ وکیلِ مدعیان نے کتبِ
مدعا علیہم سے چند باتیں پیش کیں جنپر بغور نظر کرنے سے معلوم ہوا کہ علمائے شیعہ نے اِس عقد
سے قطعی انکار کیا ہے۔ بعض نے بفرضِ تسلیم اقرار کرکے لکھا ہے کہ اگر حضرتِ امیرؑ نے بجبرِ عمر
نارضامندی سے عقد کر دیا تو اس میں عمر کو کوئی دینی فائدہ نہیں مل سکتا۔ بلکہ بیجا دباؤ ڈالنے
اور بزورِ حکومت نکاح کرنیکا الزام عمر صاحب پر قائم ہو سکتا ہے۔ حدیثِ خرائج پیش کردہ وکیل

مدعیان سے ثابت ہوا کہ امام جعفر صادقؑ نے قطعی انکار کیا اور معتقد نکاح کو گمراہ بتلایا۔ کتب شیعہ میں جو دو ایک روایتیں وارد ہوئی ہیں وہ اُم کلثوم دختر ابوبکر سے علاقہ رکھتی ہیں کیونکہ وکیل نے جو کتاب کافی سے ایک ثبوت دکھلایا ہے اور وہ پانچواں ثبوت ہے اُس میں بروایت ہشام حضرت امیرؑ نے مخطوبہ عمر کو (صبیہ) ظاہر فرمایا ہے علم الحساب سے بوقت خطبۂ عمر ام کلثوم پندرہ یا سولہ برس کی تجویز ہو چکی ہیں۔ ایسی عورت کو کوئی صبیہ نہیں کہہ سکتا۔ اُس روایت میں بھی حضرت علیؑ کا برضامندی نکاح کر دینا نہیں لکھا بلکہ حضرت عباسؓ کا۔ چونکہ علمائے مدعیان بالعموم مخطوبۂ عمر کو صغیر سن بتلاتے ہیں۔ اور روایت کافی میں بھی صبیہ لکھا ہے لہذا اگر وہ ہو بھی تو ام کلثوم دختر ابوبکر۔ علیؑ کی بیٹی سے اسکو کوئی مناسبت نہیں۔ اگر یہ نکاح تسلیم بھی کر لیا جائے تو خلیفہ عمر کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتا کیونکہ جبر و نارضامندی اُنکے ایمان کی بنیاد کو بالکل اُکھاڑتی ہے۔ علاوہ ازیں ایک تنقیح میں جو کہ متعلق بہ نسب عمر برآمد ہوئی ہے کتب مدعیان سے ثابت ہوا ہے کہ خلیفۂ دوم کی نسبی حالت ایسی پُرنفرت ہے کہ کسی طرح ایسے عالی خاندان میں جو کہ اشرف عرب تھے اُنکا نکاح ہونا ممکن نہیں رسالہ تحقیق جدید مؤلفہ سجاد حسین بارہوی سے ثابت ہوا ہے کہ آنحضرتؐ نے ولید ابن مغیرہ سے عمر کو تشبیہ دی تھی جو کہ انتہا درجہ کا بد و زنا لائق اور نطفۂ حرام تھا۔ پس کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ ولید ایسے خوش نسب کے مثل و مانند سے حضرت امیرؑ نبیؐ کی نواسی کا عقد کر دیتے۔ ہر قوم و ملت میں یہ قاعدہ جاری ہے کہ نسبت کرتے ہوئے دو لھا دلھن کے نسب پر پوری نظر ڈالی جاتی ہے۔ سادات عظام اور دیگر شرفاء اسلام میں سب سے زیادہ اسکی تحقیقات کی جاتی ہے ممکن نہیں کہ ایسے مشہور بد نسب کا رشتہ کسی کھرے خاندان میں ہو سکتا۔ عدالت کوئی کمزور وجہ بھی ایسی نہیں دیکھتی جو کہ مدعیان کو قوت دے سکے۔ نظر بوجوہات صدر یہ مقدمہ قابل ڈسمسی ہے۔ اور بجائے سارٹیفکیٹ ایمانداری خلیفہ کے لیے وہ صفت تجویز کی جاتی ہے جو کہ شدید ترین دشمنان خاندان نبوت کے لیے ضروری ہے۔ عام اشتہار دیا جاتا ہے کہ آئندہ کوئی سنی اس عقد کا نام زبان پر نہ لائے اور نہ عمر کے محب اہلبیتؑ ہونیکا یقین کرے۔ مگر عدالت اس مقدمہ کو ڈسمس کرتی ہوئے سخت افسوس کرتی ہے کہ اب خلیفہ عمر دنیا میں موجود نہیں۔ ورنہ اُن پر تین جرم قائم

کے کے سزائے شدید دی جاتی۔ جرم اوّل ایک کم عمر لڑکی سے بحالتِ نامردی نکاح کر کے مدام کے لیے اسکی زندگانی کو خاک میں ملا دینا۔ جرم دوم خاندانِ نبوت کو دھمکانا۔ ڈرانا اور جھوٹا مقدمہ دائر کرنیکا خوف دلانا۔ جرم سوم ایک شریف زادی کو قبل از نکاح اپنے گھر بلا کر خلافِ آدمیت حرکات کرنا۔ چونکہ خلیفہ اس وقت دنیا میں موجود نہیں لہذا مدعا علیہم کو ہدایت کی جاتی ہے کہ تخلیہ میں بعد ہر نماز خفی اور ہلکی آواز سے اُس کے لیے دعا کریں کہ خدا اپنی رحمت سے اُس کو دور رکھے۔ مسل داخلِ دفتر ہو۔

التماسِ مؤلف

واضح ہو کہ جنوری ۱۹۰۴ء میں حقیر خانہ پر بہ انتظام اہلکارانِ پولیس ایک عظیم الشان جلسہ مناظرہ ہوا تھا جسکو اب ۱۹۱۳ء میں تقریباً بیس برس ہوتے ہیں۔ اس تقریب میں جناب مولانا و مقتدانا السید مولوی علی اظہر صاحب ادام اللہ فیوضہم مؤلفِ کنزِ مکتوم بھی رونق افزا ہوئے تھے۔ سالِ اوّل الذکر سے پہلے میں یہ بھی نہ جانتا تھا کہ مناظرہ کن کن حرفوں سے لکھا جاتا ہے۔ اتفاقاتِ حسنہ سے مجھ کو اِس زمانہ میں جبکہ مذہبی امور سے کوئی آگاہی معمول سے زیادہ نہ تھی ایک خواب دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ غالباً مناظرہ سے دس برس پہلے کا یہ واقعہ ہے۔ ہر چند کہ میرا خواب دوسروں پر حجت نہیں ہو سکتا۔ اور بالخصوص اہلسنت پر تو ذرہ برابر بھی کوئی تاثیر پیدا نہیں کر سکتا مگر چونکہ مجھ پر ایک حالت واقع ہوئی ہے۔ لہذا مناسب موقع سمجھ کر عرض کرتا ہوں میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ کے روضۂ اقدس میں گیا ہوں بعد حصولِ شرفِ زیارت ادباً اُلٹے پاؤں وہاں سے لوٹا۔ دہنی سمت دیکھا کہ صدہا عورات جمع ہیں۔ مرد کا وہاں وجود نہیں۔ ایک عورت سے پوچھا کہ یہ نسوانی مجمع کیسا ہے؟ اُسنے کہا " زیارت کرو۔ حضرت اُم سلمہؓ زوجۂ جناب رسولِ خدا بیٹھی ہیں " جسوقت اُم المومنین کا اسمِ گرامی سُنا فوراً رکوع سے زیادہ خمیدہ ہو گیا۔ دونوں ہاتھوں سے مجمع کو ہٹاتا ہوا معظمہ کے قریب پہنچکر قدموں پر سر رکھدیا۔ اُس وقت میرے

قلب کی فرطِ مسرت سے یہ حالت تھی کہ جیسے کوئی شخص ضروری چیز بھول جاتا ہے اور دفعتاً اُس بھولی ہوئی بات کا بتلانیوالا مل جاتا ہے۔ عرض کی کہ حضور آپ سے بہتر کوئی اِس واقعہ کو نہیں جان سکتا۔ یہ تو ارشاد ہو کہ عمر سے جو اُم کلثوم کا نکاح ہونا بیان کیا جاتا ہے اُسکی اصلیت کیا ہے؟ تین مرتبہ حضرت اُم المؤمنین نے ہاتھ اٹھا کر فرمایا لَا وَاللّٰہِ۔ لَا وَاللّٰہِ۔ لَا وَاللّٰہِ لَا۔ یہ سُنکر فوراً میری آنکھ کھُل گئی۔ بجائے خود یقین کر لیا کہ فی الواقع یہ معاملہ محض غلط ہے اور کسی طرح حدودِ ممکنات میں نہیں آسکتا۔ خواب دیکھنے سے دو چار روز بعد قصبۂ سمبلہیڑہ سے کسی مریض کی نبض دیکھنے جناب مولانا و مقتدانا مولوی السید محمد حسن صاحب لکھنوی (برادرِ بزرگ جناب مجتہد العصر و الزمان السید مولانا محمد حسین صاحب واعظ و ذاکر مقیم پٹنہ عظیم آباد) تشریف لائے عالمِ دین سمجھکر سب سے اوّل اُن سے عرض کیا کہ جنابِ قبلہ بلا کسی خیال کے میں نے ایسا خواب دیکھا ہے۔ ممدوح نے فرمایا کہ روضۂ اقدسِ نبوی میں مشرف بہ زیارت ہو کر ایسا واقعہ پیش نظر آنا رُویائے صادقہ میں داخل ہے۔ یہ ایک سچی بشارت ہے۔ یقین کرنا چاہیے کہ معاملۂ عقد بالکل افترا و بہتان ہے۔ اور ممکن ہے کہ کبھی تیرے ہاتھ سے کوئی معاملہ متعلق بہ دین وقوع پذیر ہو۔ خدا کا شکر ہے کہ اِس بیس سال کے عرصہ میں مجھ جاہلِ نو آموز نے چھوٹے بڑے پچاس رسالے لکھ دیے۔ جو کہ بعنایتِ الٰہی مؤمنین کی نظرِ فیض اثر میں بعزت دیکھے گئے۔ غالباً یہ اُسی خواب کا اثر ہے کہ مجھ ایسے بیدانش نے مقدمۂ عقد میں کتابِ مستطاب کنزِ مکتوم سے اقتباسِ مضامین کرکے ایک خاص عنوان سے اِس بے سروپا واقعۂ عقد کو واضح کرکے دکھلا دیا حضرات مومنین سے التجا ہے کہ اگر تحریرِ حقیر پسندِ خاطر ہو تو فقیر کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں

والسّلام

تمام شد